1012

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम जिन्दगानी के नज़ीर यानी सवानेउमरी नज़ीर

लेखक मौ॰ सय्यद मोहम्मद अब्दुल गफ़ूर साहब

प्रकाशन वर्ष 1900

आगत संख्या 1012

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी विश्वविद्यालय,
हरिद्वार
वर्ग 08/15 आगत संख्या 1548

पुस्तक-वितरण की तिथि नीचे अंकित है। इस तिथि सहित २० वें दिन तक यह पुस्तकालय में वापिस आ जानी चाहिए। अन्यथा १० पैसे के हिसाब से विलम्ब दण्ड लगेगा।

1 5 FEB 1986

1012;U

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ

زندگانی بے نظیر

یعنی

سوانح عمری نظیر

1012
0.8/15
A ०० 1548
ऋते ज्ञानान्न मुक्तिः
पुस्तक सं०
आगत सं०
तिथि०
गुरुकुल पुस्तकालय कांगड़ी
1012;U

جس مین نظیر اکبرآبادی کے حالات وخیالات سے انگریزی اصول

تذکرہ نویسی پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے

تالیف

نازک خیال بلند پرواز جناب مولوی سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز

پروفیسر اورنگ آباد کالج

مطبع منشی نولکشور مین حسب طبع آراستہ ہوئی

لکھنؤ سنہ ۱۹۰۰ع

पुस्तकालय गुरुकुल कांगड़ी
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ سوانح عمری نظیر

...ی صبح زندگانی تھی اور مہر پری کا آغاز طلوع۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی
...ہیں۔ تفہیم کے جھکولوں سے شاخ و برگ پڑے جھوم رہے تھے۔ تعلیم کے دریچے
...ا بیل بوٹوں سے آنکھوں کو تازگی حاصل ہوتی تھی اور پھول تیمیوں سے دماغ
...ا جد کے گلبن حافظہ پر کسی روز نظیر کا بلبل طبع چہکا۔ نغمہ یہ تھا۔

...ل اُڑھائی تو اُسی شال میں خوش ہیں
...ے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

...ر ایک امر ضروری تھا۔ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ اس نغمے نے کیا مزہ دیا۔ وہ
...ہی ہی اور خالی از لطف نہیں۔ بلبل تو چہک کر اڑ گیا مگر نول اب تک

...زمزمہ بھی سُننے میں آیا تھا:-

...اقعہ ہے:-

فہرست

(۱) دیباچہ زندگانی بے نظیر...
(۲) نظیر کی پیدائش.....
(۳) نظیر کی طفولت.......
(۴) نظیر کے مشاغل لہو...
(۵) نظیر کی جوانی...
(۶) نظیر کی میلے ٹھیلو...
(۷) نظیر دہلی سے آگرے جا...
(۸) نظیر کی شادی.......
(۹) نظیر کی پیری.....
(۱۰) نظیر کے اخلاق...
(۱۱) نظیر کا مذہب او...
(۱۲) نظیر کا مذاق موس...
(۱۳) نظیر کے شاگرد...
(۱۴) انشا نظیر کا متبع ہ...
(۱۵) نظیر کی تشبیہ برن...

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	صفحہ
	۲۲۱
یں ہی	۲۲۵
....	۲۵۶
....	۲۵۹
....	۲۶۶
....	۲۷۴
....	۲۷۹
....	۳۰۴
....	۳۱۱
....	۳۱۵
....	۳۵۰
....	۳۷۹
....	۳۹۱
....	۳۹۴
....	۳۹۶
....	۴۰۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ سوانحِ عمریِ نظیر

اللہ اللہ! وہ بھی کیا دن تھے۔ میری صبحِ زندگانی تھی اور مہرِ پدری کا آغازِ طلوع۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور دھیمی دھیمی شعاعیں پھیل رہی تھیں۔ تفہیم کے جھکولوں سے شاخ و برگ پڑے جھوم رہے تھے۔ تعلیم کے دریچے سے میں گلستاں بوستاں کی سیر کر رہا تھا۔ بیل بوٹوں سے آنکھوں کو تازگی حاصل ہوتی تھی اور پھول تپیوں سے دماغ معطر ہوتا تھا۔ اِسی عالم میں جنابِ والد ماجد کے گلبنِ حافظہ پر کسی روز نظیر کا بلبلِ طبع چہکا۔ نغمہ یہ تھا۔

گر شال اُڑھائی تو اُسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

میٹھے سُر اور پیارے بول۔ وجد ایک امرِ ضروری تھا۔ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ اِس نغمے نے کیا مزہ دیا۔ وہ صدا آج تک کانوں میں گونج رہی ہے اور خالی از لطف نہیں۔ بلبل تو چہک کر اُڑ گیا مگر نول اب تک دل میں گڑی ہوئی ہے۔

یاد پڑتا ہے اُنھیں دنوں میں یہ زمزمہ بھی سُننے میں آیا تھا۔

ہ غالباً یہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عاشق ہی تو مولیٰ کو ہر اک رنگ میں پہچان

اور شاید یہ برڈن آوسونگ بھی :-

سب ٹھاٹھ[۲] پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا[۳]

ایک گلابی ورق پر نستعلیق ترکیبوں سے یہ خط و خال بھی سُرمہ کشِ نظر ہوئے تھے۔

خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو ای یارو
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
نظیر اِس طرح سے تضمین کر تو مصرعِ حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقدِ ثریا را

مقبولیت نے جو تُخم مزرعِ دل میں نصب کیا تھا مدتوں نسیان اور تغافل کے پتھر کے نیچے دبا رہا۔ جب سے کلکتے میں اڈیٹری نے میرے لیے کرسی خالی کی تو وہاں بعض عنایت گُستر ہاتھوں نے اُس پتھر کو ہٹایا اور اُس تخم کو ازسرِ نو پھلنے پھولنے کا موقع ہاتھ آیا۔

اخبار جس کا میں اڈیٹر تھا چونکہ ہندوستان کے انگریزی دار السلطنۃ سے نکلتا تھا اور بادشاہ کمپنی کے زیرِ اہتمام لہٰذا دار السلطنۃ کہلاتا بھی تھا۔ اس کے مالک معمولی تعلیم کے پنجابی تھے۔ پڑھے لکھوں کی صحبت میں بیٹھتے اُٹھتے چشمِ بد دور

لہ برڈن آوسونگ انگریزی میں آستائی کو کہتے ہیں۔ چونکہ ٹیپ بھی آستائی کا کام دیتی ہے لہٰذا اُس پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یہ انگریزی اصطلاح اس مقام پر بغرضِ لطفِ ایہام لائی گئی ہے۔

[۲] ٹھاٹھ = اسباب۔ مال و متاع۔ دھن دولت۔ جائداد۔

[۳] بنجارا = اناج کی سوداگری کرنے والا۔ ایک قوم کا نام جو غلے کی سوداگری کرتی ہے۔ سوداگر۔ بیوپاری۔ مثل۔ بیچے سو بنجارا۔ رکھے سو ہتیارا۔

معہ مابین ۱۸۸۶ء و ۱۸۸۱ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ گئے تھے۔ ایک دن سڑک پر کوئی خوش آواز فقیر نظیر کا کلام (شاید کوڑی نامہ) صدا میں پڑھتا جا رہا تھا۔ سُن کر بے ساختہ اُن کی زبان سے یہ فقرہ نکلا۔ "اس شخص کا کلام بھی کتنا پاکیزہ ہوتا ہے"۔ اُسی دن سے نظیر کی طرف پھر کر بڑے زور سے خیال رجوع ہوا اور آج تک رجوع ہے۔ اُسی زمانے سے پھر یہ معمول ہوا کہ جب کوئی کلام نظیر کا نظر سے گزرتا شوق سے دیکھتا، توجہ سے اُس کے مطالب پر غور کرتا، اور دل سے محظوظ ہوتا۔ جس قدر زیادہ اس کا کلام پڑھتا گیا اُس کی عظمت بڑھتی گئی۔

جنوری ۱۸۸۵ء میں جب بیمار ہو کر کلکتے سے گھر آیا تو اُن دنوں مجھ کو اس کے کلام سے خاص عشق تھا۔ اتفاق سے مکان پر چند نامے نظیر کے ایک کتاب میں مجلد ملے۔ عبد الرحمٰن خان شاکر نے بعض دین دارانہ اور عقیدت مندانہ خیال سے اُن کو انتخاب کر کے نیلگوں کاغذ پر یکجا چھپوایا تھا۔ یہ مجموعہ وہی تھا جو جناب والد کے ہاتھ میں میں نے کسی زمانے میں دیکھا تھا۔ بڑے شوق سے دیکھا اور نہایت دل لگا کر اُس کی بندشوں اور خیالات کو اخذ کیا۔ جا بجا بعض عیوب بھی تھے مگر خوش عقیدگی کی نظر بندی سے اصلا نظر نہ آئے۔ کسی شاعر عرب نے سچ کہا ہے:۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

نظیر کے دامن میں جہاں کہیں دھبے نظر آتے تھے متقدمین کی نظیریں صابون بن کر صاف دھو دیتی تھیں۔

میرے بزرگوں میں ایک مولوی ہو گزرے ہیں۔ اکرم علی اُن کا نام تھا اور گوہر تخلص۔ طبیعت رسا رکھتے تھے اور اشعار آب دار نکالتے تھے۔ ایک روز میں اُن کے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ اُن میں کچھ اوراق ایسے بھی نکلے جن میں نظیر کے بہت سے اشعار، مشہور غزلیں، اور منتخب نامے درج تھے۔ اُن اشعار سے جہاں قائل کی خوبی اور انتخاب کرنے والے کا سلیقہ ظاہر ہوا ایک عقدہ یہ بھی حل ہوا کہ نظیر کا کلام جہاں ملتا تھا شعرا اپنے ذہن کو قوت اور طبیعت کو فیض پہنچانے کے لیے بطور یادداشت غنیمت جان کر لکھ لیا کرتے تھے اور مدتوں نُقلِ محفل رکھتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غرضیکہ یوں ہی درجہ بدرجہ نظیر کی مقبولیت ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ دو ایک نظمیں بھی میں نے اُس کی تقلید میں لکھیں مثلاً اتفاق نامہ، آئینۂ تہذیب۔ جب تدریج میں نظیر کا حد سے زیادہ معتقد ہوا تو طبیعت اُس کے حالات کی جویا ہوئی۔ متداول تذکرے کل اُلٹ ڈالے مگر تفصیلِ خاطر خواہ ہر جگہ عنقا۔ دوسرا ہوتا تو ہار کر بیٹھ رہتا مگر دل کی لگی بری ہوتی ہے دل اس پر بھی خواہ مخواہ اپنے ارادے پر اڑا رہا کہ نظیر کے سوانحِ عمری مرتب کیے جائیں، اور مفصّل مرتب کیے جائیں اور تذکرہ نویسوں کی بدخیالی سے اس ناصحِ شفیق پر جو ظلم ہوئے ہیں وہ مٹائے جائیں، اور بزور مٹائے جائیں کسی شاعرِ ہندی نے کیا خوب کہا ہے:

جن ڈھونڈا تن پائیاں، گہرے پانی پیٹھ۔

تلاش میں بڑی برکت ہے۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے آخر اتنے حالات ملے کہ خود میرے خیال میں بھی نہ تھے۔ سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ نظیر کا کلیات لکھنؤ سے منگوایا اور نہایت غور سے اُس کا مطالعہ کیا۔ ہر نظم سے ایک نتیجہ اُس کے حالاتِ زندگی کے متعلق نکالا اور ہر شعر سے اُس کے کلام کی خوبی کے وجوہات مستنبط کیے۔

کلیات جو ہاتھ آیا زمانۂ موجودہ کی نفاست پسندی اور قطع و بُریدِ قانونی کی وجہ سے ناتمام تھا۔ مخدومِ اکبر حکیم اصغر حسین فرخ آبادی کی عنایت سے مطبعِ احمدی آگرہ کے نسخے نے اِس داغِ ناتمامی کو مٹایا۔

پہلے جو کلیات آیا تھا وہ منشی نولکشور کے مطبع کا تھا۔ دل نے کہا منشی صاحب ہی سے خط و کتابت کرو۔ کلیات چھاپا ہے۔ شاید بعض جزئی حالات بھی جانتے ہوں۔ منشی صاحب کو جو خط گیا تھا اُس کا جواب منشی جالپاﮦ پرشاد صاحب نے عنایت کیا۔ خط† میں منجملہ اور مضامین کے ایک مضمون یہ بھی تھا کہ میاں نظیر ہر سال فرخ آباد کو جایا کرتے تھے۔ فرخ آباد کے تعلق نے حکیم صاحب کی طرف ذہن کو منتقل کیا۔ اُنھوں※ نے اپنے داماد احمد علی‡ خاں کا پتا دیا جو اُن دنوں آگرے میں

ﮦ سکریٹری اودھ اخبار لکھنؤ۔

† نمبری ۲۸۵۰۔ مورخہ ۱۱۔ جولائی ۱۸۹۱ء

※ بذریعۂ مراسلۂ ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء از فتح گڑھ ضلع فرخ آباد

‡ انسپکٹر رکاب گنج آگرہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تشریف رکھتے تھے۔ احمد علی خاں نے میرزا نوازش علی بیگ کا نشان‡ بتایا جو میاں نظیر کی نواسی کے اکلوتے داماد ہیں۔ میرزا نوازش علی بیگ سے معلوم+ ہوا کہ میاں نظیر کی نواسی ابھی جیتی جاگتی ہیں اور میاں نظیر کے بہت سے حالات اُن کو معلوم ہیں۔ غرض یوں سلسلہ بسلسلہ اصل چشمۂ مقصود تک پہنچا، اور پہنچا تو سیراب بھی ہوا۔

جون سنہ ۱۸۹۲ء میں ایک ضرورت سے میں آگرے گیا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں، بیک کرشمہ دو کار، میرزا نوازش علی بیگ کی نوازش سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ اُن کی خوش دامن سے بھی مل کر خوش خوش دامنِ مقصود بھر لایا۔ میاں نظیر کے مزار کی بھی زیارت ہوئی۔ اُن کی غیر مشتہر تصانیف سے چار پانچ کتابیں بھی ہاتھ آئیں۔ میاں غلام محمد رہا ہنوز قیدِ حیات سے آزاد نہوے تھے، اُن سے بھی کچھ استفسارات رہے۔ استفسار کی یہ ابتدا تھی مگر پھر تو اس کا سلسلہ اس قدر بڑھا کہ جو شخص آگرے کی طرف کا ملتا اُسی سے کچھ نہ کچھ حالات دریافت کر لیتا۔ فقیر بھیک مانگنے آیا ہے۔ لب و لہجے سے آگرے کا معلوم ہوا۔ بٹھا کر اُسی سے کچھ باتیں پوچھ لیں۔ کوئی سیاح صاحب کتابیں بیچتے ہوئے تشریف لائے ہیں۔ اکبر آباد کی بہت باتیں بیان کرتے ہیں۔ آکر اُنھی سے کچھ حقیقت دریافت کر لی۔ جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں اس قدر نظیر کے حالات کا جویا ہوں تو بعض اشخاص خود بے پوچھے بھی بتانے لگے۔

چوں کہ نظیر کے مزاج پر موزونی کے ساتھ مزاح بھی غالب تھی تو خاص اس پہلوے طبیعتِ انسانی کی تحقیق کے لیے اپنے زمانے کے بعض قدیم نمونۂ طباعی و ظرافت کی بھی مدتوں صحبت رکھی اور اُن کے اخلاق و عادات حرکات و سکنات کا برسوں دوربینِ تحقیق سے مشاہدہ کیا۔ غرض بقول سعدیؒ

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم   ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

---

‡ سب انسپکٹر لوہا منڈی۔ آگرہ۔

+ بذریعۂ مراسلۂ ۲۹- اکتوبر سنہ ۱۸۹۱ء

+ بذریعۂ خط و بالمشافہہ۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماخذ تو اس قدر قلیل مگر کتاب باعتبار مضامین خاصی عمرو عیّار کی زنبیل! اسکا سارا بھید بند ہی دو لفظوں مین تفتیش اور تخییل۔ تفتیش نے تخییل کو اُبھارا تخییل نے تفتیش کو چمکایا۔ دونوں ملکر مضمون کو لے اُڑیں ؎

واں پہنچی ہی فریاد کہ لپٹے نظر آئے
دُم دار ستارے، کئی، فریاد کی دُم میں

رُباعی

کیا اک تمہیں نور کی دکھائیں قُمری
ہر دم جو پڑی الاپتی ہی ٹُھمری
شہباز کے ہاتھ میں وہ قُمری ہی قلم
ٹھُمری ہی نظیر کی سوانح عُمری

اشتہار میں اس کتاب کا نام نظیر نامہ مشتہر ہوا تھا اِس خیال سے کہ نظیر مشہور ناموں ہی سے ہی۔ مگر اتّفاق سے بعض تاریخی نام ایسے عُمدہ نکل آئے ہیں کہ اُن کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ تاریخ کہتی ہی۔ زندگانیِ بے نظیر۔ کہو۔ یا اکبر آباد کے نظیر کی سوانح عُمری۔ اشتہار کہتا ہی نظیر نامہ سے بہتر کوئی نام نہیں۔ تجویز کش مکش میں ہی۔ اشتہار اور تاریخ کی کش مکش میں "دل آویز" بیچ بچاؤ کو اُٹھ کھڑا ہوا اور پانو پڑ کر دونوں کو راضی کر لیا۔ اب چاہے "نظیر نامۂ دل آویز" کہہ لیجیے چاہے "زندگانیِ بے نظیر"، چاہے "اکبر آباد کے نظیر کی سوانح عُمری"۔ ایہام کا فتویٰ ہی:۔

خیر الامور اوسطُها۔

اچھا یہی سہی۔

جام باغ۔ حیدرآباد دکن۔
٩٦٠٨٠٢٠

دیباجہ طراز
محمد عبد الغفور شہباز

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی پیدایش

محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ ہو اور شہر میں رنگ رلیاں نہ منائی جائیں کوئی کہنے کی بات ہی۔ در و دیوار سے رنگ ٹپکتا تھا اور گلی گلی سے راگ اُبلتے تھے۔ لال قلعہ لالوں لال تھا اور چاندنی چوک مالا مال۔ لیکن عام قاعدہ قدرت کے مطابق اس راگ رنگ کے زمانے میں بھی بعض گھر نوحہ و شیون سے خالی نہ تھے۔ ہرچند زمانہ بہت گزر گیا ہی مگر خیال کی دوربین آنکھوں سے ہم اب بھی دیکھتے ہیں کہ شہر کے کسی گوشے میں خوش وقت ہمسایوں سے گھرے ہوئے گھر میں دو نیک بختیں نہایت ملول بیٹھی ہیں اور رفع ملال کی کچھ نسوانی معصومانہ تدبیریں سوچ رہی ہیں۔ بڑی بی کی پیشانی اور بھنووں پر توہم نے ایک خاص کھنچاوٹ پیدا کر رکھی ہی۔ صاحبزادی کی آنکھیں گو اشک بار نہیں مگر پُرنم ضرور ہیں۔ غم کی تصویر کوئی نقاش اس سے بہتر کھینچ نہیں سکتا۔ نگاہ بارِ غم سے اُٹھتی نہیں۔ ہر وقت جھکی ہی رہتی ہی۔ رنگت گو زرد نہیں ہی مگر پھیکی ضرور پڑ گئی ہی۔ خون آہستہ آہستہ جسم میں گھٹ رہا ہی۔ بعض وقت گزشتہ مصیبتیں یاد آکر دل کو بےچین کر دیتی ہیں۔ یکایک رنگ فق ہو جاتا ہی اور دفعۃً آنکھوں سے غم آلود مگر خوش نما آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو پڑتا ہی۔ عاشق زار ماں یہ منظر دیکھ نہیں سکتی۔ وہ بھی بلبلا اُٹھتی ہی اور پھر ساون بھادوں ملکر برسنے لگتے ہیں۔ بلکہ ع

یوں نہ برستے دیکھے ہوں گے کسی نے ساون بھادوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لونڈی مامائیں یہ سماں دیکھ کر ہمدردی کے رومال لے کر دوڑتی ہیں اور دل سوزی کے ہاتھ سر پر رکھ کر خیر خواہی سے آنسو پونچھتی ہیں۔ آنسو تھمتے ہی پاس پڑوس کے اور مصیبت مندوں کا ذکر چھڑ جاتا ہے اور جھاڑ پھونک اور دعا تعویذ کے تجربے بطور علاج بیان ہونے لگتے ہیں۔ مُلّا بیانوں درویشوں مجذوبوں کی زندہ کرامتیں ایک نہیں بیسیوں چشم دید شہادت کے ساتھ بڑے زور سے مذکور ہوتی ہیں۔ بوعلی قلندر اور نظام الدین اولیا اور قطب صاحب اور نصیر الدین چراغ دہلی اور شاہ سرمد کی اولاد بخشی کی نظیریں سیکڑوں پیش کی جاتی ہیں۔ خوش اعتقاد نیک بختیں پہلے بے اعتنائی سے سنتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کی توجہ اُدھر زیادہ مُڑنے لگتی ہے۔ پھر ہر بات وحی اور الہام کا رتبہ بہم پہنچاتی ہے اور آخر یہ ہوتا ہے کہ بڑی بی بڑے اصرار سے فرماتی ہیں کہ خدا کے لیے میری بچی کے لیے بھی کوئی تدبیر سوچو بلکہ ہو سکے تو آج ہی فلاں شاہ صاحب کے ہاں جاؤ اور اُن کو خدمت سے خوش آمد سے منت سے سماجت سے جس طرح بنے ہمارے حال پر مہربان کرو۔

یہ دو نیک بختیں جن کا ابھی ذکر ہوا گو اُس وقت نہ ہوں مگر اب تو یقیناً نظیر کی ماں اور نانی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی ماں کی اولادیں زندہ نہ رہتی تھیں۔ بارہ اولادیں ہوئیں اور بارھوں مر مر گئیں۔ دل کا ایک ناسور بہت ہوتا ہے جب بارہ بارہ ہوں تو پھر اُس دل کے درد اور ٹیس کا کیا پوچھنا ہے۔ نسوانی تدبیریں زیادہ فوق العادہ اُمور سے متعلق ہیں ماما دائیوں کے ذریعے سے ایسی تدبیریں ایک نہیں سیکڑوں کی گئیں مگر کوئی بکار آمد نہ ہوئی۔ تجسس کے سلسلے میں ایک بزرگ ایسے بھی ملے جنھوں نے ماما کی زبانی نظیر کی نانی کو کہلا بھیجا کہ لونڈی ماماؤں کو کیا بھیجتی ہے۔ کام چاہتی ہے تو داماد کو بھیج۔ محمد فاروق نام کے اعتبار سے جو کچھ ہوں مگر معمولی تعلیم کے آدمی تھے۔ بارہ اولادیں کھو چکے تھے ایک معتقد علیہ اور مشارٌ الیہ فقیر کا جو یہ پیام سُنا سر کے بل دوڑے اور آنکھوں سے وہ پھول اُٹھا لائے جو فقیر نے اُن کو اپنے گلشنِ کرامات سے عنایت کیے۔ یہ پھول گنتی میں پانچ تھے۔ فقیر کی ہدایت تھی کہ اُن کو سونگھ کر دریا میں ڈال دینا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور جو کیفیت اِن پھولوں کی ہو پھر مجھ سے کہہ جانا۔ عقیدت میں شور بور جمنا کنارے پہنچے اور ایک خوشگوار تشویش کے ساتھ اُن پھولوں کو پانی میں پھینکا۔ اِن میں سے صرف ایک پھول تو سیدھا پڑا باقی سب پٹ۔ یہ خبر لے کر پھر فقیر کے پاس پہنچے۔ فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا۔ قابلیت اُس کی غنچے کی طرح شگفتہ ہوگی اور خوش بو اُس کی پھول کی طرح تمام پھیلے گی۔ حسنِ اتّفاق یہ کہ اسی کے بعد آثارِ حمل بھی ظاہر ہوئے۔ عقیدت دوبالا ہوگئی۔ نویں مہینے میاں نظیر دبستانِ عدم سے مکتبِ ظہور میں آئے۔ چوں کہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے۔ جرم سنگین تھا۔ لہٰذا ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید دئے گئے۔ اِس سزا پر معصوم آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ بطورِ عذرِ گناہ خوش تر از گناہ ناک میں بُلاق ڈالا گیا۔ کانوں میں دُر لٹکے۔ بُلاق نے نتھنوں سے سرگوشی شروع کی۔ دُر نے خدا جانے کانوں میں کیا پڑھ پھونکا۔ زینت لے اُڑی۔ بھولا پن منہ دیکھتا رہ گیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی طفولت

ڈیڑھ پونے دو سو برس قبل لڑکوں کی پرورش اور تربیت کا کیا ڈھنگ تھا اُس کا بیان اِس وقت میں آسان نہیں ہی۔ لیکن ازبس کہ ہمارے ہندوستانی بھائی کنسرویٹو[1] خیالات کے ہیں اور دستورِ قدیم کو چھوڑنا بہت کم پسند کرتے ہیں اس لیے قیاس چاہتا ہی کہ قریب قریب کُل باتیں یہی ہوں جو اب رائج ہیں۔ زچہ خانے سے لے کر مکتب کے زمانے تک ساری باتیں وہی ہوں گی جو اَب ہر شریف گھرانے میں دیکھی جاتی ہیں۔ چھٹی، چلہ، تارہ دکھائی، بگھیر بچہ وغیرہ خدا جانے کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں کون کہہ سکتا ہی کہ نظیر کی پیدائش میں یہ سب باتیں نہ ہوئی ہوں گی۔ نظیر پیدا ہوا ہوگا تو کیا اُس کی بزرگ عورتوں نے اُس کے لیے کپڑے اور زیور نہ بنائے ہونگے[2]؟

جب نظیر پیدا ہوا ہوگا تو کیا محلے اور قرابت کی عورتیں جمع نہ ہوئی ہونگی؟۔ کیا ڈھول مجیرے لے کر میراثنیں نہ پہنچی ہونگی؟۔ کیا زچہ گیریاں نہ گائی ہونگی؟۔ کیا لوگوں نے دعائیں نہ دی ہوں گی؟۔ کیا بچے کی صورت شکل

---

[1] کنسرویٹو یعنی قدیم دستور پر اڑے رہنے والا گروہ جو پُرانی باتوں کا چھوڑنا اور نئی باتوں کو اختیار کرنا بہت کم پسند کرتا ہی۔ سر لیپل گریفن نے ہندوستانیوں کے کنسرویٹزم یعنی قدامت پرستی کو ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو کے کسی پرچے میں نہایت مدلل اور خوش گوار طریقے سے ثابت کیا ہی۔

[2] زچہ خانے کا سامان کنھیا جی کے جنم میں خود نظیر یوں بیان کرتا ہی:۔

سب ناری آئیں گونے کی اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ہر دم مکھ اُس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں

کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں، کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں
کچھ تھال نیجبری کے رکھتیں، کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں

کچھ کہتی تھیں "ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو"
کچھ کہتیں "ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور قوی پر راے زنی نہ ہوئی ہو گی ؟- کیا لوگوں نے زچہ اور بچہ کو دعائیں نہ دی ہوں گی ؟- کیا دائی دُہر انعام نہ مانگتی ہو گی ؟- کیا پنجیری کے تھال طیار نہ ہوے ہوں گے ؟- کیا سونٹھ سنٹھورے کا سامان نہ ہوا ہو گا ؟- کیا بھانڈ بھگتیے اور ہیجڑے آ جمع نہ ہوے ہوں گے ؟-

عورتوں اور اُن کی رعایت خاطر سے مردوں نے جو خوشی ینگ جوگ کے دینے لینے میں ظاہر کی ہو گی اور اِس مولودِ مسعود کے ہونے کی خوشی میں باجے گاجے سے کام لیا ہو گا اُس کا تصور ہر شخص اچھی طرح کر سکتا ہی- لیکن عاقل اور دور اندیش عورتیں کم اور مرد زیادہ اُس لڑکے کے تیور سے اُس کی ذہانت اور فطنت استنباط کرتے تھے اور اُس کی ہر ادا سے سمجھتے تھے کہ لڑکا ہونہار ہی- آنکھیں بڑی ہوں یا چھوٹی لیکن اُن کی سرعت گردش- اُن کی چمک- پلکوں کی نرمی اور باریکی دکھاتی تھی کہ اُن چھوٹی کھڑکیوں سے ذہانت اور تیزی جھانک رہی ہی- بھنویں جُٹی ہوں یا علیحدہ مگر اُن میں بال ایک انداز سے اُگے ہوے تھے اور آنکھوں کی چودہ ورق کی کتاب کی فہرست نہایت اختصار کے ساتھ اپنی بغل میں دبائے ہوے تھیں- سر بڑا نہ تھا تو

کوئی گھٹی میٹھی گرم کرے، کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی کوئی دیکھے روپ اُس بالک کا، کوئی ماتھا چومے گھر گھری	کوئی لائی ہنسلی اور کھڑوئے، کوئی کُرتہ، ٹوپی، میوہ، گھی کوئی بھنووں کی تعریف کرے، کوئی آنکھوں کی، کوئی پلکوں کی

کوئی کہتی "عمر بڑی ہووے اے بیر تہارے بالے کی"
کوئی کہتی "بیاہ بہو لاؤ اِس اُس مرادوں والے کی" الخ

ہر چند یہ سامان ہندوؤں کے ہاں کا ہی لیکن مسلمانوں نے اکثر اِس قسم کی باتیں ہندوؤں سے اخذ کی ہیں اس لیے اُن کے ہاں کا سامان بھی قریب قریب یہی ہی مثلاً اکبر آباد میں قاعدہ ہی کہ جب کسی گھر میں بیٹا ہوتا ہی تو یہ لوگ اپنی ڈھولک وغیرہ لے کر آن موجود ہوتے ہیں اور گا بجا کر انعام طلب کرتے ہیں- یہ لوگ گویا کہ دیار کے نچوڑیے کی جگہ ہیں-

بیٹا ہوا کسی کے جو سُن پائیں ہیجڑے ناچیں بجا کے تالیاں اور گائیں ہیجڑے	سُنتے ہی اُس کے گھر میں پھر آ جائیں ہیجڑے لے لے کے بلّی بھاؤ بھی بتلائیں ہیجڑے

اُس کے بڑے نصیب جہاں آئیں ہیجڑے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھوٹا بھی نہ تھا۔ متوسط درجے کا لیکن اِس اُصول ہندسی پر بنا ہوا تھا کہ اکثر عُمدہ قوائے ذہنی کو اُس میں فراغت کی جگہ ملی ہوئی تھی۔ ناک بلند تھی اور اُس کی بلندی پر غیرت اور عزتِ نفس ننھی ننھی کرسیاں بچھائے بیٹھی تھی۔ ٹھوڑی اعتدال کی تھی۔ نہ بہت مختصر نہ بہت نکلی ہوئی۔ پیشانی چوڑی اور اونچی جس سے سیر چشمی ٹپکی پڑتی تھی۔ سینہ بہت چوڑا تھا جس سے فراخ حوصلگی کا اندازہ ہوتا تھا۔

یہ تصویر جو ہم نے کھینچی ہے نظیر کے اخلاق کے آئینے سے لی گئی ہے۔ اُس کی نواسی کا دیا ہوا فوٹو[۱] آگے چل کر پیش ہوگا۔

نظیر چوں کہ خاندان قریش سے تعلق رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ قریشی عموماً سیاہ فام نہیں ہوتے غالباً اُس کا رنگ گندم گوں ہوگا۔ گویا اُس کی رنگت بھی اُس کی آدمیت کی شہادت دیتی تھی۔ قد کو بہت پست نہین کہہ سکتے کیوں کہ اُس کی کسی تحریر سے اُس کا مکر وفن یا میلان فتنہ پردازی ثابت نہیں ہوتا۔ نہ بہت ہی طول بتا سکتے ہیں اِس لیے کہ حماقت کی جھلک بھی اُس کی کسی تحریر میں نہیں ہے۔ متوسط درجے کا قد و قامت ہوگا۔

جس زمانے میں نظیر ماں کی یا دائی ددا کی گود میں ننھا بچہ پڑا یا پالنے میں پڑا رہتا تھا اُس زمانے میں بھی لوگ دیکھتے تھے کہ وہ اپنی ذہانت سے کس طرح کام لے رہا ہے۔ مضغۂ گوشت محض۔ بےچارہ زیادہ ہل ڈل تو نہیں سکتا تھا لیکن چت پڑا ہے تو اُسی حالت میں چھت سے نظر جمائے کبھی کڑیوں کی حالت پر غور کر رہا ہے، کبھی شہتیر اور کڑیوں میں امتیاز کے اسباب تجویز کر رہا ہے۔ رنگ اور بو اور آواز کے نکات میں غلطاں پیچاں ہے۔ پتلیاں اُس کی آنکھوں میں بعض وقت بڑی سُرعت سے گردش کرنے لگتی ہیں، بعض

[۱] عکسی تصویر۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وقت غور و فکر کے ٹھہراے سے انتہا سے زیادہ ٹھہر جاتی تھیں۔ جاگتے وقت وہ اکثر فطرتی بے چینی سے گھڑی بھر میں بیسیوں پہلو بدلتا اور اکثر چیزیں جس جس تک اُس کا ہاتھ پہنچتا اُن پر بار بار ہاتھ پہنچاتا اور ہر مرتبہ ایک نئی بات سیکھتا۔ ازبس کہ شگفتہ مزاج پیدا ہوا تھا زیادہ لوگ اُس کو روتا نہ دیکھتے۔ اکثر مُسکراتا اور ہنستا رہتا اور اگر مرض کی کوئی شکایت نہیں ہی تو پاخانے پیشاب اور بھوک پیاس کی اوقات کے علاوہ لوگ اُس کو کبھی روتے نہ دیکھتے۔ اچھی صورتوں کا امتیاز اور اچھے لوگوں کی تمیز اُس کو لڑک پن ہی سے تھی۔ خوب صورت اور صاف سُتھرے آدمیوں کی گود میں شوق سے جاتا اور جن کو میلا دیکھتا یہاں تک کہ جنکے چہرے پر ڈاڑھی کچھ بہت بے قاعدہ گھنی ہوتی اُن کی گود میں جاتے گھبراتا اور رو کر جلد الگ ہو جاتا۔ اِس کے لب و دہن کی ساخت ایسی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ جلد بولنا سیکھے گا۔ نہ زبان موٹی نہ ہونٹھ موٹے۔ دونوں انداز کے۔ مسوڑھوں اور دانتوں کی ساخت سہولتِ تلفظ کے مناسبِ حال۔ تھوڑے ہی دنوں میں مم۔ ہپّا۔ آّا۔ آبا وغیرہ کہنے لگا اور بہت جلد معمولی الفاظ اپنے مطلب کے اُس کو یاد ہو گئے۔ اخذ اور حافظے کی قُوت اتنی قوی تھی کہ جو بات سُنی نقش کالحجر ہو گئی۔ ہر چند ایک زمانے تک بعض مخارج اِس سے ادا نہ ہوتے تھے جیسے ر ڑ ش وغیرہ مگر اُس نقص میں اُس کے بھولے پن نے وہ کمال پیدا کر دیا تھا کہ صحیح تلفظ اُس پیارے پیارے ننھے مُنے مخارج کے ایجاد کیے ہوے ناقص تلفظ کے آگے ہیچ تھا۔ دانتوں نے کچھ دنوں تک اُس کو ستایا لیکن پیٹ سے اچھے قوی لے کر نکلا تھا۔ اِس سے بسہولت اِس مشکل گھاٹی سے بھی نکل آیا۔ پوری تنبیسی تو نہ تھی مگر ٹوٹی پھوٹی جیسی تھی اُس کو اپنی جبلی خوش طبعی سے اکثر ناز کے ساتھ اپنے پاس والوں کو دن میں سیکڑوں بار دِکھاتا اور لوگوں کو یہ جھوٹے موتیوں کی لڑیاں دکھا دکھا کر اکثر نقدِ اُلفت حاصل کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ نظیر کا لڑک پن نہایت خوشی میں گزرا ہی۔ اِس کو اپنی ماں کے فراق کا صدمہ نہیں ہوا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُن کو دودھ کی طرف سے کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ اکثر بیماری جھیلا نہیں کیا۔ اِس کے بزرگ تشدد اور مار پیٹ کے آدمی نہ تھے۔ اچھے ماں باپ اور بزرگوں کے زیر سایہ اس نے پرورش پائی اور ایک شگفتہ اور بے داغ دل بے کردار التربیت سے باہر آیا۔ وہ لڑکپن کو جہاں یاد کرتا ہی اُس کی تعریف میں بے اختیار ہو جاتا ہی جیسے آدم کو جنت کی یاد آئی ہو۔ عشرت ایام طفلی کے بیان میں یہ بند قابلِ ذکر ہیں:۔

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے — ہر آن آنچلوں کے معمور تھے کٹورے
پاؤں میں کالے ٹیکے، ہاتھوں میں نیلے ڈورے — یا چاند سی ہو صورت یا سانورے وگورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

گُل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے — پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ماں باپ ان کی خدمت سر پر قبولتے تھے — ہاتھوں میں کھیلتے تھے، جھولوں میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

نے دوستی کسی سے، نے دل میں ان کے کینا — جانیں نہ بے قرینہ، نے سمجھیں کچھ قرینا
نے گرمیوں سے واقف، نے جانتے پسینا — چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش اُن کو دودھ پینا
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

جو دیکھے ان کی صورت لے پیار سے کھلائے — ہاتھوں اُپر اُچھالے، اور چھیڑ کر ہنسائے
چومے کبھی دہن کو، چھاتی کبھی لگائے — کوئی چُسنی مُنہ میں دیوے، کوئی جھنجھنا بجائے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی اُن کا کُرتا نکالتا ہی — یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماں دودھ ہی پلاتی، اور باپ پالتا ہی   نانا گلے لگاوے، دادا اُچھالتا ہی

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہی عزیزو اور کیا یہ وقت ہیگا   جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
پاؤں چلنے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا   سب زندگی کا حظ ہی ان کو نظیر اہا ہا!

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

دوسری جگہ طفلی کی تعریف میں پھر یہ بند بھی قابل ملاحظہ ہیں:-

کیا دن تھے یارو وہ بھی تھے جب کہ بھولے بھالے   نکلے تھی دائی لے کر، پھرتی کبھی دوالے
چوٹی کوئی رکھالے، بدھی کوئی پنہالے   ہنسلی گلے میں ڈالے، منت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم، نے حیا ہی   آگا بھی کھل رہا ہی، پیچھا بھی کھل رہا ہی
پہنے پھرے تو کیا ہی، ننگے پھرے تو کیا ہی   یاں یوں بھی واہ واہ ہی اور ووں بھی واہ واہ ہی

کچھ کھاوے اس طرح سے، کچھ اُس طرح سے کھاوے۔الخ

مر جاوے کوئی تو بھی کچھ ان کو غم نہ کرنا   نے جانے کچھ بگڑنا، نے جانے کچھ سنورنا
ان کی بلا سے گھر میں ہو قند یا شکرنا   جس بات پر یہ مچلے پھر وہ ہی کر گزرنا

ماں اوڑھنی کو بابا پگڑی کو بیچ ڈالے۔الخ

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے ہیں   گڑ، بیر، مولی، گاجر لے منہ میں گھوٹتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں ۔۔۔ گردوں میں لٹ رہے ہیں، خاکوں میں لوٹتے ہیں

کچھ بن گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھا لے۔ الخ

جو اُن کو وُہ سو کھا لیں، پھیکا ہو یا سلونا ۔۔۔ ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُن کو سونا ۔۔۔ پروانہ کچھ پلنگ کی نی چاہیے بچھونا

بھونپو کوئی بجا لے پھرکی کوئی پھرا لے۔ الخ

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہی ۔۔۔ یہ عمر وہ ہی اِس میں جو ہی سو بادشا ہی
اور سچ اگر جو پوچھو تو بادشا بھی کیا ہی ۔۔۔ اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہی

جیتے رہیں سبھوں کے آس اور مراد والے۔ الخ

قیس کے پردے میں نظیر اپنی نازپروردگی کا حال یوں بیان کرتا ہے:-

پیدا ہوا تھا قیس جب اپنے پدر کے گھر ۔۔۔ ماں باپ کو ہوئی تھی خوشی سب سے بیشتر
کُنبے کے لوگ بیٹھے تھے باہم سب آن کر ۔۔۔ اک دھوم مچ رہی تھی خوشی کی اِدھر اُدھر
چومے تھا باپ قیس کے ہر لحظہ چشم و سر ۔۔۔ رکھتے تھے ہاتھوں چھاؤں اُسے گرچہ بے خطر
ماں بھی لیے پھرے تھی اُسے اپنے دوش پر ۔۔۔ فرزند کی خوشی میں لُٹاتی تھی سیم و زر

لیکن وہ ماں کی گود میں آکر نہ سوتا تھا
ہر وقت شور کرتا تھا، ہر لحظہ روتا تھا

مادر تھپک تھپک کے سُلاتی تھی کر کے پیار ۔۔۔ پھرتا تھا باپ فال دکھاتا بہ چشم زار
تعویذ ڈالتا تھا گلے بیچ بے شمار ۔۔۔ لیکن اُسے قرار نہ آتا تھا زینہار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہتا تھا اک فقیر کوئی واں بزرگوار	جس دم وہ حال اُس پہ کیا جا کے آشکار
سُنتے ہی اس نے آہ کی اور ہو کے اشکبار	مجنوں کے باپ سے یہ کہا اس گھڑی پُکار

"دُکھ پانے والے لڑکے جو دُنیا میں آتے ہیں
لچھن سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں"

لڑکا ترا یہ عاشق ہشیار ہووے گا" وغیرہ وغیرہ۔

شیر خوارگی کے عالم سے گزر کر جب نظیر دوڑنے اور چلنے پھرنے لگا اور کسی قدر ہوش سنبھالا تو وہ چُسنی اور جھنجھنے وغیرہ تو رخصت ہوئے لیکن اور بہت سے دوسرے کھلونوں نے ان کی جگہ لی۔ دیوالی آئی تو اپنے ساتھ بیسیوں کھلونے دیوالی کے لائی

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار	کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار	ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دُکانیں لگا کے حلوائی	پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاسے لے کوئی، برفی کسی نے تُلوائی	کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی

گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

مٹھائی کے آدمی ہیں - جانور ہیں - مٹی کے بیل ہیں - گائیں ہیں - گھوڑے ہیں - کشن جی اور رام لچھمن کی ہزاروں طرح کی مورتیں ہیں - گائیں ہیں تو اُن کے بچے چھاتی سے لگے دودھ پی رہے ہیں - اہیرن نازوانداز سے سر پہ دہی کی مٹکی لیے مٹکتی چلی آرہی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عید آئی تو عید کے کھلونوں نے دھوم مچائی۔

جو جو کہ ان کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ	جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عیدگاہ
توپوں کے شور اور دوگانوں کی رسم وراہ	میانے، کھلونے، سیر، مزے، عیش، واہ واہ!

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہو اس عید کی خوشی

ابرک کی پالکیاں ہیں۔ قندیلیں ہیں۔ انواع انواع طرح کے خوب صورت پنکھے ہیں۔ سرخ سرخ چھڑیاں ہیں۔ لکڑی کی مطلا اور مذہب تلواریں ہیں۔ خوب صورت میانوں میں بند۔ چھوٹی چھوٹی مزے کی ڈھالیں ہیں۔ بزرگ عیدگاہ گئے ہیں۔ وہیں سے لیتے آئے ہیں۔ میاں نظیر ہر ایک کھلونے کو دیکھ رہے ہیں۔ ہر ایک پر کچھ نہ کچھ رائے دیتے جاتے ہیں۔ ابا یہ اچھا ہے۔ اہا کیا ہی چمکتی ہوئی قندیل ہے۔ بیٹا تلوار اور ڈھال لو اس سے تم سپاہی کہلاؤ گے۔ ابا میں سپاہی نہیں بنا چاہتا۔ وہ ظالم ہوتے ہیں۔

شبرات آئی تو باپ پر فرمایش ہو رہی ہے۔ ابا مجھے انار اور ہت پھول منگا دو۔ ہوائی بھی خوب ہوتی ہے۔ مہتابی کی بھی اچھی سیر ہے۔ جس وقت چھوٹتی ہے کالا آدمی بھی گورا دکھائی دینے لگتا ہے۔ گھنچکر لانا تو ذرا خوب دم کا ہو کہ گھنٹے بھر تک تو چکر کھائے۔ لٹو۔ تومڑی۔ ٹونٹے۔ زرکی۔ چھچھوندر۔ پٹاخے۔ گلکاری۔ کلھیا۔ قلم نسڑی وغیرہ کا بھی فہرست میں مذکور ہے۔ باپ ہونہار بیٹے کی فرمائش سر آنکھوں سے بجالاتے ہیں اور بیٹے کے بہلانے سے آپ بھی آتش بازی کی سیر سے لطف اٹھاتے ہیں۔ نظیر اپنی مآل اندیشی سے معمولی بے خطر آتش بازیوں کے سوا کسی کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ خطرناک آتش بازیوں کے جلانے میں محلے کے شریر لڑکے اور گھر کے نوکر چاکر

۵ا مثنا۔ شب برات جو آئی تو دیکھو اشا۔	کہ مچ رہی ہے پٹاخوں کی کیا پٹاخ پٹاخ +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مصروف ہیں۔ انار اور بہت پھول چھوٹ رہے ہیں معلوم ہوتا ہی گھر میں پھلواری کھلی ہوئی ہی۔ کبھی گھر سے لڑکوں کے غول باندھ کر لڑنے جاتا ہی اور وہاں یہ سیر دیکھتا ہی۔

آ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی

اوپر سے اور ہوائی کی آ کر پڑی چھڑی
پائوں سے لپٹی شور مچا کر قلم نڑی

کرتی ہی پھر تو ایسی ستم گاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا، آنکھیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں

چھاتی کسی کی جل گئی، بانہیں جھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں، پلکیں جھلس گئیں

رکھتے کسی کی ڈاڑھی پہ چنگاری شب برات

دہلی شہر بڑا ہی۔ دن بھر میں سیکڑوں تماشے والے آتے ہیں۔ ابھی ریچھ والا آیا۔ ریچھ نچا کر اور ریچھ کے اور اپنے کرتب اور کشتی کی سیر دکھا کر چلا گیا تو مچھندر بندر اور بکرا لے کر پہنچا۔ کچھ دیر ان کی سیر رہی

گھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر
بکرا ابھی لا بٹھایا اس کام کا سمندر

جب ڈگڈگی بجائی کوچے گلی کے اندر
لڑکے ہزاروں بولے: "آؤ میاں قلندر"

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پھر ایک استاد گلہری کا بچہ لے کر پہنچے۔

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی ہی ہیں بن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کرتے چھن چھن

کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
گلے میں ہنسلی، پائوں میں کڑے، اور ناک میں للکن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہا ہی سربسر گہنے میں بھر بچہ گلہری کا

اُستاد کی تصویر بھی قابل ملاحظہ ہی:-

وہ دیکھے تو بُری صورت، بُرا حال، اور پھٹے کپڑے — بُڈھے ڈاڑھی کے بال، اور زرد مُنھ آنکھوں میں آنسو سے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ، اور ٹکڑے انگرکھے کے — وہ کپڑے گو پھٹے تھے، پر ہم اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچا گلہری کا

مُلاحظہ کیجیے کہ کس شان سے اُستاد گلہری کا بچّہ نکالتے ہیں:-

نظر سے اس کی ہم نے جب تو واں اس بات کو تاڑا — اُلمر کو دیکھ ڈھونڈی جیب، پگڑی کو ٹٹول اُس جا
وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈ کر بچا گلہری کا

ریچھ والے قلندر تشریف لائے ہیں۔ اور یوں فرما رہے ہیں۔ قلندر کی تصویر کیا ہی ہُو بہو ہی-

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا — لوہے کے کڑے جس پہ کھڑکتے تھے سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا — بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچا

ریچھ کی تصویر:-

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر — ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر، اور گھنگرو ٹپے پاؤں کے اندر — وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یاروتھا بندھا ریچھ کا بچا

جُھکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول — مُقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اپر جھول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اُن کے سوا کتنے بھلائے تھے جو گُل پھول — یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پانو کی سُدھ بھول

گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچا

لیجیے اب قلندر اپنے ریچھ کے بچے کو نچاتا ہے:-

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہی سدھایا — لڑنے کے سوا ناچ بھی ہر اس کو سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا — اِس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا

جو سب کی نگاہوں میں کُھبا ریچھ کا بچا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ — پھر کُہر وانا چا تو ہر اک بولی زباں "واہ"!
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں "واہ"! — سب ہنس کے یہ کہتے تھے: "میاں واہ! میاں واہ"!

کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچا!

آئیے اب ریچھ کی کُشتی بھی ملاحظہ کیجیے:-

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا — خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو یہ کُشتی کا ہنر آن دکھایا — جو چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچا

جب کُشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا — للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے، گہ اُس نے پچھاڑا — اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کُشتی کا اکھاڑا

پر ہم بھی نہ ہارے، نہ ہٹا ریچھ کا بچا

جو حُسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا — کُشتی سے کھڑ کھڑایا اور آپ کو اُچھالا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا سنبھالا	اس ریچھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

کہیں سے سر پر ایک بھاری ڈلیا لیے ہوئے سپیرا بھی پہنچا - اژدہے کا بچہ نکال کر لوگوں کو دکھا رہا ہی - اور طرح طرح کے سانپ اور بچھوؤں سے بچّوں کو بہلا رہا ہی -

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا	تو بن گئے سپیرے اور سانپ کو چلایا
پونگی بجا کے ہر دم سانپوں کا پھن ہلایا	اُس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی مَن منایا

سو مکر و فن الخ

یہ حضرت تشریف لے گئے تو کسی طرف سے بئے والا پہنچا - بئے کا رنگ روپ اُس کی تیزی - اُس کی چلت پھرت سب نظیر کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہی - پیٹی سے اُس کی جو ڈورا بندھا ہوا ہی اُس پر بھی نظیر کی نظر ہی - بئے والا بیٹھ جاتا ہی اور تماشا کرنے لگتا ہی - کوڑی سامنے پھینک دی اور بئے کو اشارہ کیا - بجلی کی طرح چمکا اور جھٹ کوڑی اُٹھا لایا - کسی کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی ہی چھڑا کر لے آیا - گرہ میں انگوٹھی چھلا باندھ دیا گیا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے کھول کر لے آیا - پوستوں کا ڈول بنا کر دیا - کنوئیں سے پانی کھینچ کر لے آیا - اگر پاس میں کوئی عورت کھڑی ہی اُس کی پیشانی سے بندی ٹیکی اُکھاڑ لایا - یہ سب باتیں نظیر کے دل پر گہرا اثر کرتی ہیں اور وہ نقش رفتہ رفتہ ایسا پکا ہو جاتا ہی کہ پھر کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتا -

اب ہاتھ پر مرے جو نمودار ہی بیا	زردی میں اپنے رنگ کی زردار ہی بنا
جس دن سے میرے ہاتھ یہ عیّار ہی لگا	کوڑی کبھی اُٹھا، کبھی مہندی اُتار لا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا کیا پری رُخوں کی بہاریں ہیں دیکھا
بیٹی سے اُس کی یارو یہ ڈورا نہیں بندھا

لڑکوں کی اُلفتوں میں گرفتار ہی رہا

کرتے[1] کو دیکھ جب سے لیا ہی یہ ہم نے مول
پھرتے ہیں ساتھ تب سے کئی دلبروں کے غول

چھلّا انگوٹھی لاتا ہی ہر دم گرہ سے کھول
پانی کنوئیں سے کھینچے ہی کر پوستوں کے ڈول

ایسا ہنر میں اپنے نمودار ہی رہا

کرتا ہی آنکھ بندی و ٹیکی پہ جب یہ چوٹ
بالوں کی لٹ دکھاؤ تو لادے وہیں کھسوٹ

گنھی یہی شخص جس کے پاس اب بیا ہی گلہری کا بچا۔ نبیٹی باز طوطا۔ سدھا ہوا بگلا بھی لے کر آیا تھا اور جانوروں کی جو اُس کی تعلیم نے اثر کیا تھا اُس کا نظیر کے دل پر عمدہ اثر ڈالا تھا۔

آگے ہمارے پاس تھا بچا گلہری کا
طوطا، نبیٹی، اور تھا بگلا سدھا ہوا

اُن کو تو ہائے چور کوئی لے گیا چرا
اب اِس کا ہی ہمارے تئیں یارو آسرا

اِس بے کسی میں اب تو مددگار ہی رہا

خوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
پالے بٹیر، طوطے، بگلے، بئے، گلہری

کی بات وہی جو کچھ اُس کی پسند ٹھہری
اُس لہر کی ہی دیکھی کیا کیا بہار گہری

سو مکر دفن۔ الخ

دیکھا جو حسن یارو جوں لعل یا انگارا
تو لعل چٹّی کا ہی پھر پالنا بچارا

کل پاکہ جال روکا اور لعل کو اُتارا
اُس لعل کے ہی ڈھب میں اُس پر بھی جال مارا

[1] کرنے کو دیکھ یعنے بنظر دید بازی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سو مکر و فن الخ

جانور والے چلے جاتے ہیں تو کسی طرف سے ایک آدھ رنگ بھریے بھی آن کر اپنے بازار کا رنگ جماتے ہیں۔ گڑیوں کے چھوٹے چھوٹے زیور چھلّے انگوٹھی۔ بازوبند۔ کڑے۔ نونگے۔ لوگرھیاں۔ وغیرہ بنا بنا کر دے رہے ہیں۔ میاں نظیر اپنی ماما کے ساتھ ہیں کچھ تو اپنے شوق اور کچھ گھر کی لڑکیوں کی فرمایش سے زیور بنوا بنوا کر لے جا رہے ہیں۔ کیا دن ہیں کہ معمولی تین کوڑی کے زیور ہزاروں اشرفیوں کے گہنے سے زیادہ خوش کر رہے ہیں۔ خیالات میں موزونی تو جبلّی ہی ہر ایک زیور کی نسبت کچھ نہ کچھ تشبیہات بھی ہم پہنچاتے جا رہے ہیں:-

پایا جو رنگ بھولا تو بنگے رنگ بھریے	چھلّے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کرکے بھریے
بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے	تو اُس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو مکر و فن الخ

اکثر ایسا بھی ہوتا ہی کہ میاں نظیر بیٹھے ہیں۔ گھر کے کوئی خوش طبع رُکن اُن کے پاس آن بیٹھے۔ اور اُن کو بعض کھیل کی باتوں اور کھیل کی چیزوں سے بہلانے لگے۔ شام کا وقت ہی۔ چراغ روشن ہو گیا ہی۔ چاندنی کھلی ہوئی ہی۔ تخت صحن میں بچھے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔ میاں نظیر اُن کی گود میں بیٹھے ہیں۔ اُن پر تقاضے کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب کوئی پہیلی ارشاد کیجیے۔ پہیلی سُنی تو اتے پتے پوچھ رہے ہیں عقل لڑا رہے ہیں۔ کوئی دوسرے صاحب چاہتے ہیں کہ حل کریں تو یہ اُن کو روکتے ہیں کہ آپ نہ بتائیے۔ میں سوچ کر کہتا ہوں۔ جب کسی پہیلی کو بوجھ لیتے ہیں تو اُچھل پڑتے ہیں اور مارے خوشی کے جامے میں پھولے نہیں سماتے۔ کبھی مکریاں سُن رہے ہیں۔ کہنے والے نے ابھی ناکھی کہا بھی نہیں کہ اُنھوں نے اخیر لفظ تڑ سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہہ دیا۔ کبت اور کھنڈ اور خدا جانے کیا کیا چیزیں لوگ اُن کو سناتے ہیں اور یہ سب ایک خاص دلچسپی کے ساتھ لطفِ تازہ اُٹھاتے ہیں۔

رات اس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا: ”بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا؟“
اس پہیلی کے تئیں سن کے بڑے سوچ میں آ — جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے ”اب تو ہی بتا“

سن کے جب میں نے کہا: ”اے مرے دل بر، تربوز“

دیکھا جو حسنِ قابل تو ریختہ بتائے — کچھ گُکریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
سکھیوں کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی جائے — جب جھولنے پہ آئے پھر تو مزے اُڑائے

سو مکر و فن بنانا۔ الخ

مرزا صاحب کو لڑکوں کے بہلانے کا ڈھنگ اچھا ہی۔ کبھی یہی حضرت دوسرے وقت بیٹھے ہیں۔ دو چار مکڑیوں کو لے کر ڈبیوں میں بند کیا۔ پھر ایک مکھی کو اس میں ڈال اُن مکڑیوں اور مکھی کی لڑائی کا تماشا دیکھا۔ کبھی چیٹیوں کو اکٹھا کر کے اُن کی سیر دیکھی۔ کبھی تتلیوں کو گرفتار کر کے اُن کو نچایا۔ لکڑی کے پھول کتر رہے ہیں۔ سنگترے کو تراش کر اُس کی قندیل بنا رہے ہیں۔ مولی کا ہنس بگلا طیار ہو رہا ہی۔ گاجر کا مور باشا بن رہا ہی۔

جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں — ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
کچھ چیٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں — ان تتلیوں کی خاطر کیا تیلیاں بنائیں

سو مکر و فن ۔ الخ

ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں، جڑ کے ماشا — لکڑی کے پھول کترے، اور سنگترہ تراشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا — دیکھا ہر اک بہانے اُس حسن کا تماشا

سو مکر و فن ۔ الخ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سو کمر و فن الخ

جانور والے چلے جاتے ہیں تو کسی طرف سے ایک آدھ رنگ بھریے بھی آن کر اپنے بازار کا رنگ جماتے ہیں۔ گڑیوں کے چھوٹے چھوٹے زیور چھلے انگوٹھی۔ بازوبند۔ کڑے۔ نونگے۔ نوگرہیاں۔ وغیرہ بنا بنا کر دے رہے ہیں۔ میاں نظیر اپنی ماما کے ساتھ ہیں کچھ تو اپنے شوق اور کچھ گھر کی لڑکیوں کی فرمایش سے زیور بنوا بنوا کر لے جا رہے ہیں۔ کیا دن ہیں کہ معمولی تین کوڑی کے زیور ہزاروں اشرفیوں کے گہنے سے زیادہ خوش کر رہے ہیں۔ خیالات میں موزونی تو جبلی ہی ہر ایک زیور کی نسبت کچھ نہ کچھ تشبیہات بھی ہم پہنچاتے جا رہے ہیں:-

پایا جو رنگ بھولا تو بنگے رنگ بھریے بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے	چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھریے تو اُس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو کمر و فن الخ

اکثر ایسا بھی ہوتا ہی کہ میاں نظیر بیٹھے ہیں۔ گھر کے کوئی خوش طبع رُکن اُن کے پاس آن بیٹھے۔ اور اُن کو بعض کھیل کی باتوں اور کھیل کی چیزوں سے بہلانے لگے۔ شام کا وقت ہی۔ چراغ روشن ہو گیا ہی۔ چاندنی کھلی ہوئی ہی۔ تخت صحن میں بچھے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔ میاں نظیر اُن کی گود میں بیٹھے ہیں۔ اُن پر تقاضے کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب کوئی پہیلی ارشاد کیجیے۔ پہیلی سُنی تو اتے پتے پوچھ رہے ہیں۔ عقل لڑا رہے ہیں۔ کوئی دوسرے صاحب چاہتے ہیں کہ حل کریں تو یہ اُن کو روکتے ہیں کہ آپ نہ بتلایئے میں سوچ کر کہتا ہوں۔ جب کسی پہیلی کو بوجھ لیتے ہیں تو اُچھل پڑتے ہیں اور مارے خوشی کے جامے میں پھولے نہیں سماتے۔ کبھی مُکریاں سُن رہے ہیں۔ کہنے والے نے ابھی ناکھی کہا بھی نہیں کہ اُنھوں نے اخیر لفظ تڑ سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہہ دیا۔ کبت اور کھنڈ اور خدا جانے کیا کیا چیزیں لوگ اُن کو سناتے ہیں اور یہ سب ایک خاص دلچسپی کے ساتھ لطفِ تازہ اُٹھاتے ہیں۔

رات اُس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا: ”بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا؟“
اِس پہیلی کے تئیں سُن کے بڑے سوچ میں آ جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے: ”اب تو ہی بتا“

سُن کے جب میں نے کہا: ”ای مرے دل بر، تربوز“

دیکھا جو حسنِ قابل تو ریختہ بتائے کچھ مکریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
سکھیوں کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی چلائے جب جھولنے پہ آئے پھر تو مزے اُڑائے

سو مکر و فن بنانا۔ الخ

مرزا صاحب کو لڑکوں کے بہلانے کا ڈھنگ اچھا ہی۔ کبھی یہی حضرت دوسرے وقت بیٹھے ہیں۔ دو چار مکڑیوں کو لے کر ڈبیوں میں بند کیا۔ پھر ایک مکھی کو اُس میں ڈال اُن مکڑیوں اور مکھی کی لڑائی کا تماشا دیکھا۔ کبھی چیٹیوں کو اکٹھا کر کے اُن کی سیر دیکھی۔ کبھی تتلیوں کو گرفتار کر کے اُن کو نچایا۔ لکڑی کے پھول کتر رہے ہیں۔ سنگترے کو تراش کر اُس کی قندیل بنا رہے ہیں۔ مولی کا ہنس بگلا طیار ہو رہا ہی۔ گاجر کا مور باشا بن رہا ہی۔

جو حسن بالا دیکھا تو مکریاں بنائیں ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
کچھ چیٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں ان تتلیوں کی خاطر کیا پتلیاں بنائیں

سو مکر و فن ۔ الخ

ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں، جڑ کے ماشا لکڑی کے پھول کترے، اور سنگترہ تراشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا دیکھا ہر اک بہانے اُس حسن کا تماشا

سو مکر و فن ۔ الخ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیرؔ کے مشاغل لہو و لعب

نظیر جس مزاج کا آدمی تھا، اور اُس کے کلام سے جیسا مترشح ہوتا ہی، یقیناً اس نے بہت بڑا حصہ اپنی اوقات کا لہو و لعب میں صرف کیا ہی۔ وہ ایک متانت کی ادا سے چُپ چاپ بیٹھا نہیں رہ سکتا لوگ بچپسی کھیل رہے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں۔ جُوا ہو رہا ہی تو اُس میں بھی داؤ رکھنے کو حاضر ہیں۔ شطرنج میں بند نہیں۔ گنجفے میں عار ی نہیں۔ اگر ایک دفعہ مات کھائی تو دوسری دفعہ کچھ ایسے بندوبست سے چلے کہ اگر مات نہیں کی تو بازی بُرد ضرور ہوئی۔ چوسر کے پاسے پھینک رہے ہیں۔ داؤ بول رہے ہیں۔ بازی بگڑی ہوئی ہی۔ گوٹ پر گوٹ کٹ رہی ہی پاسا یاری نہیں دیتا۔ مگر چال کچھ ایسی چل رہے ہیں کہ حریف کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں۔ ہارتے ہیں تو ایک دو پلے سے۔ جتنے مشغلے سوسائٹی میں جاری ہیں، اور اُن کی بنیاد کچھ آپس کی معاشرت پر معلوم ہوتی ہی، نظیر ہر میں شریک ہیں۔ کبھی آپ کو گیڑیاں بھی کھیلتے دیکھا گیا ہی۔ کبھی آپ جمنا میں کودے ہیں، گھنٹوں پڑے تیر رہے ہیں۔ کبوتر اُڑانے سے انتہا سے زیادہ ذوق ہی۔ کنکوے کثرت سے لڑاتے ہیں۔ جبھی تو حضرت کی ہم دردی اس قدر وسیع ہی کہ بُرے سے بُرے اخلاق، اور پاجی سے پاجی خیالات، اور ناپاک سے ناپاک مشغلے کے آدمی کو بھی یہ نظرِ عداوت سے نہیں دیکھتے۔ ہر کے ساتھ ایک طرح کی ہم دردی اور اُلفت ہی ہی۔

نظیر چوسر اِس طرح کھیلتے ہیں:۔

عجب طرح کی وہ رنگیں چوپڑ غرض بچھائی ہی اب خدا نے	کوئی ہی نہچلکل کسی کا جنگ ہی، پھریں ہیں دیس بھی خانے خانے
جو پاسا پھینکے بنا بنا کر، وہ داؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے	جو چاہتا ہوا اٹھارہ آویں تو اُس کو پڑتے ہیں تین کانے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کڑوروں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

پھر شطرنج کے مُہرے یوں بچھاتے ہیں:-

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہی دن اور رات اس جا
جو بات چاہے کرے کسی کو، نہ آوے بُرد اُس کو مات اس جا
ہزاروں منصوبے باندھے دل میں، بتا کے چالوں کی گھات اس جا
نہیں ہی اک چار چوک قائم، سبھوں کی بازی ہی مات اس جا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کڑوروں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

پھر گنجفے کے ورق یوں بکھیرتے ہیں:-

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر، کوئی صفا ہی
کسی کے سر پہ ہی تاجِ شاہی، کسی پہ شمشیرِ پُر جفا ہی
کوئی امیر اور کوئی وزیر، اور کوئی فقیری میں دل خفا ہی
سبھوں کو اس جا خیال آیا، یہ حق کی قُدرت کا گنجفا ہی

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کڑوروں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ایک دن ایک دل ربا کی خدمت میں بیٹھا تھا - ایک دوسرا محبوب آیا اور اُس سے کہا "کوئی شغل کرنا چاہیے" اُس نے کہا "گنجفہ موجود ہی" مُجھ سے پوچھا "تُجھ کو آتا ہی؟" میں نے کہا "یہاں تو نہیں آتا" کہا "کیوں؟" میں نے کہا: "ے سرتاجِ من آفتاب رویاں ٭ من از دل وجاں غلام ایشاں" کہا "حکم سے بھی نہیں؟" میں نے کہا "در خوش دلی سُرخ روئی و براتِ سعادت در چنگ و بخجلت ضد خوش قماش و شمشیر عتاب بے درنگ - پس انکارِ سفید و سیاہ بہ از اقرار" - اِسی گفتگو میں ایک شوخ اور آیا - تینوں کھیلنے لگے اور میں اپنا حسن و ناز کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کنکوّہ بازی

مشاہدہ کرتا رہا۔

میاں نظیر بالخلقہ سوسائٹی کے کیڑے ہیں۔ جن جن چیزوں میں وہ یہ لطف دیکھتے ہیں کہ اُن سے لوگ مجتمع ہوتے ہیں یہی اجتماع کی خوبی اُن کے شوق کے پیے محرک کافی ہوتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جہاں کنکوہ بڑھا، چھوٹے بڑے سب آن گھیرتے ہیں۔ دو چار سڑک پر کھڑے آسمان سے نظر لڑائے ہیں، دس بیس صحن میں آڈٹے ہیں کوئی ڈور لوٹنے کی فکر میں ہے۔ کسی کو کنکوے کی گھات ہے۔ لڑکے ہجوم کیے ہوے ہیں۔ مُفت کے غلام بنے ہوے ہیں۔ کوئی آپ سے شیشہ پیس رہا ہے۔ کوئی شیشے کے ٹکڑے سمیٹ رہا ہے۔ کوئی لیپ طیار کر رہا ہے۔ کوئی مانجھا چڑھا رہا ہے۔ کوئی لپیٹ رہا ہے۔ کانپیں چھیل رہی ہیں۔ کنکوّے گھٹ گئے ہیں تو ایک دوڑا ہوا بازار سے لینے جا رہا ہے۔ گھر میں خاصہ میلا لگا ہوا ہے۔ چہل پہل اور آبادی معلوم ہوتی ہے۔

کنکوّے پتنگ کی فصل آگئی ہے۔ اکّا دُکّا اُڑنے لگے ہیں۔ بازاروں میں جابجا دُکانوں پر ان کی بہار ہے۔ اب میاں نظیر سے کہاں ضبط ہو سکتا ہے۔ نوکروں کو بازار دوڑایا ہے۔ ڈور کا بندوبست ہو رہا ہے۔ کنکوّے آرہے ہیں۔ بازار کے کنکووں سے عاجز آکر کبھی خود اپنے ہاتھ سے کانپ چھیل رہے ہیں۔ انگلی پر اُس کا وزن دیکھ رہے ہیں۔ اپنے ہاتھ کا کنکوہ بڑھا کر آس پاس والوں سے اُس کی عمدگی کی داد لے رہے ہیں دیکھنا مرزا کیا سُدھ کنکوہ ہے جہاں سے چاہو موڑ لو۔ گھرنی بھی جتنی چاہو کھلا لو۔ شاہ جی تم ذرا اس کنکوّے کو ہاتھ میں لے کر دیکھو۔ ایسا شایستہ ہے کہ ایک بچہ بھی ہاتھ میں لیے رہ سکتا ہے۔ لانا وہ بڑھا آتا ہے۔ لاؤ اُسے کاٹ دوں۔ اگر دوسرے کے ہاتھ میں کنکوہ ہے اور کوئی اُس کی طرف کنکوہ لیے آتا ہے تو اُس کو ہدایت بھی فرماتے ہیں:۔

لاتا ہے پیر پھار کے تکل جو اپنی واں
کہتا ہے کوئی اُن سے "خبردار ہو میاں"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اب پیچ پڑنے کو ہو نہ دے اتنی ٹھمکیاں — گھبرا کے کٹنے اس کے نہ پھنسنے دو، میری جاں
اچھا نہیں ہی مفت کھپانا پتنگ کا"

پیچ پڑ جاتا ہی تو پھر ڈھیل دینے اور رگڑا دینے کے قاعدہ بتاتے ہیں:-

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں: "دیکھو — رہ رہ اسی طرح سے نہ اب دیجے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں او میاں رکھو — پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اس کو کاٹ دو
ہیگا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا"

پتنگ کے کٹنے پر لوٹنے کی سیر یوں دکھاتے ہیں:-

کٹتا ہی جو پتنگ تو پھر لوٹنے اُسے — دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہی، یا ٹکڑے کانپ کے — جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر کرے
پھر سوچیے تو کیا ہی ٹھکانا پتنگ کا

رقعہ

کنکوے کا میاں نظیر کو چوں کہ شوق بہت تھا اکثر احباب کبھی پتنگ کا کاغذ، اور کبھی خود کنکوے بھیج دیتے تھے۔ ایک دوست نے کاغذ پتنگ کا بھیج دیا تھا، اُس کا شکریہ یوں ادا کرتے ہیں:- کاغذِ مہرہ دو رویہ کشیدۂ پتنگ کہ جلاے آئینہ رامنصوبۂ تحیر افزاید، وبصافیِ رُخسارِ پری بازی نماید، بدست پیادۂ تیز رفتار رسید۔ خاطرِ پُر ہوس ہواے طفلی در سرِ قائم بگنجِ مراد پے بُرد، و ابتہاج بشمار اوراق روبا وقات لہو سمات آورد۔

اپنے شوق کی وجہ نظیر ضمناً یوں بیان کرتے ہیں:- (یعنی چوں کہ اس میں چھوٹے بڑے سب کی خوشی مضمر ہے اس لیے پتنگ ایک اچھی چیز ہی اور اس کا شوق بھی ایک امرِ ضروری ہی کہ اس سے لوگوں سے ملنے جُلنے کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک خاصہ موقع ہاتھ آتا ہی)

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہی دل پزیر کیوں کر نہ دل تپنگ کی ہو ڈور میں اسیر	ہوتے ہیں دیکھ شاد جیسے خرد اور کبیر خوباں کے دیکھنے کے لیے کیا، میاں نظیر

ہی یہ بھی ایک طُرفہ بہانا پتنگ کا

نظیر ذیل کی قسموں کا خاص ذکر فرماتے ہیں اور ہر ایک کی خاص شاعرانہ مدحت بیان کرتے ہیں۔ دو باز۔ لل پرا۔ گھایل۔ لنگوٹیا۔ چاند تارا۔ پہاڑیا۔ بگلا۔ دوپٹا۔ دہیڑ۔ گلہریا۔ دودھاریا۔ مانگ دار خربوزیا۔ پیندی پان۔ بمنا۔ دوکونیا۔ کلسرا۔ چپ۔ ککڑی۔ چوگھڑا۔ چچکا۔ تکل۔ جھجاؤ۔ کج کلاہ۔

کبوتر بازی:۔ میاں نظیر خود فرماتے ہیں کہ ؎ چھوڑ ان کو، نظیر، اپنا دل اب کس سے لگاویں؟ اپنے، تو لڑکپن سے ہیں، دم ساز کبوتر، اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ابتداے طفولیت سے ان کو کبوتر کا شوق تھا۔ اور لُطف یہ کہ تا عمر یہ شوق رہا۔ جب کہ اشتغال کا یہ حال ہو تو یہ کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ کبوتر بازی کی اصطلاحات سے اُن کو واقفیت نہ تھی۔ وہ اس فن کو اُستادوں کی طرح جانتے تھے۔ اکثر کبوتر بازی بدکر اُڑاتے اور بیسیوں کبوتر جیت کرلے آتے۔ کبوتر کے علاج معالجے میں بھی ان کو وقوف تھا۔ کبوتر کے نئے نئے رنگ پیدا کرنے کی عجب عجب تدبیریں ان کو معلوم تھیں۔ جہاں قابل لوگ ان سے شعر و شاعری میں اصلاح لیتے، جُہلا اور عوام اور نواب زادے امیر زادے اِن سے کبوتر بازی میں فیض حاصل کرتے، اور ان کی واقفیت اور مہارت دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑ جاتے۔

کبوتر چھتری پر بیٹھے ہوے ہیں اور نظیر اُن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہیں، اور یوں ارشاد کرتے ہیں:۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر | جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

پھر ہاتھ میں چھپی لیتے ہیں اور اس طرح فرماتے ہیں:-

گو کرکے، جدھر کے تئیں چھپی کو ہلاویں | کچھ ہووے، غرض پھر وہ کسی سمت کو جاویں
ٹٹی کو نہ پھڑکاویں تو پھر تہ پہ نہ آویں | چھوڑ ان کو، نظیر اپنا دل اب کس سے لگاویں؟

اپنے، تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر

صرف آٹھ بندوں کی تو ایک نظم لکھی ہے، مگر اسی مختصر میں اتنے کبوتروں کے نام بھر دیے ہیں کہ خاصہ کبوتر خانہ معلوم ہوتا ہے۔ اِن ناموں میں سے اکثر کی تحقیق ہوئی لیکن بعض ایسے ہیں کہ بڑے بڑے نامی کبوتر باز بھی اُس کی حقیقت نہ بتا سکے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر کی کبوتر بازی کی معلومات کس قدر زائد تھی۔

گولا۔ گرہ باز۔ بصرئی۔ کابلی۔ شیرازی۔ نساور۔ چوپا چندن۔ سبزہ۔ کھُی۔ شست رو۔ اکر۔ طاؤسی۔ گل پوٹیا۔ نیلا۔ گُلی۔ تھیڑ۔ لقا۔ چاتیا۔ جوگیا۔ کھیرا۔ ٹپیت۔ چپ۔ نفتا۔ کُھرا۔ زرچہ۔ گُل آنکھ۔ لل آنکھ۔ اودا۔ زردہ۔ تیرہ۔ کابرہ۔ مسی۔ توسی۔ پلکا۔ سیما بیا۔ گھاگرا۔ تنبولیا۔ پان لعل۔ اگرئی۔ سُرمئی۔ عنبری۔ خال۔ بھورا۔ گلسی۔ تانبڑا۔ ببُرا۔ ہسترا۔ کاسنی۔ لوٹن۔

کم و بیش پچاس قسم کے کبوتر اس میں مذکور ہیں۔ اس پچاس میں اکر۔ کُھرا۔ ہسترا۔ اِن تین قسموں کا حال معلوم نہ ہوا کہ کیا بلا ہیں۔

کبوتر کی چال اور زمزمہ سنجی کی یوں تصویر کھینچتے ہیں:-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	پھرتے ہیں ٹھمک چال سُناتے ہیں خوشی سے	کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر	

کبوتر کی پروازیوں دکھاتے ہیں:-

	لقے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے	ہیں جوگیے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے	
	چیتے ہیں اُدھر سیمبری اپنی جتاتے	پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے	

	جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر	

انسان میں ایک ہمدردیِ عام کا مادّہ رکھا گیا ہی۔ یہی مادہ ہی جس پر دار و مدار تمدن عالم انسانی ہی۔ اس عام اُلفت کے مادّے کو بعض رُباعیوں اور مثنوی میں میں نے عشق[۵۱] سے تعبیر کیا ہی اور واقع میں عشقِ حقیقی اسی کا نام ہی۔ یہ اُلفت نہ فقط انسان کو اپنی نوع کے ساتھ ہوتی ہی بلکہ اس کا سلسلہ تمام اجزائے کائنات تک پہنچتا ہی۔ جو مخلوق جس قدر اُس سے نوع میں قریب ہی اُسی قدر اُس سے زیادہ مالوف ہی گامی، بیل، گھوڑے وغیرہ سے جو اس کو ربط ہی گو اس میں کسی قدر اپنی منفعت بھی مقصود ہی لیکن ربط کا اصلی محرک وہی ہمدردیِ عام ہی۔ جہاں جہاں جسم نامی متحرک بالارادہ دیکھتا ہی اس کو اُس کے ساتھ ایک خصوصیت ہمدردی پیدا ہوتی ہی اور بغیر اس کے کہ کوئی منفعت مقصود ہو اُس سے تعلق پیدا کرتا ہی اور اس کا دل تسکین پاتا ہی۔

ہرچند سوسائٹی میں اِن جانوروں کے ساتھ صحبت رکھنے کا چنداں انسان محتاج نہیں لیکن اُس کا مدنی الطبع ہونا اُس کو تنہائی کے اوقات میں کبھی کبھی محض جانوروں کی صُحبت سے وہی لذّت بخشتا ہی جو کسی انسان کی صحبت سے حاصل ہو سکتی۔ لاٹیوڈ ایک قیدی کی نقل مشہور ہی کہ کس طرح چوہوں نے اُس کو قید تنہائی میں مدّتوں خوش رکھا تھا۔ کس طرح وہ اُن کے قدوم کا منتظر رہتا تھا اور کس طرح اُس کو اُن کی شکریہ آمیز

[۵۱] عشق سیکھو نیت کے لیے حُسن دل، خوبی نیت کے لیے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُچھل کود اور معصومانہ کھیلوں اور حرکات سکنات سے لُطف حاصل ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہی کہ جب اپنی نوع کے ساتھ اُلفت اور ہمدردی کا اُس کو موقع نہیں ملتا تو وہ ہمدردی جو عامۂ حیوانات کے ساتھ اُس کو ہی موقع پاکر اُبھرتی ہی اور اپنے فعل میں مصروف ہوتی ہی۔ نوعی ہمدردی چوں کہ قوی ہی اس لیے اُس کے مقابل میں دبی رہتی ہی لیکن جب وہ باقی نہیں رہتی تو پھر اپنا زور دکھاتی ہی۔ کبھی جب ایسی تنہائی ہوتی ہی کہ حیوانات بھی نہیں ہوتے تو فقط عام مَنظرِ عالم سے انسان کو وہی لُطف حاصل ہوتا ہی۔ دریا کا پاٹ۔ آسمان کی وُسعت۔ صحرا کی فضا بھی کبھی کبھی اس کے قلب کے ساتھ وہی اثر رکھتی ہی۔

ہمدردی کے علاوہ ایک خیال تفحص اور تجسسِ احوال کا جانوروں کے پالنے میں محرّک ہی۔ انسان دیکھتا ہی کہ فلاں جانور چلنے پھرنے، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے سب میں ہمارے شریک ہیں۔ لیکن خدا نے اِن کو زبان نہیں دی کہ اِن سے دریافت کریں کہ دل میں کیا سوچا کرتے ہیں؟۔ اِن کے ایک دوسرے کے ساتھ خیالات کیسے ہیں؟۔ اِن میں احسان مندیوں کا وزن کیا ہی؟۔ اِن کو اوروں کے ساتھ سلوک کے کس قسم کے قاعدے سکھائے گئے ہیں؟۔ اِن میں سوسائٹی ہی یا نہیں؟۔ اور اُس کے کیا قواعد ہیں؟۔ اِن میں شر و فساد انگیزی کا کس قدر مادّہ دیا گیا ہی اور آیا وہ ضرورت سے زیادہ ہی یا ٹھیک بقدرِ ضرورت؟۔ ازیں قبیل اور بہت سے خیالات پیدا ہوتے ہیں، اور انسان کو اِسی تعلق سے اُن کے ساتھ ایک خاص تعلقِ خیالی پیدا ہو جاتا ہی۔ وہ غیر محسوس طور پر اُن کا شوق دل میں پیدا کرتا ہی اور اُن کو گھر میں لاکر چندے اُن کی عادات و اخلاق اور حرکات و سکنات، اور طرزِ زندگی کی تفتیش کرتا ہی، اور جس قدر اُس کی معلومات بڑھتی جاتی ہی اُس کی تفتیش کی گُدگُدی کم ہوتی جاتی ہی، یہاں تک کہ اخیر میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہی۔

تفحص کے ساتھ کسی قدر تازگی پسندی کو بھی اس میں دخل ہی۔ ہر چند سوسائٹی اُس کے لیے ایک بہت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دل کش چیزیں ہیں لیکن بعض اوقات وہ ایک ہی طرح کی مسلسل حالت کے یکسانی کے ساتھ گزرتے چلے جانے سے کسی قدر افسردہ اور ملول ہو جاتا ہی - گھر اگرچہ منقش اور مطلّا، وسیع اور پُر فضا، نہایت پُر زر پردوں سے آراستہ، اور طلائی اور نقرئی ظروف اور لوازمِ خانہ داری اور اسبابِ زینتِ مکان سے پیراستہ ہو لیکن دن رات وہیں رہتے رہتے کچھ ایسی یکسانی پیدا ہو جاتی ہی کہ پھر گھر کاٹنے دوڑتا ہی، اور اُس وقت یہی اچھا معلوم ہوتا ہی کہ کسی صحرا میں کسی سایہ دار درخت کے تلے انسان بیٹھا ہو - دریا کا سیمابی تختہ لہریں لے رہا ہو - آسمان پر تارے چھٹکے ہوں چاندنی کھلی ہو - جانور چہک رہے ہوں - علیٰ ہذا پری تمثال خاتونوں، اور غلمان وش نوجوانوں کی صحبت سے بھی انسان اُکتا جاتا ہی، اور ایسے وقت میں ایک غزالِ وحشی کی آنکھیں ہزار حوروں کی چشم فتاں سے زیادہ دل فریب معلوم ہوتی ہیں - ایک بلبل کا چہکنا ہزار ہارمونیم اور پیانو سے بڑھ کر جادو تاثیر معلوم ہوتا ہی - کبوتروں کی غٹرغوں کسی پری وش کے ناز و نیاز سے زیادہ مزہ دیتی ہی - اور فاختہ کی کو کو حکما اور فلاسفہ کے چون و چرا سے زیادہ لذت بخشتی ہی -

بڑے بڑے شہروں میں جو عام نزہت گاہیں اور چڑیا خانے اور عجائب خانے وغیرہ بنے ہوتے ہیں اسی حکمت سے ہوتے ہیں - عام لوگوں کو چنداں سوسائٹی کی یکسانی ملول نہیں کرتی، لیکن جو لوگ دماغی کام زیادہ کرتے ہیں اُن کو بہت جلد اُس کی یکسانی افسردہ کرنے لگتی ہی، اور تاوقتیکہ اُن کی تازگی پسندی نزہت گاہوں اور چڑیا خانوں اور دوسرے ایسے مقاموں میں اپنی غذا نہ پالے گرد ملالت رفع ہو نہیں سکتی، اور اگر ہوگی تو دیر میں ہوگی -

بہ اعتبار اسکے کہ نظیر میں وہ ہمدردی عام کا مادہ بھی علی العموم لوگوں میں جس قدر ہوتا ہی اُس سے کہیں زیادہ تھا، اور اُس میں تفتیش و تلاش کی گدگدی بھی انتہا سے بڑھ کر تھی - دماغی کاموں میں اشتغال کے سبب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تازگی پسندی سے کام لینے کا وہ زیادہ محتاج بھی تھا، اِن اسباب سے اُس کو ابتدائے عمر سے ہم جانوروں کے پالنے میں مصروف پاتے ہیں۔ پالنے کے جو بعض طیور ہیں اُن کو وہ "شوق کے طائر" اور "بازی و اشغال کے طائر" بتاتا ہے۔ شوق کے طائر سے غرض یہ ہے کہ وہ طُیور جن کو انسان اُس عام ہمدردی کے تقاضے سے پالے جو ہر جاندار مخلوق کے ساتھ اُس کو ہے۔ اسی تقاضے سے پالنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ بازی و اشغال کے طُیور سے مراد یہ کہ بعض اوقات انسان پر بے شغلی سے کسی قدر تکلیف ہوتی ہے، اور کوئی زیادہ اہم شغل اُس کو اُس وقت کرنا مناسب نہیں، تو اُس وقت کسی قدر اپنے آپ کو کھیل میں ڈال دیتا ہے، اور کھیل سے بعض اشغال میں مشغول ہو کر اپنے جی کو بہلا لیتا ہے۔ اِس قسم کے طُیور ہیں وہ ان چڑیوں کا ذکر کرتا ہے:-

بُلبُل۔ قُمری۔ چہے۔ پدڑی۔ پدپڑے۔ چنڈول۔ اگن۔ لال۔ بئے۔ ابلقے۔ طوطے۔ طوطی۔ مینا۔ پپئی۔ تیتر۔ شکرے۔ کبوتر۔

کیا بلبل و قمری و چہے پدڑی و پدپڑے / چنڈول۔ اگن۔ لال۔ بئے۔ ابلقے۔ طوطے
کیا طوطی و مینا و پپئی۔ تیتر و شکرے / طائر ہیں، غرض، بازی و اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب میں سرافراز کبوتر

جنگِ بُلبلان:- بُلبلوں کے لڑانے سے بھی نظیر کو بہت شوق تھا۔ بُلبل کی پٹی باندھ رہے ہیں۔ پٹی ہاتھوں میں ہے۔ آڈے پر اُس کو بٹھائے لیے پھر رہے ہیں۔ لڑائی کی پالی ہوتی ہے تو اُس میں جاتے ہیں۔ عجب عجب فن معلوم ہیں، بُلبلیں لڑ رہی ہیں۔ ایک کنکری پھینک کر ماری۔ بُلبلوں کی گٹھری بندھ گئی۔ لوگ سمجھے جادو کیا۔ سب بولے: "واہ حضرت، اچھی یہ پڑھ کے پھونکی!"

۵۱ اڈے کو چکّس بھی کہتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں
اس میں سے دو پکڑ کے کشتی میں دھر بھڑائیں
کوئی بولا "واہ حضرت!" کوئی بولا "واہ سائیں"!

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو تو کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے کڈّا
خلقت بھی آ کے ٹوٹی چھوڑا اپنا اپنا اڈّا
جب تیسری کو چھوڑا، پھر تو ہوا تگڈّا
کڑکی کسی کی پسلی، ٹوٹا کسی کا ہڈّا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے، یارو، کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی، چوتھی کو اس میں چھوڑا
پھر تو یہ پھٹکا آ کر ان کشتیوں کا کوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی، بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فسوں کی
سن سن کے چیخیں ان کی لڑنے میں غرغوں کی
کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سب بولے: "واہ حضرت، اچھی یہ پڑھ کے پھونکی"!

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

ایک پودنے کی لڑائی کا قصہ بھی اسی شان سے لکھا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک پودنا اور ایک پودنی جوڑے کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جوڑا کسی پیڑ پر رہتا تھا۔ اگرچہ جانور چھوٹا سا تھا لیکن بڑے سے بڑے جانور کو مال موجود نہ سمجھتا تھا کسی طرف سے ایک ارنے کا جوڑا آیا۔ ارنی اور پودنی میں دوستی ہوگئی۔ ایک روز ارنی کی شامت آئی۔ اُس نے اُس پیڑ سے جس پر پودنے کا گھونسلا تھا پیٹھ اپنی کھجائی۔ جس سے تمام درخت ہل گیا۔ پودنا بہت بگڑا اور کہا: "اس بات سے ایک دن مردوں میں لڑائی ہو جائے گی۔ اِس تیرے کھجانے سے میں کہہ نہیں سکتا کیا آزار مجھ کو پہنچا ہے" ارنی نے نہایت حقارت سے اس کا جواب دیا تب پودنے نے کہا: "رہ، میں اس کی سزا کل تیرے ارنے کو دیتا ہوں" دوسرے دن صبح کو وہاں پہنچا جہاں ارنا پڑا سوتا تھا اور۔

: دھر پیٹھ گیا کان میں باندھ اپنے پروں کو ... پھڑ پھڑ کیا، اور پردے میں نیچوں کو گڑایا

اِس کے بعد جب ارنی نے بہت منت وسماجت کی تو اُس نے چھوڑ دیا۔ اور ارنے سے سوا بھاگنے کے اور کچھ بن نہ آیا۔

یہ قصہ از قبیل نرسری ٹیل[51] ہے۔ جو نظیر نے اپنے لڑکپن کے زمانے میں بعض ماماؤں دائیوں سے سنا ہوگا، اور عقل و شعور کے زمانے میں کسی بچے کے لیے نظم کر دیا ہوگا۔

شکار:- نظیر کو طیور سے اِس قدر شوق معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں موقع طیور کے ذکر کا آتا ہے وہ بے اختیار ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ اُن کی ایک مطول فہرست پیش کر دیتا ہے۔ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ نہ فقط اُس نے گھر بیٹھے لال، بئے، طوطے وغیرہ شوق کے جانور پال لیے ہیں بلکہ وہ اکثر اوقات باغوں میں چڑیوں کا شکار بھی کرتا پھرا ہے۔ وہ تمام اُن جانوروں سے واقف معلوم ہوتا ہے جو شکار کیے جاتے ہیں۔ اور جب اُن جانوروں کا کہیں تقریباً ذکر آتا ہے، چوں کہ اُن کے ساتھ اُس کے نہایت لذت انگیز اور پر لطف ایسوسی ایشن (تعلقاتِ خیالی) رہے ہیں،

۵۱ وہ کہانیاں جو بڑی بوڑھیاں بچوں کے بہلانے کو کہا کرتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ اگرچہ اُس کی فہرست ایک خشک تفصیل ہوتی ہی لیکن چوں کہ اُس کے پُرجوش قلب سے بے اختیاری میں نکلی ہوتی ہی، سادگی اور بے تصنعی کے مزے سے خالی نہیں ہوتی۔ اُن کے ذکر میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ یہ بے ترتیبی ظاہر کرتی ہی کہ کوئی قصد تصنع کا شریک نہیں ہی۔ طبعی جوش ہی کہ اُس سے نام گنوا رہا ہی۔ ایک غیر محسوس طور پر شکار گاہ کا سروساماں پیش نظر ہوتا ہی، اور معلوم ہوتا ہی کہ میاں نظیر کبھی سُرخاب کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں، کبھی سارس شکار کیے ہوئے لیے آ رہے ہیں۔ کچھ رفیق بھی ساتھ ہیں۔ بعض رُفقا درخت پر ہریل بتا رہے ہیں۔ بعض فاختہ کا نشان دیتے ہیں۔ ان کی آنکھیں شاخوں سے متجسسانہ لڑی ہوئی ہیں۔ تپّے تپّے میں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ لیجیے اُنھوں نے جانور کو دیکھ بھی لیا۔ بندوق کو چھتیاتے ہیں۔ ایک آنکھ بند کی ہی توڑے پر ہاتھ ہی۔ وہ لیجیے دَن سے فیر ہوئی۔ ہریل بسمل ہو کر نیچے آتا رہا۔ فاختہ بھی ایک طرف تڑپ رہی ہی۔ قرولی لے کر احباب دوڑے ہیں۔ میاں نظیر بے اعتنائی سے اور شکار کی تلاش میں دوسری طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ گویا فاختہ اور ہریل کے شکار سے اُن کو چنداں خوشی نہیں۔ جمنا کا کنارہ ہی۔ ایک جوڑا سرخاب کا بیٹھا ہوا ہی۔ آڑ بھی موقع کی ہی۔ نظیر بڑے اہتمام سے نشانہ کرتے ہیں۔ فیر ہوتے ہی نر بسمل ہوگیا۔ مادہ اُڑ گئی ہی مگر سر کے اوپر منڈلا رہی ہی۔

جنگ بلبلان۔ ذکرِ مرغان۔ ہنس نامہ۔ پودنے کی لڑائی۔ ذکرِ بیا۔ اور بعض اور متفرق اشعار سے ہم کو نظیر کے خیالی چڑیا خانے میں یہ طیور ملے ہیں۔ جن میں بعض شوق کے طائر ہیں۔ بعض شکاری۔ بعض شکار۔

چنڈول۔ اگن۔ ابلقے۔ جھپاں۔ بیا۔ دہیڑ۔ مینا۔ کلکلیاں۔ بگلے۔ طوطے (ٹوئیان۔ لہبر) بلبل۔ کوکلے۔ کویل۔ کھنجن۔ کُلنگ۔ سیمرغ۔ گرڑھ پنکھ۔ سارس۔ حواصل۔ گدھ۔ باز۔ جُرّہ شاہین۔ بحری۔ شکرہ۔ سبزک۔ بڑنکے۔ ٹنٹن۔ بُزنے۔ پنڈخی۔ ٹوٹرو۔ قمری۔ ہربوہ۔ غوغائی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بگیری - لٹورے - پپیہے - لال - چڑے - پودنے (پودنا پودنی) - پدے - پدڑی - بٹیر - لوے - تیتر - کبک - تدرو - ہدہد - بڑھیا - کوّے - چیلیں - طوطی - مور - کبوتر - شام چڑے - جھانپو - ہریل سارو - مرغ - مرغی - چغد - اُلو - پنکھ ہوا - عنقا - ہرّے - پنکھ - ٹیٹری - فاختہ - تیہو - ابابیل - چکور - لم ڈھینک - ممولا - کرّا - لگھڑ - لگھڑی - چہے -

شوق کے طائر:- چنڈول - اگن - ابلقے - بیے - دھیڑ - مینا - پیّی - بگلے - طوطے - بلبل - کوئل - قمری - کبوتر - پپیہا - لال - بٹیر - تیتر - طاؤس - شام چڑے - طوطی -

شکاری طائر:- باز - جرہ - شاہین - بحری - شکرہ -

شکار:- کلنگ - گرھ پنکھ - سارس - ٹنٹن - بُزے - پنڈخی (فاختہ) - ٹوٹرو - ہریوہ - غوغائی - بگیری - لٹورے - چڑے - پودنے - پدے - پدڑی - لوے - کبک - تدرو - ہدہد - بڑھیا - جھانپو - ہریل - سارو - ہرّے - تیہو - چکور - لم ڈھینک - کرّا - چہے - کھنجن - برٹنکے - پنکھ ہوا پنکھ

معمولی طیور:- جھپان - سیمرغ - حواصل - سبزک - زاغ - زغن - چغد - اُلو - عنقا - ٹیٹری ابابیل - ممولا - لگھڑ - لگھڑی - (زاغ زغن چغد - ایک اعتبار سے شکاری طائر ہیں) -

خانگی طیور:- مرغ - مرغی -

سب کچھ ذکر کیا ہی لیکن بٹیر کی لڑائی کا کہیں تفصیل کے ساتھ مذکور نہیں ہی - دو حال سے خالی نہیں - یا تو انھیں اس جانور سے شوق نہیں تھا، یا یہ کہ اتفاقی بات ہی کہ اُس کا کہیں ذکر ان کے کلام میں نہ آسکا یہ بھی ممکن ہی کہ اس کا حال لکھا ہو مگر موجودہ مجموعے سے وہ غائب ہو - ضمناً کہیں کہیں ذکر آیا ہی، مگر اس سے ان کی شیفتگی اس جانور کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی - مرغ کی لڑائی کا بھی کہیں شاید مذکور نہیں ہی - اور یہ بھی سخت موجب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تعجب ہے۔ چوں کہ یہ جانور خوں خوار طور پر لڑتے ہیں شاید اس وجہ سے اُن کو مرغوب نہ ہوں۔ بہر حال انکا ذکر کہیں نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ چوں کہ بعض اور اساتذہ نے مُرغ کی لڑائی کا ذکر کیا ہے، اس لیے اُنھوں نے اس کا ذکر تحصیلِ حاصل سمجھا ہو۔

تیراکی:۔ انسان جب اَور جانوروں کو دیکھتا ہے کہ وہ اُس سے بعض کمالات زیادہ رکھتے ہیں، باوجود کے نعمت عقل سے محروم ہیں، تو اُس کو خواہ مخواہ ایک قسم کا رشک پیدا ہوتا ہے، اور مادہ مُنافست جوش میں آتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ مچھلیاں پانی میں آزادی سے تیر سکتی ہیں۔ کچھوے اپنا چین کرتے پھرتے ہیں۔ کیکڑے فراغت سے پانی کی سطح پر سیر کر رہے ہیں۔ اور اُن کو اس تیرنے میں کسی قسم کی صناعی جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ اُن کے جسم کی ترکیب ہی کچھ اس وضع پر ہے کہ اُن کو پانی ڈبا نہیں سکتا۔ (غرض ایسے جانور بکثرت ہیں جو پانی میں تیر سکتے ہیں۔ بہ کثرت اَور بھی اس کی آتشِ رشک کو بھڑکاتی ہے)۔ اگر فقط آبی جانور پانی میں تیر سکتے تو شاید کچھ اُس کو تسلی ہوتی، لیکن نہیں وہ دیکھتا ہے کہ وہ جانور بھی تیر سکتے ہیں جو اُسی کی طرح خشکی میں رہتے ہیں۔ گائے بیل۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ شیر۔ کُتّے۔ سانپ۔ بچھّو۔ ان میں سے کوئی بھی تو ایسا نہیں جو تیر نہ سکتا ہو۔ اس سے وہ آتشِ رشک بھڑک کر چوگنی ہو جاتی ہے۔ جب مُنافست کے مادے کے اشتعال کے اتنے سامان تھے تو وہ چپکا کیوں کر رہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بسا اوقات اُس کو بضرورت عبورِ آب کرنا پڑتا تھا۔ غرض وہ اس نقص کی تلافی میں مصروف ہوا۔ پہلے تو اُس نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنائیں۔ گھڑناویں طیار کیں۔ پھر رفتہ رفتہ اُس نے تیرنے کا فن ایجاد کیا۔ اُس نے دیکھا کہ انسان اور دیگر حیوان میں فرق یہ ہے کہ اور جانوروں کا سر کسی قدر چھوٹا ہے، اور انسان کا سر سب سے بڑا ہے۔ پس جو دقت اس کو تیرنے میں ہے اسی سر کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر کسی طرح وہ سر کو سطحِ آب پر رکھ سکے، تو پھر تیرنے میں کسی طرح کا اشکال نہیں۔ اس کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رفتہ رفتہ اُس کو طریقے معلوم ہو گئے - پھر تو ضبطِ نفس وغیرہ کے ذریعے سے اُس نے یہ کمال بہم پہنچایا کہ بعض وقت کرامات میں اور اُس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا - مشہور ہے کہ اولیاء اللہ سطحِ آب پر سے گزر گئے اور قدم ترنہ ہوا تیرنے والوں میں قدم ترنہ ہونے کا کمال تو بے شک نہیں ہے لیکن وہ سطحِ آب پر اس طرح بیٹھے جا رہے ہوتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا وہ پانی پر ہیں - ہاتھ میں نیچرہ لیے ہوئے ہیں - سر پہ طوطا بیٹھا ہوا ہے - پتنگ اُڑا رہے ہیں سوئی میں دھاگا پرو رہے ہیں - حقّوں کا دم لگ رہا ہے -

آگرے[1] میں ہر سال برسات کے دنوں میں تیراکی کا تماشا ہوا کرتا تھا - جس طرح بنارس میں بُڑھوا منگل ہوتا ہے وہاں بھی لوگ برسات کی خوشی کرتے تھے - جمنا کے کنارے ہزاروں خلقت کا ہجوم ہوتا تھا - بہت سے کنارے ہی پر ناچ رنگ کا رنگ جمائے ہوئے ہیں - بہتیرے اپنے احباب کو لے کر سجی سجائی کشتیوں میں بیٹھے ہیں - کوئی اونچی چوٹی کی رنڈی ساتھ ہے - ناچ گانا ہو رہا ہے - طبلے کھڑک رہے ہیں -

ناؤوں میں وہ جو گُل رو ناچوں میں چھک رہے ہیں	جوڑے بدن میں رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اُڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں	عیش و طرب کی دھو میں پانی چھپک رہے ہیں
سو سو ٹھاٹھ کے بناکر اطوار پیرتے ہیں	

[1] بھادوں میں تیراکی ہوتی ہے - ناؤں پہ ناچ ہوتا جاتا ہے - دو روز تیراکی کا میلا رہتا ہے - خواجہ امیر جو نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے عہد میں اپنے والد کے ساتھ آگرے گئے تھے اس تیراکی کی نسبت اپنی کتاب معدن الجواہر میں یوں تحریر فرماتے ہیں :- "خانۂ ما با دریائے جمن پُر قریب بود - چوں بسیر دریا می رفتیم اکثر اوقات میدیدیم کہ شناوران بسیار بشنا آشنائی شوند و صنعتہائے بے شمار دریں علم بکار می برند چنانچہ شخصے بود موسوم بہ (موتی مشر) کہ عبدہا شاگرد او بودند و قدرت و دستگاہ شناہ آں قدر داشت کہ دہ انگشت دست خود بدست دہ تا آشنائی داد و شنا کردہ آں طرف دریا می برد - و بازیچہاں ہمہ را ایں روئے آب می آورد - و شخص دیگر بود مسمیٰ بہ (بھونا مشر) و ہنرش ایں بود کہ دست و پایش بہم بستہ بدریا می انداختند و بہماں حالت غوطہ اصیہا کناں و آب فرزاں عبور بحر زخار بر شکالی کہ بدو کرانہ موج می زدی نمودہ و باز می آمد - و در انجا (اکبرآباد) رسم قدیم است کہ در ہر سال بروز معینے کہ ہست ہمہ شناوران مجتمع شدہ آب ورزیہا می کنند و ہنرہا و صنعتہای خود شاں می نمایند و بر کنار دریا طعامہا می پزند - و بہ از نصف روز ہمہ شناگران آمدہ چاشت می کنند و دیگر تماشائیان ہزارہا آمدہ گل سُرخے (میلا) می سازند و آب فرزاں پس از اکل اطعمہ نفس راست کردہ باز بشنا مشغول می گردند و بیگاہ (شام) بخانہائے خود مراجعت مے نمایند -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اِس آگرے میں کیا کیا، اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ لتاڑے
دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے

لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کراڑے
بجرے و ناؤ چپّو ڈونگی بنے، نواڑے

اِن جمگھٹوں سے ہوکر سرشار پیرتے ہیں۔ الخ

جھرنے سے لے کے سبجا[۵۱] (یا سبجا) کے نالے تک اور چھتری سے لے کے بُرجِ خونی[۵۲] اور دارا کے چبوترے تک پھر مہتاب باغ سید نیلی قلعہ روضہ[۵۳] حکیم کا باغ۔ شیو داس کا چمن سب جگہ لوگوں کا انبوہ اور تماشائیوں کا غُل شور ہوتا تھا۔ جگہ جگہ پر مجلس ہے، انجمن ہے۔ میوہ مٹھائی بک رہا ہے۔ ناچ ہو رہے ہیں۔ ہر ایک مقام پر چرچے ہیں کہ آج فلاں فلاں اُستاد تیریں گے۔ فلاں کا ایک شاگرد بھی بہت ہوشیار نکلا ہے۔ کچھ دنوں میں اُستاد سے بڑھ جائے گا۔ جدھر نظر کیجیے سیر ہی سیر نظر آتی ہے۔ بڑے چھوٹے سب عمدہ عمدہ پوشاکیں پہن کر آئے ہیں عورتیں اور لڑکے اپنے رنگ برنگ کے لباس سے کنارہ دریا کو صحن گلزار بنائے ہوئے ہیں۔ ہر شخص کے چہرے پر انبساط کا گلدستہ کھِلا ہوا ہے۔

لیجیے اُستاد دریا میں کودے۔ انواع طرح سے تیر رہے ہیں۔ اور ہر جگہ تیر رہے ہیں۔ کھڑی[۵۴]۔ چادر بند۔ نانند۔

---

۵۱ بادشاہی وقت میں سبجا یا سبھا کوئی امیر عورت تھی۔ اُسی نے وہ محلّہ لبایا۔ نالا اُسی کے نام سے مشہور ہے۔

۵۲ بُرجِ خونی پر ایک توپ رہتی تھی جو آدمی کا بل لیتی تھی۔ تب چلتی تھی۔ جمنا کے کنارے ہے۔

۵۳ روضہ دریا کنارے ہے، مگر اب دریا ہٹ گیا ہے اور سڑک بن گئی ہے۔ قحط میں آدمی کے بچانے کو سرکار نے بنائی۔

۵۴ اس مقام پر ایک امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ وہ بند جس میں نظیر نے یہ اصطلاحیں درج کی ہیں اکثر محققین کے آگے نظر تحقیق پیش کیا گیا مگر کسی نے تحقیقِ شافی نہ فرمائی بعضوں نے کہا اس وقت نوٹ کے کاغذات حاضر نہیں لیکن مجمل یہ ہے کہ یہ موجوں اور گردابوں اور اسی قسم کی سطح دریا کی اور مختلف کیفیتوں کے نام ہیں بعضوں نے دعوی کیا کہ میں بتا سکتا ہوں مگر فردی فردی جب ہر ایک کی ماہیت دریافت کی جانے لگی تو بغلیں جھانکنے لگے۔ آخر آگرے کے تیراکوں سے پوچھا گیا لیکن بعض الفاظ سے وہ بھی ناآشنا نظر آئے۔ غرض اس تجسس و تلاش سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ نظیر کی زبان دانی ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی نہ تھاہ ہے نہ اور چھور۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چکوا۔ مینڈا۔ بھنور۔ اُچھالن۔ چکر۔ سمیٹ۔ مالا۔ مینڈا گھمیر۔ تختہ۔ کستی۔ پچھاڑ۔ گرا۔ پانی کوئی شکل اختیار کرے ہر شکل پہ تیر رہے ہیں۔ لوگوں سے دادیں مل رہی ہیں۔

کتنے کھڑے ہی پیریں، اپنا دکھا کے سینا	سینہ چمک رہا ہی ہیرے کا جوں نگینا
آدھے بدن پہ پانی، آدھے پہ ہی پسینا	سرِوں کا بہ چلا ہی گویا کہ اک قرینا

دامن کمر پہ، باندھے دستار پیرتے ہیں۔ الخ

جاتے ہیں اُن میں کتنے پانی پہ صاف سوتے	کتنوں کے ہاتھ پنجرے، کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے، کتنے سوئی پروتے	حُقّوں کا دم لگاتے، ہنس ہنس کے شاد ہوتے

سو سو طرح کا کرکر بستار پیرتے ہیں۔ الخ

نظیر نے برسوں یہ تماشا دیکھا تھا۔ اور حق یہ ہی کہ تیراکی کا تماشا آگرے سے بہتر دوسری جگہ کم ہوتا ہوگا۔ پھر کیوں کر گمان کیا جا سکتا ہی کہ اُس کے دل میں اُس کے سیکھنے کا جوش نہ پیدا ہوا ہو۔ روضہ جہاں یہ رہتے تھے، جمنا کے کنارے ہی واقع ہی۔ سال کے تماشے کے ماورا وہاں گھاٹ پر نہانے والوں اور تیرنے والوں کا روز اس قدر ہجوم رہتا ہی کہ معمولی سے آدمی کے دل میں بھی بے تحریک پیدا کیے رہ نہیں سکتا۔ چہ جائے کہ وہ تو نظیر تھے۔ نظیر نے گو اس فن میں وہ مرتبہ حاصل نہ کیا ہو جو اُستادوں کا ہوتا ہی، لیکن پھر بھی معمولی لوگوں سے کسی قدر زیادہ جانتے تھے۔ اور بعض تیرائیاں عمدہ بھی اُن کو معلوم تھیں۔ بعض اوقات جوانی میں جب کچھ ہم عُمر نوجوانوں کا ساتھ ہوا ہی تو جمنا پار بھی ہو گئے ہیں۔ جس جوش، اور جس واقفیت کے ساتھ اُنھوں نے آگرے کی تیراکی کا بیان کیا ہی، وہ اُن کی شناوری کی دلیل روشن ہی۔

اکبرآباد کی تعریف میں جو نظم ہی اُس میں بھی جہاں نہرِ جمن کا ذکر آیا ہی تو بے اختیاری میں نظیر اہلِ شنا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور شناوری کا ذکر کر گئے ہیں :-

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم
تو صفحہ پہ پیچ سے لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم
سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بہ دم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہلِ شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا
لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل پہ جوشِ خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحرِ بیکراں

علیٰ ہٰذا بزمِ عیش میں بے اختیار ہو گئے ہیں :-

(دریا کا سین - عورتیں) بحرِ الطافِ جمنا دریں جا ہمچناں جاری ہست کہ در چمنستان نسیمِ سحری و در بستان بادِ بہاری - بر ساحلِ بے خطرش ہجومِ آب کشاں و غسل سازاں، و اکثر بار چنیں بہار کہ گلعذاران جلوہ طراز می شوند، و برہمنانِ صندل سا چوں خطوطِ تلک و رشتۂ زُنّار صفِ دراز می بندند - طرّہ پر چینِ دلبراں نمودِ موجِ مسلسل پرداز، و خاطرِ مسرورِ دل بستگاں چوں حباب کُلاہ بہوا انداز - قیامِ موزوں قداں تمثیلے می جوید جز سرو و شمشاد بر کنارِ نہر نہالِ کدام مضموں بلند باید گردانید، و تمکنِ سیم براں تشبیہے می خواہد، غیر از نسرین و نسترن بر لبِ آب جو چہ غنچۂ سخن بہ شگفتگی باید نشانید - نازنینانِ آب تا کمر دیدن سرو در بحر با صنوبر، و تریِ جسمِ نزاکت آمیز و زلفِ معنبر گُلِ سیراب و سنبلِ تر -

(تیرائی کا میلا - تیراک) علی الخصوص وقتی کہ شناوران بشنامی پرداز ندو غول خود نمایاں می سازند - بہ علمِ شنا دریا، واز دقائقِ شناوری آن قدر آشنا کہ وسعت روئے آب را فرشِ چاندنی می دانند، و ہجومِ امواج را

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لہر سیتل پانی - چلکوہ پر چکا بورا پوچ، و پیچ گرداب راہیچ - چادر از لتے تار تار، و چار موج نیز ناچار - سر گشا طرفگی فزا، و موہ چال تحیر پیرا جنبشِ دست بان صافی کہ رشحہ نہ جنبد، و تحریکِ پا باین خوبی کہ آب نہ رنجد - سرخاب خجلت یاب، و بط آب آب - با قامت بہارِ کنول و نیلوفر، و برو وانی چمنِ روان در نظر - بے کدو چناں روند کہ لعبان تیز رو کدو، و تا غوطہ نہ زنند آب مشتاقِ گلو - کارے می کنند کہ چیں ہر موج زبان تحسین، و ہنری می نمایند کہ حباب بگرد آفریں - صداے جی تان ہنگے کہ چہ چہ بلبلاں بہ چمن، و کلاہ رنگا رنگ بنوعے کہ شگفتنِ گل ہا بہ گلشن - چندے ترانہ و دستک پرداز، و اکثرے ستار و منہ چنگ نواز - انبوہِ تماشائیان بر ساحل - و انواع سیر و تماشا حاصل -

ز جمنا عالمے صد عیش یاب است
ز آبش اندرین جا مثلِ گلشن

بخوبی خوش تر از بحرِ خوشاب است
چراغِ خضر تا سازند روشن

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(نظیر کی تعلیم و تربیت)

میاں نظیر کھیل تو آپ بہت چکے - اب مکتب کا رُخ کیجیے - ماما دائیوں کی گود چھوڑ کر بوڑھے شفیق اُستاد کے آغوشِ تربیت میں جگہ لیجیے - چار برس چار مہینے چار دن بہت ہوتے ہیں - اِس اثنا میں (آپ کے قویٰ نے بہت کچھ ابتدائی معلومات فراہم کر لی ہیں) آپ بہتیرے پھول سونگھ چکے ہیں - بیلا - گُلاب - چنبیلی - ہزارہ چنپا - جوہی - کیوڑہ - موتیا - سب پر آپ گھنٹوں وجد کر چکے ہیں - عطر بھی بیسیوں قسم کے مَل چکے ہیں - پھل بھی کئی طرح کے کھا چکے ہیں - تربوز - ککڑیاں - خربوزے - بیر - سنگترے - نارنگیاں - کیلے - آم - انار - انگور سب کا مزہ آپ کے کام و دہن میں موجود ہے - سیریں بھی ہزاروں دیکھ چکے ہیں - تماشے بھی انواع طرح کے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں - گھر کے رشتہ مند اور بڑی بوڑھیوں کے لاڈ پیار بھی بہت ہو چکے - اب کیا آپ عمر بھر کھیلتے ہی رہیں گے - زیور اور رنگین کپڑوں سے دل سیر نہیں ہوا تو ابھی چندے انھیں رہنے دیجیے - لیکن خدا کے لیے کھیلنا تو اب چھوڑیے - کھیلنے کو بھی مطلق منع نہیں کیا جاتا - کھیلیے لیکن گھڑی دو گھڑی پڑھ کر اور سبق یاد کر کے -

"ابا میں پڑھوں گا لیکن پہلے آپ میری دُھوم سے بسم اللہ تو کر دیجیے" "ہاں صاحب! اس کا مُضایقہ نہیں - اچھا بتاؤ - تُمھاری بسم اللہ میں کتنی مٹھائی آئے؟ - اور کون کون سی؟" "ابا، اور کچھ ہو کہ نہ ہو تِل کے لڈو ضرور ہوں - اور مٹھائی دس من سے کم نہ ہو"

"بیٹا - تل کے لڈو تو دوا کی مٹھائی ہے - وہ بانٹنے کے مصرف کی نہ ہوگی - کوئی اور مٹھائی تجویز کر دو"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"تو اچھا برفی منگوائیے - خوب میٹھی ہوتی ہے - لب چپکتے ہیں۔"

"اس تجویز پر تمھاری میر ابھی صاد ہے۔"

"ابا، مٹھائی بٹنے لگے تو تھوڑی سی مجھے بھی دے دیجیے گا - مرزا کا بیٹا جو میرے ساتھ کھیلتا ہے میں اس کو دوں گا اور دو ایک لڑکے اور بھی ہیں - اور ایک شخص کو اور دینا ہے وہ آپ کو نہ بتاؤں گا۔"

"میں سمجھا تم اپنی اماں کو دینا چاہتے ہو۔"

"جی نہیں - اس کو تو آپ خود دیں گے۔"

"تو پھر کس کو دو گے؟"

"جب آپ مٹھائی دے لیں گے تو بتا دوں گا۔"

کچھ اسی قسم کی تقریر باپ بیٹے میں ہوتی ہے - باپ مسکراتے ہوئے فکرِ بسم اللہ میں تشریف لے جاتے ہیں - حلوائی پر مٹھائی کی فرمائش ہوتی ہے - فرش فروش کا سامان کیا جاتا ہے - دعوت کے رقعے تقسیم ہوتے ہیں - اہلِ شہر جمع ہوتے ہیں - شہر کے کسی مقدس ملّا کے سامنے نظیر بٹھایا جاتا ہے - قرآن شریف رحل پر رکھا ہوا ہے - ملّا صاحب اس سے دو چار اخلاق آمیز باتیں کرتے ہیں - وہ ہر بات کا معقول جواب دیتا ہے - ملّا صاحب "ماشاء اللہ ماشاء اللہ" کہتے جاتے ہیں - ایک ہاتھ میں تسبیح ہے - دوسرے میں ناسدانی ہے - تسبیح والے ہاتھ سے قرآن شریف کھولتے ہیں - اور نظیر سے سورہ اقرا باسم پر انگلی رکھولتے ہیں - اور اس سے کہتے ہیں "کہو اقرا باسم ربک الاعلےٰ الّذی خلق خلق الانسان من علق" بعض مخارج کے ادا کرنے سے گو نظیر قاصر ہے - مگر الفاظ پورے پورے ادا کرتا ہے - ملّا صاحب کو مکرر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی - اسی طرح تین دفعہ پڑھا کر ملّا صاحب نظیر کے علم کے لیے دعا کرتے ہیں اور نظیر کو شاباش اور اس کے باپ کو مبارک باد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیتے ہیں۔ پھر چاروں طرف مبارک باد کا غُل مچ جاتا ہے۔

دو چار روز تک تو نظیر کو کوئی کچھ نہیں چھیڑتا۔ لیکن جب پھر سفتے کا دن آیا تو باپ نے اُس سے کہا کہ "بیٹا اب مکتب جاؤ۔ مولوی صاحب کئی دن سے تمہارا انتظار کھینچ رہے ہیں" نظیر نے کہا "میں خود حیران تھا کہ ایک ہی دن پڑھنا ہو کر رہ گیا۔ مجھ کو مُلا صاحب نے جو کچھ پڑھایا وہ بہت بھلا معلوم ہوا" اس کے بعد نظیر بغل میں قاعدہ دبا کر مکتب میں پہنچتے ہیں[۱]۔ اُستادِ شفیق نہایت شفقت کے ساتھ دو چار حرف بتا اور پھوا دیتے ہیں۔ "الف خالی[۲]۔ بے کی پیٹھ پر ایک نقطہ" "مولوی صاحب، یہ نقطہ تو ٹھیک اُسی برفی کی طرح ہے جو میری بسم اللہ کے دن بٹی تھی" "ہاں صاحب جبھی تو پڑھنے لکھنے میں اس قدر مزہ ہے" "لیکن بے کو برفی ملی اور الف کو نہیں" "یہ شاید بانٹنے والوں کا قصور ہے" "جی ہاں کم بخت بانٹنے والے بڑے بدذات ہوتے ہیں۔ میرزا میرا ایک دوست ہے۔ وہ لاکھ مانگتا رہا مگر اس بے چارے کو کسی نے ایک ٹکڑا بھی نہ دیا" اُستاد شاگرد میں اس طرح کی باتیں بھی ہوتی جاتی ہیں۔ اور پڑھنا بھی ہو رہا ہے۔ جب اس شفقت اور مہربانی کی پڑھائی

۱۔ مکتب میں اُس کے باپ نے لا کر بٹھا دیا + اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا +

۲۔ اِس مقام پر انشا کی یہ غزل خالی از لطف نہیں:۔ تب سے عاشق ہیں ہم اے طفل پری زاد ترے * جب سے مکتب میں لگا پڑھنے الف بے تے ثے * یاد آتا ہے وہ حرفوں کا اُٹھانا مجھ کو * جیم کے پیٹ میں اک نقطہ ہے اور خالی حے + خے کی پھر شکل عوا صل کی سی آتی ہے نظر * نقطہ جو اُس پہ لگا دیں تو ہوئی پھر وہ خے + دال ہے کبڑی سی آتا کی مری قد کی شبیہ + ہے سو یک پانچ ہے بن بیٹھی ہے اور بن نقطے + ذال بھی چھوٹی بہن اُس کی ہے عقل آتوں جی + ایک پر کالہ سا ہے ساتھ ہے گھر میں اُس کے + رے بھی خالی ہے و رے زے پہ بھی ہے اک نقطہ + کہ مشابہ ہے یہ تل سے مرے رخسار تلے * سین خالی ہے بڑے شین پہ ہیں نقطے تین + صاد اور ضاد میں بس فرق ہے اک نقطے سے + طوے بن طرّہ ہے اور ظوے پہ ہے اک نقطہ * عین بے عیب ہے اور کانے میاں غین ہوے + فے پہ اک نقطہ ہے اور قاف پہ ہیں نقطے دو + کاف بھی خالی ہے اور لام بھی خالی ہے رے + میم بھی یوں ہی ہے اور نون کے اندر نقطہ + مُغلسا بیگ ہے یہ واو بھی اور چھوٹی ہے + کیا خلیفہ جی ہی ایسی پھبن سے نکلے؟ + آ کے چھٹی دو ا بھی لام الف ہمزہ یے + گالیاں تیری ہی سنتا ہے یہ انشا ورنہ + کس کی طاقت ہے کہے کوئی جو یہ اُس کو بے +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو تو پھر کیوں نہ پڑھنے والے کا جی لگے سب جمعے کو گو تعطیل کی خوشی ہوتی ہے لیکن نہ ویسی جیسی اور لڑکوں کو کہ سمجھتے ہیں قید خانے سے چھوٹے۔ مہینے ڈیڑھ مہینے میں نظیر قاعدے کو ختم کرتا ہے۔ اُستاد کو قاعدہ ختم کرانے کا انعام الگ ملتا ہے اور سیپارۂ عم شروع کرانے کی نذر جُدا۔ سیپارہ شروع ہوتا ہے تو مٹھائی آتی ہے اور نیاز ہوتی ہے۔ پیمبر کی رُوح کو ثواب بخشا جاتا ہے۔ ترقّی علم کی دُعا مانگی جاتی ہے۔ لڑکوں میں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ میاں نظیر خود اندر باہر خوشی خوشی تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ سب سے دُعائیں لے رہے ہیں۔ سیپارہ بھی تین چار مہینے میں تمام ہوتا ہے۔ بعد ازاں حضرت سعدی کی روحِ پُر فتوح مکتب میں داخل ہوتی ہے اور نظیر کے سامنے کریما کھُلتی ہے۔ یہ کب اوستاد کے خیال میں ہوگا کہ ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ نظیر جس کتاب کے اشعار بلا فہمِ معنی فقط وزن کی چاٹ پر یاد کر رہا ہے اُس کی بحر کا ایسا آشنا ہوگا کہ اُس میں تضمین کی ناؤ کھیتا پھرے گا۔ وزن کا پسند کرنا طبیعتِ انسانی کا عام خاصہ ہے۔ نظیر کی طبیعت تو شاعری کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے کہ اُس کو کریما کا موزوں کلام کس قدر پسند آیا ہوگا۔ جیسے خانۂ نگین میں نگینہ بیٹھ جاتا ہے اُس کے اشعار ذہن نشین ہو جاتے تھے اور پھر کسی طرح بھولتے نہ تھے۔ دو چار روز تک ایک ایک شعر کی نوبت آئی۔ پھر تو اُس کا کچھ ایسا باہرہ کھُلا کہ چار چار پانچ پانچ شعر پڑھ جاتا اور گھنٹے بھر میں یاد کر کے رکھ دیتا۔ کریما کے ساتھ ساتھ کبھی اُستاد اور کبھی بعض مکتب کے اور لڑکوں سے بیت بحثی کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا۔ اب جہاں کہیں شعر دیکھتا اُس کے اوّل اور آخر حرف پر اس کی نظر پڑتی اور اس طرح ایک غیر محسوس طور پر املا کا اُس کو خیال ہو چلا۔ بیت بحثی نے اِس کے مذاقِ نظم کو کسی قدر اور گہرا کر دیا اور حافظے میں چسپیدگی کا مادہ کسی قدر اور بڑھ گیا۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ حریف سے اگر کوئی نیا شعر سُنتا ایک دفعہ میں اُس کو یاد ہو جاتا۔ کریما کے بعد مُقیماں شروع ہوئی۔ مُقیماں کے ختم ہونے پر خالق باری کی باری آئی اور آمد نامے کی آمد ہوئی۔ خالق باری نے ایک مختصر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذخیرۂ فرہنگ کے علاوہ اُس کو مختلف بحروں سے بھی آشنا کیا اور اب وہ رفتہ رفتہ ہر بحر کے اشعار کے پڑھنے پر قادر ہو چلا۔ بیت بحثی کے شوق نے اُس سے محمود نامہ اور عطائی نامہ بھی پڑھوایا۔ کتابوں میں جو اشعار اُس نے پڑھے اُن کے علاوہ اُستاد سے سُنے یا اور ہم مکتبوں سے جواب میں پائے یا اور کسی بھلے مانس کو پڑھتے دیکھا وہ بھی یاد کر لیے۔ اور اب بات کرنے کے بہت سے مضحک اور حجتی پیچ اُس کو یاد ہو گئے۔ ردیف ڑاے مثقلہ اور ث اور ٹھ اور ق اور ژ وغیرہ کے اشعار اُس کو بکثرت یاد تھے اور اُن کے جوابی اشعار بھی۔ اُس کا ذہن اِس چھوٹی ہی سی عمر میں ایک اچھا خاصہ مجموعہ اشعار کا ہو گیا تھا۔ اور شاید یہ اِسی کا صدقہ تھا کہ بعض اوقات بعض موزوں مصرعہ بھی بے ساختگی میں اِس کی زبان سے نکلنے لگا۔ اِس مذاق شعر و سخن کے بعد آمدنامے کے رُوکھے پھیکے صیغوں نے کسی قدر اِس کو تکلیف دی لیکن مکتب میں اور لڑکے بھی پڑھتے تھے اور اُن سے پیچھے رہنا یہ اپنے لیے موجب کسرِ شان خیال کرتا تھا اِس لیے کسی طرح نشتم پشتم بڑھتا چلا گیا۔ اُس مشکل راہ سے گزر کر اُس نے دیکھا کہ اُس کے آگے ایک نہایت پُر فضا وعظ و نصائح کی پھلواری کھلی ہوئی ہے۔ حضرت سعدی اُس پھلواری کے مالی ہیں۔ اور کچھ اِس قسم کے گلدستے طیار کر رہے ہیں:۔

"گلے خوشبوے در حمام روزے
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
بگفتا من گلے ناچیز بودم
جمال ہم نشین در من اثر کرد

رسید از دستِ محبوبے بدستم
کہ از بوے دل آویزِ تو مستم
ولیکن مدتے با گُل نشستم
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

کمالِ

اِس باغ میں اِس کی رُوح بہت خوش ہوئی۔ ہر گلدستے کو سُونگھتا اور اپنے ذہن و خیال کے جیب و دامن کو بساتا۔ رفتہ رفتہ اُس کے دماغ میں ایک خاصہ مجموعے کا عطر پیدا ہوا جس کی خوش بو سے آج تک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کے دماغ تازہ ہیں - یہ کون اُس وقت سمجھ سکتا تھا کہ یہ نونہال آگے چل کر خود اِس قدر پھولے پھلے گا کہ گلستانِ سعدی اُس کے آگے گرد ہو جائے گی -

تفصیل کہاں تک لکھی جائے - مختصر یہ کہ نصاب الصبیان ابونصر فراہی - گلستاں - بوستاں - مثنوی غنیمت - یوسف زلیخا - سکندرنامہ - انشائے خلیفہ - انشائے منیر - انشائے ہرکرن - طاہر وحید - بہارِ دانش - ابوالفضل - سہ نثر ظہوری - مینا بازار - طغرا - دیوان غنی - قصائد عرفی - قصائد خاقانی - قصائد ظہیر فاریابی - تحفۃ العراقین - قران السعدین - اِس قسم کی کتابیں جو فارسی درسیات میں داخل ہیں اُنھوں نے کچھ مدت میں تمام کر لیں - جب فارسی کی استعداد میزان منشعب سمجھنے کے لائق ہو گئی تو یہ عربی کے ڈھرے پر لگایا گیا - لیکن جہاں تک اِس کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے عربی میں شاید صرف و نحو سے آگے قدم نہ بڑھا سکا - کیوں کہ کسی مقام سے اِس کی عربی کی ادبیت اچھی طرح تراوش نہیں کرتی - خمسہ ہفت زبان میں عربی کا ایک شعر لکھا ہے - ممکن ہے کہ کاتب یا راوی کی غلطی ہو - لیکن جس حالت میں کہ وہ مندرج ہے اُس سے تو اُس کی عربیت کی نسبت کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوتی - وہ شعر عربی کا یہ ہے -

فدای و جہک عشی شرقا - دموع نہرا - و من فراقک
کثیر حزنا - مع الہونا - ثقیل ہجرا - و کالجبالا

مبلغ علم - کلام سے یہ بات اچھی طرح مترشح نہیں ہوتی کہ نظیر کا مبلغ علم کس قدر تھا - لیکن چوں کہ کسی مسئلۂ فقہی یا نحوی کی طرف اشارہ نہیں ہے اِس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید عربیت بہت زائد نہ تھی - معمولی صرف و نحو کی مختصر کتابیں پڑھی ہوں تو پڑھی ہوں - شاید ایک آدھ رسالہ منطق کا بھی دیکھا ہو لیکن اِس میں شک نہیں کہ فارسی کی نہ صرف درسی کتابیں پڑھی تھیں بلکہ اِن کے علاوہ اِس زبان کی اکثر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مشہور تصانیف اور اکثر مشہور شعرا کے کلام پر نظر تھی - حافظ - خسرو - جامی - صائب - سعدی - نظامی - وحشی - خاقانی - فردوسی
انوری وغیرہ شعرا کے کلام سے اچھی طرح واقف نظر آتا ہی - چنانچہ بعضوں کے بعض کلام کی تضمین بھی کی
ہی - فارسی میں استعداد خاصی ہی - کتب درسیہ ظہوری - طغرا - سہ دفتر ابوالفضل - غنی وغیرہ پڑھ سکتا تھا -
اس کے ساتھ مختصرات صرف و نحو بھی پڑھاتا ہو تو عجب نہیں - بعض مقام پر جہاں فارسی اشعار لکھے ہیں
زور فارسیت ظاہر ہوتا ہی - مرزا نوازش علی بیگ نے تو ایک خط میں ذکر کیا ہی کہ اُن کا مستقل دیوان
فارسی موجود ہی -

مکتب کی تصویر - مکتب کی تصویر نظیر نے لیلی مجنوں میں خود کھینچی ہی - اس موقع پر اُس کا ذکر کرنا
مناسب معلوم ہوتا ہی -

مکتب میں اُس کے (قیس کے) باپ نے لا کر بٹھا دیا * اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا *

(بغدادی قاعدہ قیس کے زمانے میں تو تصنیف نہیں ہوا تھا - البتہ نظیر کو خود پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا
یہ تسامح ویسا ہی ہی جیسے لکھنؤ کے مرثیہ گو شعرا کو دنان اہل بیت کے طریقۂ ماتم و لباس و پوشاک کی نسبت
اکثر واقع ہوتا ہی) -

اُستاد کی تصویر میں خود نظیر کی تصویر نظر آتی ہی -

اُستاد ایسے بیٹھے کہ پوچھیں وہ عشق کو	روے سخن میں اُن کے مئے عاشقی کی بو
جو کچھ پڑھے تو یوں کہیں "غم کے گھر پڑھو"	تختی لکھے تو بولیں: "اُسے آنسوؤں سے دھو"
معنی جو پوچھے تو کہیں "صبر و قرار کھو"	تقریر پوچھے تو یہ کہیں اُس کے رو بہ رو
"دل دے کے خوب رو کی محبت میں خوب رو"	باعث جو عشق کے تھے وہ حاضر تھے، دوستو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاہت کی پاک بازی کا ہر دم رواج تھا
لڑکا بھی ابتدا ہی سے عاشق مزاج تھا

قیس کے تختی لکھنے کا حال نظیرؔ لکھتے ہیں، لیکن وہ تو خود اُن کا حال ہے:-

تختی کو دے کے جب وہ قلم کو اُٹھاتا تھا — مشقِ الف میں آہ کی مدّیں دکھاتا تھا
بے کی کشش میں طولِ طپش کو جتاتا تھا — نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا — نقشِ دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا
جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا — دیکھ اُس کو چشمِ یار تصوّر میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی، دفترِ رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اُس کا یہ حال تھا

نظیرؔ جب علم پڑھ کر نکلتے ہیں اور اخیر کو اُسی علم کی عینک سے دیکھتے ہیں کہ مآل سب کا فنا ہی تو یوں عبرت کے چشمے جاری کرتے ہیں:-

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل فی ادراک ہوئے — اور لاد کتابیں اُونٹوں پر ہر معنی کے درّاک ہوئے
معقول پڑھی، منقول پڑھی، ہر منطق میں چالاک ہوئے — یاں جتنے علم کے دریا ہیں اُن دریا کے تیراک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یا پڑھ کے علم طبابت کا — دالان کتابوں سے روکا، اور نسخوں سے صندوق بھرا
جب موت مرض نے آن لیا سب بھولے نبض اور قارورا — گو نسخے لاکھ مجرّب تھے پہ کام نہ آیا اک نسخا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سب جیتے جی کے - الخ

اسی رنگ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

کیا کالی پیلی شکل کے، کیا گورے گل عذار — عاشق کوئی ہی، اور کوئی معشوق طرح دار
عاقل حکیم و عامل و فاضل رسالدار — پنڈت، نجومی، بید، چہ ناداں، چہ ہوشیار
دو دن کی شان ہر کوئی دکھلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

جس طرح نظیر سات زبانیں جانتا تھا گمان ہوتا ہی کہ اسی طرح وہ ہفت قلم بھی تھا - اُس نے بعض موقعوں پر خوشنویسوں کا ذکر کیا ہی اور مُطلّا مذہّب کتابیں جو لوگوں نے ہزاروں لاکھوں روپے کے صرف سے لکھوائی ہیں اُن کو مخصوص بالذکر کیا ہی - اس سے خیال ہوتا ہی کہ وہ خوشنویسوں کی خدمت میں اکثر بہ نظر اصلاح جایا کیا ہی اور اُن کا کمال اُس کو خوش آیا ہی - خود بھی مدتوں خوش نویسی کا دل میں ذوق رکھا ہی - اچھے اچھے قطعات اُستادوں کے بہم پہنچاتا ہی اور بڑی محنت سے اُن کی شائیں مشق کرتا ہی - جب سن رُشد کو پہنچتا ہی بعض خوشخط قلمی کتابیں اپنے مذاق خوشنویسی کی سفارش سے خریدتا ہی اور اُن پر ناز کرتا ہی[۱]

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقانِ زار — وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر برقرار
کیا کاتبانِ اہلِ قلم خوشنویس کار — جتنی کتابیں دیکھتے ہو، لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا

۱ اکبرآباد میں میرزا نوازش علی بیگ نے نظیر کی چند نثریں دکھائیں جو بروایت اُن کے خود نظیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں - خط بہت پاکیزہ نستعلیق تھا اور ایسا کہ جس پر اکثر خوش نویسوں کو رشک ہو سکتا ہی -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

دُوسری جگہ نظیر یہ مُلاحظہ کرتے ہیں کہ اگرچہ کوئی کتنا ہی علم والا ہو لیکن اسرارِ الٰہی پر کماحقہ عبور حاصل نہیں کر سکتا۔

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس، کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہے عاقل، کوئی ہے فاضل، کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے، یہ سب ہیں حیلے، یہ سب بہانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر سات آٹھ زبانیں جانتا تھا۔ عربی فارسی کا ذکر تو ہم ابھی کر آئے ہیں۔ کہ نظیر نے اُس میں کس طرح ترقی کی۔ اُردو اُس کی مادری زبان تھی۔ اِس میں اُس کو چنداں محنت اور کاوش کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چوں کہ تحصیل زبان کے ساتھ اُس کو جبلی مناسبت تھی وہ اس مادری زبان کے نکات اور خصوصیات کو اَوروں سے بہت زیادہ سمجھتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ گو سب اُردو ہی بولتے ہیں لیکن بعضوں کی اُردو میں فارسی اور عربی کی آمیزش زیادہ ہے۔ بعضے ہندی اور سنسکرت الفاظ اُس میں داخل کرتے ہیں بعض اصطلاحیں بعض خاص پیشوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور اکثر پیشہ ور کچھ نہ کچھ اپنی زبان میں اور لب و لہجہ میں خصوصیت رکھتے ہیں۔ جس سے وہ فقط اپنی طرزِ تقریر سے پہچانے جاتے ہیں کہ کس پیشے کے ہیں۔ فقیروں اور بے نواؤں کا لہجہ اَور ہے۔ اور بانکوں اور شہدوں کا اَور۔ عورتیں کچھ اَور ہی طرح بولتی ہیں اور مرد کچھ اَور۔ ہندوؤں کی عورتوں کا لب و لہجہ مسلمان عورتوں کے لب و لہجے سے بالکل جُدا گانہ ہے۔ ان تمام

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خصوصیتوں پر نظیر کی نظر اس طرح دوڑتی تھی اور حاوی ہوجاتی تھی کہ وہ پکی عمر کو پہنچ کر اس قدر قادر الکلام ہوگیا تھا کہ جس طبقۂ ناس کی تقریر کی نقل کرنے کو کہیے وہ کر دیتا۔ اور اس خوبی کے ساتھ کہ معلوم ہوتا نقل نہیں اصل ہی۔ کبھی آپ سپنیرے بنے ہوے ہیں۔ کبھی آپ مچھوے کے لباس میں تشریف لائے ہیں۔ کبھی مارواڑی بن کر کچھ ارشاد کر رہے ہیں۔ اُردو چوں کہ ہر زبان کو مہمان نوازانہ اپنے کاشانے میں جگہ دیتی ہی اس لیے جو شخص اُردو میں کمال پیدا کیا چاہتا ہی وہ گویا بالطبع اور کئی زبانوں کی تحصیل پر مجبور ہوتا ہی۔ اسی مجبوری اور کچھ طبیعت کی رنگینی کی وجہ سے نظیر نے اپنی توجہ کو مختلف زبانوں کے حاصل کرنے کی طرف مصروف کیا۔ وہ تھوڑے زمانے میں پنجابی خاصی طرح بولنے لگا۔ برج بھاشا میں اُس نے گوپ اور گوپیوں کی سی مہارت حاصل کی۔ پوربیوں کا لہجہ اخذ کیا۔ مارواڑیوں کی اصطلاحیں یاد کیں۔ ملک محمد جایسی کی بھاشا میں یا وہ جو تلسی داس کی ہی اس میں کمال پیدا کیا۔

کنھیا جی کا جنم وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اس شخص کو ہندوؤں کی اصطلاحوں میں پنڈتوں اور کبیشروں کا سا کمال تھا اور اسی سے یہ بھی ترشح ہوتا ہی کہ اُس کو زبانِ سنسکرت اور ہندوؤں کے مذہبی اور تاریخی امور میں اچھا خاصہ دخل تھا۔

اس کی ٹھیک تعیین نہیں ہوسکتی کہ نظیر نے یہ غیر زبانوں میں کمال کس زمانے میں حاصل کیا تھا۔ پنجابی چوں کہ دہلی میں اکثر لوگ پنجاب کے بسے ہوے ہیں اور پنجاب ہی میں وہ شہر داخل ہی غالباً اُس کو لڑکپن ہی میں معلوم ہوگئی ہوگی۔ لیکن اور زبانیں خصوصاً سنسکرت غالباً اُس نے بعدِ فراغ مکتب سے نکلنے کے بعد سیکھیں۔

جس زمانے میں نظیر تھا اُس میں مذاقِ تصوف لوگوں پر غالب تھا۔ کبیر اور گرونانک کی تعلیم نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کو بتا دیا تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا تصوف قریب قریب ایک ہی اور اگر غور سے دونوں مذاہب کے تصوف کی چھان بین کی جاے تو آل ایک ہی ٹھہرتا ہی۔ اس لحاظ سے اکثر صوفی خیال مسلمان بعض اوقات ہندو جوگیوں اور مذہبی پیشواؤں اور عالموں سے ملتے اور واقعی معقول استفادہ کرتے تھے۔ ہمارے شہر عظیم آباد میں ایک پرانے آدمی شاید کوئی سو برس سے زیادہ عمر کے رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں ایک فقیر کا ذکر کیا جن کا ہمزہ علی شاہ نام تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ یہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ یہاں آن کر شاہ ارزاں صاحب کی درگاہ پر رہ گئے۔ بہت ہی کامل درویش تھے۔ اُن کا اکثر معمول تھا کہ ہندوؤں کی کتھا میں شریک ہوتے۔ ہندو بھی اِن کی بڑی آؤ بھگت کرتے اور ممتاز جگہہ دیتے۔ کتھا کہنے والے خاص کر اِن کی طرف خطاب کرتے اور یہ بہت ہی محظوظ وہاں سے واپس آتے۔

تذکرہ گلشن بے خزاں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ حضرت شاعر بھی تھے چنانچہ صفحہ ۲۸ میں صاحب تذکرہ میاں باطن لکھتے ہیں کہ ہمزہ تخلص لا اعلم۔ از فقراے شاہجہاں آباد۔ سیرگاہ اِن دنا کی بلدۂ عظیم آباد درویش سخن کا غذ کے تکیے میں اِس طرح کرتا ہی حق کی یاد۔ ہمزادِ طبع سُوالِ سخن کو یوں کرتا ہی یاد۔

ہاے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں	غمِ مجنوں کریں یا ماتمِ فرہاد کریں

اس ذکر سے مقصد یہ ہی کہ کچھ اسی طرح کا مذاق میاں نظیر کا بھی ہوگا۔ تعلیم کے تعلق سے چوں کہ ہندوؤں کے ہاں اِن کو رہنے کا زیادہ اتفاق ہوا اِس سے شاید یہ مذاق اور چمکا ہوگا۔ عُلماے ہنود کی صحبت، اور ذہن وذکا کی تیزی، اور حافظے کی قوت، اور تلاش کی اشتہاے صادق نے اِن کے ذخیرۂ دماغ کو تھوڑے ہی دنوں میں معلومات کافی سے بھر دیا ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہر چند ہم نظیر کے حالاتِ تعلیم میں صدرا اور شمس بازغہ کا کہیں ذکر نہیں پاتے۔ اُس کے آگے کبھی فقہ واحادیث کی موٹی موٹی کتابیں کُھلی ہوئی نہیں دیکھتے۔ وہ منطق اور معقولات کی موشگافیوں میں اُلجھا ہوا نظر نہیں آتا۔ وہ علمِ کلام اور علمِ عقائد میں غوطے لگاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن یہ خُدا کی دین ہی۔ اِس میں کسی کا اجارہ کیا ہی ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال	کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

وہ اگر کسی کو بے محنت گھر بیٹھے تمام علوم کی دولتیں عطا کر دے تو اُس کی قدرت سے کیا بعید۔ اکثر بزرگوں کے حالات میں مذکور ہی کہ اُن کی خضر سے ملاقات ہوئی جنھوں نے ایک غیر معمولی طریقے سے تمام علم اُن کو گھول کر پلا دیا۔ ہم کو وجودِ خضر سے انکار نہیں اور نہ اس میں کلام کہ بعض حضرات کو اُن سے یہ غیر معمولی فیض پہنچا بھی ہی، لیکن اس کثرت سے جو روایتیں مشہور ہیں وہ یقیناً محلِ تامل ہیں۔ حقیقت یہ ہی کہ دنیا میں بہت سے ایسے ذہین ہو گزرے ہیں کہ جنھوں نے اپنی فطری بے چینی اور سیماب وشی سے جو اذکیا کا خاصا ہی زمانۂ تحصیل میں رسمی طریقے پر زیادہ علم حاصل نہیں کیا، لیکن اُس جبلّی مادے کی وجہ سے پھر جو آگے چل کر اُن کو توجہ ہوئی ہی تو رسمی طریقۂ تحصیل میں عُمر بھر جانفشانیاں کرنے والے بیٹھے ہی رہ گئے ہیں اور یہ اُن سے بمراحل آگے نکل گئے ہیں۔ اگر ایسے اذکیا کا میلانِ خاطر کچھ مذہب اور تصوّف کی طرف ہی تو اُنھی کی نسبت کہا جاتا ہی کہ خضر سے اُنھوں نے تعلیم پائی ہی۔ بس اِن صورتوں میں خضر حقیقت میں نام ہی اُن فطری قویٰ کا جن کو ظلماتِ استعداد سے بعض خاص اوقات میں فعل کی روشنی میں جلوہ گر ہونے کی توفیق ہوتی ہی۔ یہ خضر نظیر کی استعداد کے ظلمات میں بھی تشریف رکھتے تھے، اور یہ انھی خضر کا تصرف ہی کہ بغیر اس کے وہ باضابطہ تعلیم کا قدیم کورس تمام کرے وہ تمام علوم میں ایک خاصی مہارت رکھتا تھا۔ علم ہیئت کے اکثر مسائل جن کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

معمولی ریاضی دانوں کے فلک کو بھی خبر نہیں اُس کو ازبر تھے۔ وہ علمِ معانی و بیان میں ایک معقول معلومات رکھتا تھا۔ اچھے اچھے قابل اور ذی علم لوگوں کی صحبتوں میں بیٹھتے بیٹھتے ہر علم کے مُتعارف اور معمولی مسائل اس کو نوکِ زبان ہو گئے تھے۔ وہ ایسی ویسی صحبتوں میں بیٹھا ملتا تو لوگوں کو مُشکل سے معلوم ہوتا کہ وہ علومِ عربیہ کا پُورا عالم نہیں ہے۔ ہر چند طب اُس نے نہ پڑھی ہو لیکن معلوماتِ طبّی اُس کی کم نہیں معلوم ہوتی۔ ہم اُس کے شاگردوں میں ایک طبیب کو بھی پاتے ہیں جس کا نام مانک چند اور عُرف جتی جی تھا۔ یہ شہر کا ایک نامی طبیب تھا اور اخیر عمر میں نظیر کے خاندان کے لوگوں کا علاج اُسی کے ہاتھ سے ہوتا تھا۔

حق تو یہ ہے کہ سب سے بڑی تعلیم یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں علم کی بھوک پیدا ہو جائے اور اس طرح کہ ہر وقت بھڑکی رہے۔ عالم کے جس قدر اجزا ہیں ہر جزو سے اُس کے ذہن میں حرکت پیدا ہو جائے۔ اُس کی جس پھول پر نظر پڑے وہ اُس پھول کو پھول نہ سمجھے بلکہ کاتبِ قدرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا چند ورقوں کا ایک نادر رسالہ۔ جس پتے پر نگاہ ڈالے سمجھے کہ دفترِ معرفت ہے بقول سعدی ؎

	برگِ درختان سبز در نظرِ ہوشیار		ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار	

ہر واقعے اور ہر ماجرے کو دیکھ کر بیسیوں سوالات دل میں پیدا ہونے لگیں۔ چوں و چرا عقل کی زبان پر ہو۔ کو اور کجا اور این و متی تفتیش و تفحص کا تکیۂ کلام ہو۔ اگر یہ کیفیت طالب میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور علومِ رسمیہ سے ایک حرف بھی اُس کو معلوم نہیں تو وہ ایک بڑا عالمِ متبحر ہے اگرچہ اُس کا علم قطرے سے زائد نہیں، اور وہ فلکِ معلومات کا آفتاب ہے ہر چند وہ ایک ذرے سے کم رتبہ ہے۔ نظیر میں ہم اس کیفیت کی ایک اعلیٰ نظیر پاتے ہیں گو اُس نے پڑھا مکتب ہی میں لیکن اُس نے کبھی اپنی آنکھوں کو اُنھی چند ورقوں میں محدود نہیں رکھا۔ وہ مکتب میں بیٹھا ہوا ہی تو سبق کے علاوہ اپنے ہم مکتبوں کے عادات و خصائل پر غور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کررہا ہی۔ کوئی کسی کا مُنہ شرارت سے چڑا رہا ہی تو یہ اُس کے لیے بدرِ چاچ کے ایک دل چسپ چیستانی شعر کا
کام دیتا ہی جس کے مطالب پر آہستہ آہستہ غور کرنے لگتا ہی۔ اور آخر ایک صحیح مطلب ذہن سے پیدا کرکے
رہتا ہی۔ اُستاد پر بیٹھے بیٹھے غنودگی طاری ہوتی ہی اور اس رحمت نشان غفلت سے معصوم ہم سبقوں میں جو
ایک خاص قسم کی مسرّت پھیلتی ہی اور چُپکے چُپکے مختلف مشاغلِ لایعنی اور افعالِ تفریح انگیز و شرارت خیز
کا دفتر کُھل جاتا ہی، تو نظیر کے آگے انسانی طبیعت کا ایک دل چسپ مسئلہ پیش ہو جاتا ہی جس کو بڑی رغبت
سے وہ سُلجھانے لگتا ہی۔ غرض اس قسم کی تعلیم تھی جس کا قیمتی سرمایہ لے کر وہ بازارِ دنیا میں معلومات اور تجربوں
کی خریداری کے لیے وارد ہوا۔

بعض اُستادوں اور شاگردوں کے خاص اخلاق اور عادات

مکتب ہی کے قیام کے زمانے میں نظیر نے اُن تعلّقات پر بھی غور کی جو اُستاد اور شاگردوں کے درمیان
ہوتے ہیں۔ اُستادوں میں اکثر وہ بھی ہوتے ہیں جن کی چلبلی طبیعتوں کو عموماً عشقیہ قطعے پسند آتے ہیں،
اور جن کی چلتی پھرتی ہوئی نگاہیں زیادہ تر حُسن نگار وصلیوں سے لڑی رہتی ہیں۔ ایسے اُستادوں کی
خوش قسمتی سے شاگردوں کے زُمرے میں بھی بعض ایسے منتخبِ روزگار ہوتے ہیں جن کے مُصحفِ رخ کی طلائی
لوح اور مینا کار جدولوں اور نقش و نگار میں کاتبِ قدرت یاقوت رقمانہ صنعتیں صرف کیے ہوتا ہی۔ ایسے
اُستادوں اور شاگردوں کے باہمی برتاؤ ایک ذہین اور فہیم اور تیز ہوش لڑکے کے لیے بیشک نہایت تفریح بخش
اور دل آویز تماشے ہوتے ہیں۔ نظیر نے اس قسم کے بیسیوں تماشے دیکھے تھے۔ بعض محض معصومانہ تھے، اور
بعض کسی قدر نفرت کو بھی جوش میں لاتے تھے۔ خود لڑکوں کے بھی آپس کے برتاؤ بعض وقت بڑے زور سے
اُس کی عبرت شکار نگاہ کو اپنی طرف کھینچتے تھے، اور دیر تک محو تماشا رکھتے تھے۔ وہ ان برتاؤں سے
بھی کبھی مسرّت اور کبھی نفرت حاصل کیا کرتا تھا۔ معصومانہ روشیں میل جول اور اختلاط و ارتباط کی اس کو بھاتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھیں، اور شرارت انگیز فطری چلبلاپن اُس کو خوش آتا تھا۔ لیکن جب کبھی بعض ناپاک خیالات کا فوارہ اُبلتے دیکھتا تھا تو وہ تنفر بھی انتہا ہی ہوتا تھا۔ اِس قسم کے ناہموار لڑکوں سے بات کرنی تو درکنار اُن کا پاس بیٹھنا تک اُس کو ناگوار گزرتا تھا۔ اپنی اسی نفرت کو ہنسی میں ڈال کر بعض نظموں میں نہایت خوش طبعانہ طور پر اُس نے ظاہر کیا ہے۔ اِس نظم میں مدرسے کے علاوہ کسی قدر خانقاہ۔ شیوالے۔ اور مندر وغیرہ کا تجربہ بھی شریک ہے

لڈو ہیں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے ۔۔۔ جو مردِ مُجرّد کے . . . میں مزا ہے

اُس زمانے میں تعلیم میں ریاضت بھی داخل تھی۔ اب کی طرح لوگوں کے خیالات نہ تھے۔ اُس وقت میں مرد کا لفظ آیا اور اُس کے ساتھ سپاہی کا اسوسی ایشن ذہن میں پیدا ہوا (یعنی تمام سروسامانِ سپہ گری ذہن میں خطور کر گئے) - ہر مرد کے لیے ضرور تھا کہ وہ کچھ فنِ کشتی میں دخل رکھتا ہو۔ کچھ پھینک جانتا ہو۔ لُٹھیت ہو۔ گدکے پھری کا شوق رکھتا ہو۔ اکھاڑے میں روزانہ ڈنڈ پیلتا ہو۔ جوڑی ہلاتا ہو۔ تلوار۔ بانک۔ پٹا۔ بلم۔ لیزم۔ کسی ہتھیار کے چلانے میں بند نہ ہو۔ نظیر نے بھی اپنی بساط بموجب کچھ کچھ اِس فن میں مہارت پیدا کی تھی۔ ورزش کی تو اُس کو یہاں تک عادت پڑ گئی تھی کہ ہونے کو بوڑھا ہو گیا لیکن اس معمول کو نہ چھوڑا۔ اخیر عمر میں جب کچھ نہیں ہو سکتا تھا تو فقط دیوار ہی کی ورزش کر لیتا تھا۔ اسی ورزش کی بدولت بڑھاپے میں بھی یہ دم وخم تھے کہ ایک جگہ ارشاد کرتے ہیں:۔

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عُمر اگر ۔۔۔ اور جھریاں سی پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میداں میں زور جا کر ۔۔۔ رُستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے

جن دنوں نظیر کی اُٹھتی جوانی تھی یہ اپنے زور میں کس کو مال موجود سمجھتے تھے۔ زور جوانی کی اُمنگوں میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ دنوں یہ بانکے بھی بنے رہے اور اکثر شہر کے بانکوں کے ساتھ نشست و برخاست اور گفت و شنود رہتی چنانچہ اُس زمانے میں جو اُن کے محاورے اِن کی زبان پر چڑھ گئے تو پھر تا عمر نہ بھولے۔ جہاں کہیں لڑائی یا پہلوانی یا ڈینگ یا تعلی کا ذکر آجاتا ہی تو پھر یہ خاصے بانکے ہیں۔ جن دنوں یہ بانکے تھے اُن دنوں کا حال و یوں تحریر فرماتے ہیں:-

بانکے بھی ہو کے ہم نے اِس دید کو اڑایا ۔ شمشیر اور سپر کو اک عمر گھر کھڑایا
بانک و پٹا و بلم گدکا و لٹھ پھرایا ۔ جھمکا تمھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رو انکھیں لڑا لے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا ۔ سو گلبدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا ۔ اب خوب رو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آگئے ہیں-الخ

پھر دوسرے خیال میں-بانکوں اور سپاہیوں کا ذکر یوں فرماتے ہیں:-

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا اکھایا ۔ بل دار باندھ چیرہ، طرّے کو جگمگایا
کھیتوں میں جا کے کودا، لاکھوں کے تئیں بھگایا ۔ جب منھ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا

یکتا شجاع بہادر صفدر رہا، تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں ہو دل آور ۔ مارے طپنچے بھالے، کھائے کٹار جمدھر
مارا قضا نے بھالا جس دم فنا کا آ کر ۔ پھر مردمی شجاعت سب ہوگئی برابر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خود و سلاح، چلتہ، بکتر ہوا، تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑ کر کھایا بدن میں ٹانکا   مونچھوں کو تاؤ دے کر سوڈوت دھات ہانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا   ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گن ڈار ہا نہ بانکا

تیغا، سپر قرابیں جدھر ہوا، تو پھر کیا

آزادوں کے محاورے میں یہ بند بھی قابلِ ملاحظہ ہے:-

ہر آن کھڑاکے سے اس ڈھب کا لگا کر گڑا   جوسن کے کھڑک اس کی ہو بند سبھی دگڑا
چکتان چڑھا گہرا اور باندھ ہرا گڑا   کیا سیر کی ٹھہرے گی ٹک چھوڑ کے یہ جھگڑا

گونڈی کے نقارے پر خشکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

اس بند میں بھی پہلوانانہ مذاق ہے:-

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلوان جھجھاڑا   پر ایک تل نے اُس کو رگ رگ سے ہی اکھاڑا
جس دم دل و جگر کو سردی نے آن تاڑا   خم ٹھونک یوں ہی ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا

تن پھیر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈو

بلبلوں کی لڑائی اور ریچھ کے بچے کے بیان میں جو بند کشتی سے متعلق آئے ہیں وہ نقل ہو چکے ہیں۔ اُن میں بھی پہلوانانہ مذاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، اور الفاظ و ترکیبیں سب مناسبِ مضمون ہیں۔

پہلوان کا روپ۔ دید بازی کے تماشا گاہ میں بہادری کے رُوپ یوں بھرتے ہیں:-

دیکھا جو حُسن بھاری شہزور یا جبار اڑا   تو پہلوان بن کر کھودا وہیں اکھاڑا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈنڈ پیل بھان مگدر ریزم سے خم کو جھاڑا — اِس پیچ سے ہی گل رو بیٹھے کو دھر پچھاڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ رُوپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لکڑی باز کا روپ:-

جو حسن تھا چمکت قاتل کا مثل گتا — تو لکڑی باز بن کر پھینکا چھری بھی گتکا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتا — راوت ہی بن کے مارا اُس پر بھی اپنا ہتا

سو مکر و فن بنانا- الخ

بانکے کا روپ:-

دیکھا جو حسن بانکا تو بن کے ٹیڑھے بانکے — تیغ و سپر طمنچے باندھے ہیں سب جہاں کے
کر خانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے — ٹانکے تو کھائے، لیکن پھنکے بھی خوب پھانکے

سو مکر و فن بنانا- الخ

خیبر کی لڑائی میں بھی معرکے کو خوب لکھا ہے اور اُس سے بھی پہلوانانہ مذاق ٹپکا پڑتا ہے-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی جوانی

جوانی کا زمانہ ایک ایسا سحر انگیز اور جادو تاثیر زمانہ ہے کہ اُس میں بھدّے سے بھدّے اور سست سے سُست آدمی کے خیالات میں بھی بلند پروازیاں آجاتی ہیں۔ ہر چند بدصورت ہو مگر وہ خواہ مخواہ آئینے کی تلاوت میں مصروف ہوتا ہے۔ بالوں میں ہر وقت تیل پڑتا ہے۔ کنگھی ہوتی ہے۔ بیسن سے مُنھ دھویا جاتا ہے۔ رنگ کی صفائی کی دوائیں تلاش ہوتی ہیں۔ بلاناغہ چوک کی سیر ہوتی ہے۔ دوستوں کا جمگھٹا رہتا ہے۔ تاش ہو رہا ہے۔ چوسر بچھی ہوئی ہے۔ ایک طرف ستار چھڑ رہا ہے۔ دوسری طرف کوئی الاپ رہا ہے۔ قہقہے چھت اُڑا رہے ہیں۔ لطیفوں کی دُھوم کان پڑی آواز سُننے نہیں دیتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جوانی کے آنے سے لڑکپن کے معصومانہ خیالات پر ایک خاص برقی اثر پھیل جاتا ہے۔ اور ایک نئی دنیا نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔ جس طرح آفتاب کے قریب نصف النہار پہنچتے پہنچتے کرنوں میں ایک خاص گرمی اور دُھوپ میں ایک خاص تابانی آجاتی ہے، اُسی طرح جُوانی کے ترقّی کرنے سے خواہشوں میں ایک خاص تیزی، خیالات میں ایک خاص جودت، اور ارادوں میں ایک خاص قوت آجاتی ہے۔ نظیر جس کو ہم ایک غیر معمولی طبیعت کا آدمی ظاہر کر چکے ہیں کیوں کر اِس عموم سے مستثنے ہو سکتا ہے۔ اُس میں بھی تمام وہ خواہشیں موجود تھیں جو جُوانی میں عموماً پائی جاتی ہیں، بلکہ عطیاتِ فطری کے غیر معمولی ہونے سے وہ خواہشیں بھی اُس کی ذات میں اَوروں کی بہ نسبت غیر معمولی تھیں۔ ہر چند وہ، جیسا کہ خود کہتا تھا، کریہ منظر تھا مگر کیا جوانی میں اس کراہتِ منظر نے ایک منٹ کے لیے بھی اُس کو آئینہ دیکھنے سے باز رکھا۔ وہ آئینہ میں معائنۂ جمال کی اس طرح مزاولت کرتا تھا کہ جیسے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی وظیفہ جی وظیفے کی صبح ہوئی ہی۔ بستر سے اُٹھتے ہی اُس نے سرہانے سے آئینہ اُٹھایا ہی۔ خواب کے خ
سے چہرے پر جو ایک خاص اثر پیدا ہوا ہی اُس کو مختلف پہلوؤں سے دیکھتا ہی۔ رومال سے چہرے
کو پونچھتا ہی اور اُس کو ایک ما اُلیقر اُزینہ نفاست پرلے آتا ہی کہ حوائج سے فارغ ہونے اور منھ ہاتھ دھونے تک
دوستوں کو نفرت کی وجہ باقی نہ رہے۔ بلکہ اگر کسی دل میں اُس کی محبت ہو تو وہ اُس خاص خوش
خمار آلودہ حالت کو رغبت اور خوشی کے ساتھ دیکھے۔

ہر چند آغازِ جوانی میں خود بینی اور خود نمائی آئینہ سامنے لائی ہو، لیکن آگے چل کر بلند نظری
کے باعث اُسی آئینے میں اُس کو حُسن اپنی اور خدا نُمائی کے جلوے بھی نظر آنے لگے۔ وہ اپنی
کم زوری کو جانتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ خود بینی اور خود نمائی تھوڑی بہت ہر انسان میں ہی، اور بعض حالت میں اعتدال کے
ساتھ کچھ انسانی سوسائٹی کی زینت اور ترقی کے لیے یہ کم زوری ضروری بھی ہی۔ پس وہ کسی کو انصافاً آئینہ
دیکھنے سے سختی کے ساتھ منع نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لوگوں کو اِس جائز خواہش کے پورا کرنے کی صرف
اجازت ہی نہیں دیتا، بلکہ اُن کو تاکید کرتا ہی اور بتاتا ہی کہ خیال کے کسی قدر بلند کرنے سے اِس ادنیٰ خواہش
سے بھی کتنے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ الانسان عالم اصغر۔ اِس قسم کے
بلند صوفیانہ اور حکیمانہ خیالات کے مخفی معانی پر آئینہ بہت کچھ روشنی ڈال سکتا ہی۔ کہتا ہی:۔

لے آئنے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ — صُورت میں اپنی قُدرتِ پروردگار دیکھ
خالِ سیاہ اور خطِ مشک بار دیکھ — زُلفِ دراز و طُرّۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے؟ جان، ترا پاک صاف دل
اور خال کیا ہیں؟ تیرے سُویدائے رُخ کے تِل
زُلفِ دراز فہمِ رسا سے رہی ہے مِل
لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھِل
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے؟ جان، تری چشمِ خوش نگاہ
اور سرو کیا ہے؟ یہ ترا قدِ دراز، آہ!
گر سیرِ باغ چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ
حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے، واہ واہ!
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیدل نے بھی اس مضمون کو ایک مطلع میں کس لطف کے ساتھ ادا کیا ہے:-

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیرِ سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ، درِ دل کشا، بچمن درآ

نظیر حوائج سے فارغ ہو کر مُنھ ہاتھ دھو کر چوکی کے فرش پر آن بیٹھا ہے۔ گو رومال سے مُنھ پونچھ چکا ہے لیکن اُس کو ہاتھ سے الگ نہیں کیا۔ خدمتگار نے آئینہ سامنے لا رکھا ہے۔ آنکھوں کے گرد کچھ تری رہ گئی ہے اُس کو رومال کے گوشے سے دُور کرتا ہے۔ بھنوؤں کے بال کچھ اُلجھ سے گئے ہیں اُن کو سُلجھاتا اور ہموار کرتا ہے۔ بھیگی ہوئی مسیں مکرر بھیگی ہیں، اور اُن میں دونی بہار پیدا ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر تک نو دمیدہ بالوں کی نوکوں پر پانی کی ننھی ننھی بوندوں کی پُر لطف کیفیت میں وہ ایسا محو ہوتا ہے کہ اُس کے دل سے اُن کے دور کرنے کا خیال بالکل جاتا رہتا ہے۔ پھر وہ اس بیخودی سے چونکتا ہے اور عُجلت کے ساتھ رومال کو مونچھوں تک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لے جاتا ہے۔ چہرے کی صفائی کے بعد وہ اپنے جمال پر مکرّر نظر کرتا ہے اور کتابی چہرے کی کتاب کو نظرِ ثانی سے زیادہ منظورِ نظر بناتا ہے۔ بالوں میں تیل ڈالتا ہے۔ کنگھی سے پہلے اُن کو سلجھاتا، پھر مانگ نکالتا، پھر اُس کی راستی کو آئینے میں جھک جھک کر ایک خاص ادا سے پیشانی میں بل ڈال ڈال کر بھنوؤں کو تان تان کر نگاہ کو سمٹا سمٹا کر دیکھتا ہے۔ اگر مانگ سیدھی نہیں نکلتی، دو دو تین تین دفعہ بالوں کو منھ پر لٹکاتا، جھاڑتا، اور دونوں بھنوؤں کے بیچ سے شہادت کی اُنگلی کو سیدھ میں لے جا کر سیدھی مانگ نکالتا ہے۔ پھر الگنی کی طرف رُخ کرتا ہے۔ شبینہ کپڑوں کو جسم سے دور کرتا ہے۔ نئے کپڑے بدلتا ہے۔ پھر نظر کبھی شانے پر ہوتی ہے کبھی سینے پر۔ چُنی ہوئی آستینیں دامن گل چین بنی ہوئی ہیں۔ چُنے ہوئے دامن سے پھول لپٹے ہوئے ہیں خوش وضعی کے اِس باغ میں بیٹھ کر وہ مُشک بو حقّے سے دماغ کو معطّر کرتا ہے۔ بعض زندہ دل احباب اُس سے ملنے کو آگئے ہیں۔ اُن کے ساتھ بیٹھ کر کچھ ناشتا کرتا ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے نہایت سلیقے پان بنا کر اُن کو بھی کھلاتا ہے آپ بھی کھاتا ہے۔ بات کرتا جاتا ہے اور کبھی کبھی نظر بچا کر ہونٹوں کی مصنوعی سُرخی کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ باتوں میں اس کے لباس و پوشاک سے زیادہ بناؤ ہے۔ ہر فقرہ زعفران زارِ کشمیر ہے احباب ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جاتے ہیں۔ نقلوں پر نقلیں ہو رہی ہیں۔ لطائف کی کوئی انتہا نہیں پھبتیوں کا کوئی شمار نہیں۔ ہر ایک شخص ضلع جگت کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر نظیر کے آگے کسی کی چلتی نہیں۔

شاذ ہی کوئی منحوس دن ایسا ہوتا ہوگا جس میں نظیر کے ہاں احباب تشریف نہ لاتے ہوں۔ کیوں کہ اس کے ہاں خوش گپیوں کی ایسی چاٹ تھی کہ بے عذرِ قوی خوش مذاق اور زندہ دل نوجوان اِس چاشنی کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ لیکن آدمی ہی تو ہے۔ اگر کسی سبب سے کبھی وہ حضرات نہ آتے تو نظیر بہ تقاضائے اُنس مضطر ہو کر خود جاتا۔ اگر گھر میں ملتے تو اُن سے بیٹھ کر وہیں باتیں کرتا، نہیں تو اُن کی خیریت دریافت کر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چلا آتا۔ اور بعض روز اگر نہ جا سکتا تو گھر میں بیٹھ کر کتابوں سے جی بہلاتا۔ کتابیں جو اس زمانے میں اُس کے پیشِ نظر رہتی تھیں اُن سے جُدا گانہ تھیں جو وہ مکتب میں پڑھا کرتا تھا۔ ہر چند مکتب میں بھی بعض دواوین اُس نے پڑھے تھے مگر اب وہ کہاں مزہ دے سکتے تھے۔ کچھ تو جبلت میں عشق و عاشقی۔ اُس پر جوانی کی تائید۔ اب لگا وہ دن رات عاشقانہ پُرجوش خیالات میں محو رہنے۔ باتیں بھی کرتا تو عشق و حُسن کی اور کتابیں بھی پڑھتا تو عشق و حُسن کی۔ مثنویاں وہ زیادہ دیکھتا تھا جن میں عشق و محبت کی داستانیں اُس کے شوق کو اُبھار کر، جُدائی کی مُصیبتوں میں ڈال کر، جذبِ صادق کے اثر سے خیالی طور پر اُس کو وصل کے مزوں سے آشنا کرتی تھیں۔ دواوین کی وہ زیادہ مُزاولت رکھتا تھا جن میں غزلوں کی خیالی بزم میں اُس کو معشوق سے نِت نئے طریقے سے مُکالمے کا لُطف حاصل ہوتا تھا۔ وہ ہر شاعر کو اپنے دلی خیالات کا ترجمان پاتا تھا۔ بازار گیا ہے۔ کوئی حسین عورت اُس کو نظر آ گئی ہے۔ اُس کی نرگسی آنکھیں اُس کے دل کو تڑپا گئی ہیں۔ گھر میں دیوانوں کی ورق گردانی کرتے کرتے وہ دیکھتا ہے کہ کسی غزل میں ہو بہو اُسی حسین کی رنگیں تصویر کھینچی ہوئی موجود ہے۔ کسی شب کو کسی جادو نظر کے حُسن کی یاد میں شب کی تنہائی نے اُس کو بہت ستایا ہے اور اُس کی آنکھوں سے مایوسی کے جھونکوں نے نیند کو اُڑایا ہے۔ وہ دوسرے ہی دن صُبح کو اُٹھ کر اپنی تمام رُوداد شبینہ کسی شاعر کی بیاض میں بعینہ قلم بند پاتا ہے۔ اس زمانے تک اُردو کی شاعری نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی۔ گو سودا اور میر مطلعِ شُہرت پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے تھے لیکن فارسی کے شعرا کے آگے اِن کا چراغ جلنا مُشکل تھا۔ اُردو کے گنتی کے دو چار شاعر فارسی شُعرا کی ایک پُوری رجمنٹ کو کیوں کر بھگا دے سکتے تھے۔ اُردو دیوانوں کے ہزار دو ہزار ورق دواوینِ فارسی کے کُتب خانے پر کیوں کر غالب

ہم تجھ سے اِسی روز کو روتے تھے نظیر، آہ! کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آسکتے تھے۔ حُبِّ وطن، جدّت پسندی، اور تفنّن کی وجہ سے گو اُردو کے اُستادوں کا کلام بھی لوگ دیکھتے تھے لیکن شیراز کی خلّر[۱] کے آگے ہندوستان کے ٹھرّے[۵۲] کا رنگ کب جم سکتا تھا۔ نظیر کی مُزاولت میں اُس زمانے میں زیادہ تر اِس قسم کی کتابیں رہتی تھیں۔ خمسۂ نظامی۔ خمسۂ جامی۔ خمسۂ خسرو۔ دیوانِ حافظ۔ دیوانِ وحشی۔ دیوان خسرو۔ نل دمن۔ دیوان نور العینِ واقف۔ دیوانِ نظیری۔ دیوانِ بیدل۔ دیوان ہلالی۔ دیوانِ سعدی دیوان صائب۔ دیوانِ ناصر علی۔ کلیاتِ نعمت خانِ عالی۔ دیوانِ انوری۔ ظفر نامۂ ہاتفی۔ لیلیٰ مجنونِ ہاتفی۔ وغیرہ وغیرہ۔

کبھی کبھی وہ تفنّناً اُردو کے شُعَرا کا کلام بھی دیکھ لیتا تھا۔ جو اشعار یا غزلیں اُس کو پسند آتی تھیں اُن کو زبانی کر لیتا تھا اور اکثر بزمِ احباب میں اُن کی مدد سے حُسنِ بیان کو چمکاتا اور اپنے دلی خیالات کو پُر زور طور سے بیان کرتا تھا۔ دیوانوں میں چوں کہ اکثر ایک ہی مضمون کی بار بار تکرار ہوتی ہی۔ کہیں سیکڑوں ورق اُلٹنے کے بعد کوئی نیا مضمون یا نیا خیال دکھائی دیتا ہی اِس لیے دیوان کا دیکھنا کوئی بہت دل چسپ کام نہیں ہی دو چار دیوانوں کے دیکھنے کے بعد طبیعت تکرارِ مضامیں سے گھبرانے لگتی ہی اور آخر تفنّن پیدا کرنے کے لیے کسی اور شاخِ ادب کی طرف جُھکنا پڑتا ہی۔ مثنویوں میں گو دواوین کی طرح ایذا رساں تکرار نہیں۔ لیکن غور کرو تو وہ بھی ڈھلی ہوئی سب ایک ہی سانچے کی ہیں۔ مضامین گو کتنے ہی مُختلف ہوں مگر کنیڈا سب کا ایک ہی ہی۔ وہی حمد، وہی نعت، وہی سراپا۔ وہی فراق۔ وہی عاشق کے مصائب۔ وہی مُصیبت کے بعد وصال۔ ہر مثنوی میں اُنھی مضامین کو تھوڑے تفاوت سے کون ذہین اور طبّاع آدمی لذّت اور خوشی کے

۱ شیراز میں خلّر ایک قریہ ہی۔ وہاں کی شراب بہت عمدہ ہوتی ہی۔ قاآنی نے اپنے قصائد میں اِس شراب کا اکثر ذکر کیا ہی۔

۵۲ ٹھرّا۔ دیسی اور خراب شراب۔ کم نشّے کی گھٹیں اور سستی شراب جسے چمار خاکروب وغیرہ پیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ساتھ دیکھ سکتا ہی؟ پھر مزہ یہ کہ ایک ہی قصّے کو مُختلف اساتذہ نے قلم بند کیا ہی۔ گو ہر ایک کے بیان میں اُس کی خُصوصیّتِ خیالی کی وجہ سے کوئی خاص لُطف ہو لیکن مضامین میں کوئی خاص جدّت یا اضافہ نہیں۔ چچوڑی ہڈیوں کو نمک مرچ لگا کر کر کون چچوڑ سکتا ہی۔ خُلاصہ یہ کہ مثنویاں بھی دس بیس کے بعد اجیرن ہو جاتی ہیں۔ انھی اسباب سے نظیر کی اسٹڈی لہ میں کبھی کبھی بڑی بڑی قصّے کی کتابیں بھی کُھلتی تھیں۔ وہ عمرو عیار کی عیاریوں کو ضرب المثل کے طور پر سُنتا تھا۔ امیر حمزہ کی داستان کا ہاتھ آنا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ کسی دن وہ اس کتاب کو لے آیا ہی۔ شوق کے ہاتھوں سے کھولتا ہی۔ تفریح کی نگاہ سے دیکھتا ہی۔ کبھی اظہارِ حیرت کرتا ہی۔ کبھی متاسّف ہوتا ہی۔ کہیں مُسکرانے لگتا ہی۔ کہیں کِھلکِھلا کر ہنس پڑتا ہی۔ الف لیلہ کی شُہرت سے بھی اُس کے کان بھرے تھے۔ کہیں سے فارسی نُسخہ لے آیا ہی اور عربی خیالی پرستان میں عشق و عاشقی کی ایک وسیع اور پُر بہار اور حیرت انگیز آبادی پاتا ہی۔ گو بہت سی بستیاں ہیں لیکن ایک دوسرے سے اُن کی سرحد اس طرح ملی ہوئی ہی کہ معلوم ہوتا ہی یہ کُل بستیاں ایک ہی شہر کے مُختلف آباد اور پُر رونق محلّے ہیں۔ کُتُب بینی کے مُسافر کو اصلاً امکان نہیں ہوتی اور اس آسانی سے اِس بڑی آبادی کے ہر گوشے کی سیر کر لیتا ہی گویا وہ تختِ سلیمان پر سوار تھا۔ حضار منکوس کی پُر منفعت شُہرت اُس کو بوستانِ خیال کی طرف لے جاتی ہی اور خیال کی طلسمات آفرین قوّتِ نامیہ اپنے سرسبز گُل بوٹوں کی بہار دکھاتی ہی۔

چوں کہ دہلی میں پیدا ہوا ہی جہاں ہر در و دیوار سے آثارِ صنادیدِ عجم پیدا ہیں بقولِ عُرفی ؎ از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ ✤ آثار پدیدست صنادیدِ عجم را ✤ اُس کو طبعی طور پر سلاطین کے کارناموں کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہی۔ فیروز شاہ کی لاٹ دیکھتا ہی۔ کیوں کر نہ پوچھے کہ فیروز شاہ کون تھا؟ شاہجہاں کی جامع مسجد

لہ وہ کمرہ جو کتب بینی اور مشاغلِ مطالعہ کے لیے مخصوص ہو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیکھتا ہی کیوں کر نہ پوچھے اِس کا بانی کون تھا؟ - قطب کی لاٹ - حوضِ شمسی - ہمایوں کا مقبرہ ان میں سے ہر ایک
پُکار پُکار کر اُس کو تاریخ کی طرف بلا رہا ہی -

انشاے ابو الفضل - رُقعاتِ عالمگیری - وغیرہ نیم تاریخی کتابوں کا تعلق کچھ پیشتر سے اُس کے دل میں
آہستہ آہستہ تاریخی دُنیا کا شوق پیدا کرچکا تھا - جوانی میں وہ شوق قوت پکڑ کر اُس کو تاریخی کوچے میں تلاش
وتفحص کے پانوؤں سے دوڑاتا ہی - ابو القاسم فرشتہ سے ملتا ہی - جہانگیر سے ملاقات کرتا ہی اور اُس کی زبان
اُس کے حالات سُنتا ہی - تیمور سے ہم کلام ہوتا ہی اور اُس کے عجیب و غریب خوابوں اور اُس کے متعلق بزرگان
دین کی مختلف کرامات اور پیشین گوئیوں پر عش عش کرتا ہی - گو اُن قصے کہانیوں کی طرح یہ کتابیں ہر جگہ چنداں
دل چسپ نہیں، لیکن جہاں واقعات معمولی سطح سے بلند ہونے لگتے ہیں تو خیالی آنکھوں کو ایک خاص لطف
حاصل ہوتا ہی - گویا بڑے بڑے واقعات اُس خوش نمائی سے چشمِ متخیلہ میں نظر آتے ہیں جیسے مسلسل چوٹیاں خوش نُما
پہاڑوں کی ہوں جو دور سے اپنا سُرمئی جلوہ دکھاتی ہوں - ہر چند ابتدا ایسی انقلابات سلطنت سے وہ چنداں
عبرت حاصل نہیں کرتا - زیادہ تر وہ عشق و محبت کے قصوں کی تلاش میں رہتا ہی - جہانگیر کے عہد کو اُس مقام
پر زیادہ شوق سے پڑھتا ہی جہاں اُس کے عشقی تعلقات نور جہاں سے پیدا ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ ترقی کرکے
ایک رنگین افسانہ ہو جاتے ہیں - علاء الدین کے دور کو وہ اُس مقام پہ زیادہ دل چسپی سے مطالعہ کرتا ہی جہاں
وہ چتور گڑھ کی رانی کو اپنے قبضے میں لایا چاہتا ہی - یا جہاں اُس کا بیٹا خضر خاں دول رانی کے ساتھ عشق کی
شطرنج کھیلتا ہی اور مشکل مشکل چالیں چلتا ہی - لیکن کچھ نہ کچھ اُس کا دل عبرت سے ضرور متاثر ہوتا ہی چنانچہ اُس
دہی تخمِ عبرت آگے چل کر شاداب کو پلیں نکال لاتے ہیں اور نشو و نما پاکر جاں فزا بہار
دکھاتے ہیں :-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

گرشاہ سر پہ رکھکر افسر ہوا، تو پھر کیا؟ اور بحر سلطنت کا گوہر[ف۱] ہوا، تو پھر کیا؟
ماہی، علم، مراتب، پُر زر ہوا، تو پھر کیا؟ نوبت، نشان، نقارہ در پر ہوا، تو پھر کیا؟
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا، تو پھر کیا؟

کیا رکھ کے فوج، لشکر کی سلطنت پناہی پھیری دُہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی
جب آن کر قضا کی سر پر پڑی تباہی پھر سر رہا نہ لشکر، نہ تاج بادشاہی
دارا، جم و سکندر، اکبر ہوا، تو پھر کیا؟

یا ذات میں کہائے نامی، اصیل، ذاتی جمشید فر کے پوتے، نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثلِ دولہا اور فوج تھی براتی جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی
ملک و مکاں، خزانہ، لشکر ہوا، تو پھر کیا؟

یا راج بنسی[ف۲] ہو کر دُنیا میں راج پایا چتوڑ گڑھ[ف۳]، ستارا[ف۴]، کالنجر[ف۵] آ بنایا
جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا
گڑھ، کوٹ، توپ، گولہ، لشکر ہوا، تو پھر کیا؟

ف۱ اس مصرعے میں علی گوہر کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ علی گوہر شاہ عالم کا نام تھا۔

ف۲ راج بنسی شاہی خاندان کا آدمی۔ راجہ کے خاندان کا۔ راجپوت قوم کا نام۔

ف۳ چتوڑ گڑھ اودے پور میں ایک مقام ہے۔ یہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان قائم ہوا جو غایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب نسب خیال کرتا ہے اور سورج بنسی کے لقب سے ملقب ہے۔ اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام کی اولاد سے جانتے ہیں۔ سب سے پہلے چتوڑ گڑھ کے قلعے پر ناموں نے حملہ کیا۔ اُس کا حملہ ناکام رہا۔ علاؤالدین نے حملہ کر کے اُس پر فتح حاصل کی۔ اُس فتح کے بیسیوں قصے بن گئے ہیں اُنھی میں آلا اودل بھی ہے۔ دوسری فتح اکبر نے حاصل کی۔

ف۴ ستارہ وہ جگہ ہے جہاں رام راجا قلعہ جنجی سے بھاگ کر متحصن ہوا تھا۔ اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۹۹ء میں بذاتِ خاص اُس کا محاصرہ کر کے چوتھے مہینے میں فتح کر لیا۔ تاریخ فتح ستارہ اپریل سنہ ۱۷۰۰ء ہے۔

ف۵ کالنجر بوندیل کھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ جس کے محاصرے میں شیر شاہ کی جان گئی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتنے دنوں یہ غُل تھا، نواب ہیں، یہ خاں ہیں — یہ ابن پنجہزاری، یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال منصب گو آج ان کے ہاں ہیں — دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام نہ نشاں ہیں

دو دن کا بشور اچرچا گھر گھر ہوا، تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی دیکھو، یہ ہیں امیر[۵۱] خاں جی — اور یہ ہیں خانخاناں، اور یہ ہیں شیر خاں[۵۲] جی
پنجہ اُٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی — پھر کس کے میر خاں جی، کس کے وزیر خاں جی

عمدہ، غنی، تونگر، بازر ہوا، تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہی نامدار خاں کا — یہ پالکی، یہ ہاتھی ہی ذوالفقار خاں[۵۳] کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں[۵۴] کا — خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

چھپان[۵۵]، میگ ڈنبر دریپہ ہوا، تو پھر کیا؟

کہتا ہی کوئی ڈیوڑھی ہی خان ہنبر کی — یہ باغ یہ حویلی ہی مخلدار خاں[۵۶] کی
جب راج نے قضا کی کرنی بسولی[۵۷] ٹانکی[۵۸] — اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی

رنگیں محل، سنہرا گھر، در ہوا، تو پھر کیا؟

۵۱ امیر خاں محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا۔ عمدۃ الملک اس کا خطاب تھا۔ بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا۔ اس کے سیکڑوں لطائف مشہور ہیں۔ وہ پوت سپوت کپوت والا لطیفہ بھی اسی کا ہی جس میں محمد شاہ کے سوال پر خود بدولت کو توپوت قرار دیا برہان الملک کو سپوت اور اپنے تئیں کپوت۔
۵۲ شیر خاں ایک عالی خاندان افغان تھا۔ ہندوستان کے سلاطین اسلامیہ میں خاندان سور کا قائم کرنے والا یہی ہی۔ ہمایوں کے مقابلے میں لڑا اور مختلف لڑائیوں میں اس کو شکست دے کر ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پانچ برس اس نے نہایت دھوم دھام سے سلطنت کی (از سنہ ۱۵۴۰ء تا سنہ ۱۵۴۵ء) چتوڑ فتح کر چکا تھا۔ کالنجر کی فتح کی طیاریاں تھیں کہ قضا کی میگزین نے اس کے دھوئیں اُڑا دیے۔
۵۳ ذوالفقار خاں اورنگ زیب کا نہایت ہی چست و چالاک اور قابل سپہ سالار تھا۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں قلعہ جنجی اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا۔
۵۴ تیس مار خاں اصل میں وہ آدمی جس اکیلے نے تیس کو مار کر خطاب خانی حاصل کیا ہو۔ تُرم خاں۔ تُرم باز۔
۵۵ چھپان ایک قسم کی عماری نما پالکی جس کا سر دپہاڑوں پر رواج ہی۔
۵۶ دلی میں مخلدار خاں کا باغ شہر کے باہر مجھاؤنی میں واقع ہی جیسا کہ غالب کے ایک فارسی کے رقعے سے ظاہر ہوتا ہی۔
۵۷ بسولی اینٹیں گھڑنے کا اوزار۔ تیشۂ معمار۔
۵۸ ٹانکی سنگ تراشوں کے ایک اوزار کا نام۔ ٹرخانی۔ چھینی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا / مُہریں بڑی کُھدائیں سکہ بڑا بنایا
جب آن کر فنا نے نام و نشاں مٹایا / وہ نام اور وہ سکہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا
دو دن کا مُہر، چھاپا در پہ ہوا، تو پھر کیا؟

جاگیر میں کسی نے زر ریز مُلک پایا / کر بندوبست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لیکن سندِ اجل کا جب فوج دار آیا / اک دن میں حکم و حاصل سب ہو گیا پرایا
ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا، تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی لشکر ہی طرہ باز خاں کا / یہ خیمہ شامیانہ ہے شہنواز خاں[51] کا
آیا کٹک[52] اجل کے جب یکہ تاز خاں کا / سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں[53] کا
سردار سپہ بخشی بڑھ کر ہوا تو پھر کیا؟

محض تاریخی خشک دفاتر سے اُکتا کر کبھی کبھی وہ شاعرانہ تاریخی تصانیف کی طرف بھی رُخ کرتا ہے جن میں واقعات کے ضمن میں واقعاتِ عجیبہ اور معارکِ غریبہ کا ایک شاعرانہ دلچسپ پیرایے میں ذکر ہوتا ہے اور جن میں اکثر اوقات واقعاتِ تاریخی سے زیادہ واقعاتِ عشقیہ چمکائے جاتے ہیں اور رزم سے زیادہ بزم رنگیں کر کے دکھائی جاتی ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ تاریخ اور ادب دونوں کا مذاقِ مشترک رکھ کر جوانی کے پُر جوش زمانے میں شاہنامے کی رنگین اور دل کش داستانوں سے باز رہا ہو۔

۵۱ شہنواز خاں ناصر جنگ والیِ ریاستِ حیدر آباد کا وزیر یا مدار المہام تھا۔ غلام علی آزاد کا معاصر ہے۔ علمی قابلیت خاصی رکھتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی اُس کو ذوق تھا۔ ایک شہنواز خاں عبد الرحیم خانخاناں کا بیٹا بھی تھا۔

۵۲ کٹک فوج۔

۵۳ سرفراز خاں شجاع الدین کا بیٹا اور مرشد قلی خاں کا پوتا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں باپ کا جانشین ہوا۔ نادر شاہ کا حملہ بھی اسی زمانے میں ہوا تھا۔ جب وہ ہند سے لوٹ مار کر چلا گیا تو علی وردی خاں صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے دے کر بنگالے کی صوبہ داری کی سند حاصل کی۔ حصولِ سند کے بعد فوج لے کر مرشد آباد پر چڑھ آیا۔ سرفراز خاں گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خاں اُس کی جگہ تخت پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا اور حسبِ عہد دہلی کو ایک کرور نقد اور ستر لاکھ کے جواہرات بطور نذر روانہ کیے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کُتب بینی ہو اور جُوانی کا زمانہ، پھر جوانوں کے مذاق کی نہایت شوخ رنگیں کتابیں بعض اوقات تخلیہ میں کھلیں محض تعجب ہی تعجب ہی۔ ہر چند بطورِ درس بہارِ دانش کے کچھ اجزا پڑھ گیا ہی لیکن اُس کی تمام حکایتیں ہنوز اُس کی نظر سے نہیں گُزریں۔ اور اگر گزری ہیں تو اُن کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اب اُس کتاب کو پھر نکالتا ہی اور عورتوں کے چیترؔ[1] کی حکایتوں کو غور سے پڑھتا ہی۔ رات کا آنا اور دن کا جگمگانا اسی ایک مضمون کو ہر جگہ ایک نئے طور پہ پاتا ہی۔ وصال کی حالت کی تعبیر مختلف دل چسپ اور دل آویز کنایوں میں معاینہ کرتا ہی۔ ان فقرات کو مزہ لے لے کر پڑھتا ہی اور گوہرِ بے بہا سمجھ کر حافظے کے بکس میں محفوظ طور پر رکھ لیتا ہی۔ وہ چیتر کی حکایتوں کو اپنے احباب کی محفل کے گرم کرنے کو یاد رکھتا ہی اور اُن کو بعض اوقات موقع سے بیان کر کے اُن کو حیرت میں ڈال دیتا ہی اور کبھی بعض ذہین دوست سے کوئی چیتر کی تازہ نقل بھی سُن لیتا ہی اور پھر دیر تک مزے مزے کی باتیں ہوتی ہیں۔ ذکر ہی ذکر میں دوسری اسی قسم کی کتاب کا حال معلوم ہوتا ہی یہ مُشتاق ہوتا ہی اور بڑے اصرار سے اُس کی کسی دوست پر فرمایش کرتا ہی۔ اِسی طرح آئے دن ایک نہ ایک نئی کتاب رنگین مذاق کی اُس کے ملاحظے میں گزرتی ہی۔ اور رنگین علمِ مجلس کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اُس کے پاس جمع ہو جاتا ہی۔

اِس قسم کی کُتب بینی کا اثر اُس کے کلام کے بعض حصّے پر بہت نُمایاں طور پر پھیلا ہوا ہی۔ وصل۔ استمنا خلاص۔ آندھی۔ نارنگی۔ بعض ہولی۔ ازار بند۔ رم چیرا اور کالیسنا وغیرہ اِسی قسم کے کلام میں داخل ہیں۔

اس سے زیادہ ہم نظیر کو اسٹڈی میں بند رکھنا پسند نہیں کرتے۔

[1] چیتر۔ چلتر فریب مکر چال چھل چھل ٹبا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتنا ہی شوقِ علم کیوں نہ ہو لیکن اُس سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ دن رات ورق گردانی ہی میں مصروف رہے گا۔ کھانے کا وقت آگیا ہی۔ آخر وہ کچھ کھایا بھی چاہے۔ روٹی دال سامنے آتی ہی اور پیٹ میں پڑ کر آنکھیں سی کھول دیتی ہی۔

جب ملی روٹی ہمیں سب نو بہ حق روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق، روشن ہوئے
رات دن شمس و قمر، شام و شفق روشن ہوئے
اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق، روشن ہوئے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خانی، کلچہ، شیرمال
یہ جو روٹی دال کا گردن میں ہم رکھتے ہیں جال
ہیں وہ خاص الخاص درگاہِ کریم ذوالجلال
جب ملی روٹی وہیں ہم ہو گئے صاحب کمال

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

*
* *

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہی خمیر
یا پتلی ہووے موٹی، خمیری ہو یا فطیر
رُوکھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہی شہد و شیر
گیہوں، جوار، باجرے کی جیسی ہو، نظیر

ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

خوابِ نیم روز سے وہ ہوشیار ہوا ہی۔ مُنھ ہاتھ دھو کر پھر بارِ ثالث آئینے کنگھی سے ملاقات کر رہا ہی منتظر ہی کہ تمازتِ آفتاب میں کمی آئے تو پوشاک بدل کر سیرِ بازار کو نکلے۔ بہ تدریج دو تین یار آشنا بھی پاس پڑوس سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آ گئے ہیں۔ گیتیں چھڑ گئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بڑے بڑے زور سے ہنسی کی آواز بلند ہوتی ہے۔ لیجیے آفتاب اب مغربی اُفق سے بہت قریب ہے۔ دھوپ میں زردی آگئی ہے۔ وہ تیزی باقی نہیں رہی۔ شوقین جوڑے ایک ایک دو دو کر کے اپنے گھر سے بن سنور کر نکل رہے ہیں۔ نظیر بھی بعض ہم مذاق زندہ دل دوستوں کے ساتھ ایک خاص شان سے نکلا ہے۔ گو لباس میں جوانی کے مذاق نے کچھ تکلف کیا ہے مگر اس تکلف میں بھی ایک سادگی ہے۔ سڑک پر جا رہا ہے کہ ایک طرف سے ایک نالکی چلی آرہی ہے۔ 'ہٹو، بڑھو' کی آواز بلند ہے۔ کوئی امیر بڑی شان سے اُس کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نوکر صراحی حقہ لیے جلو میں دوڑے آتے ہیں۔ امیر صاحب کے مُنحنی قویٰ اور نالکی کی ہیئت کذائی پر اُس کو نعمت خانِ عالی کی وہ مشہور پھبتی یاد آتی ہے۔ دوستوں کا خیال وہ اُس نقل کی طرف پھیرتا ہے۔ اور آپ بھی ہنستا ہے اور اُن کو بھی ہنساتا ہے۔ جوہری بازار سے اُس کا گزر ہوتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے مہاجن اور سیٹھ اپنی اپنی دُکانوں میں بیٹھے بہی کھاتا پھیلائے ہوئے ہیں۔ اُن کے چھوٹے چھوٹے بچے گورے گورے ہاتھوں میں سونے کے کڑے، کانوں میں بالی جھمکائے اُن کے پہلو میں بیٹھے اپنے کسی معصومانہ کھیل میں مصروف ہیں۔ یا کسی اپنے ہمجولی کے ساتھ اُچھل کود رہے ہیں۔

کتنے اسی بازار میں زر کے ہی پیشہ دار ہیں	بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں، زر کے لگے انبار ہیں
سب لوگ کہتے ہیں انھیں یہ سیٹھ ساہوکار ہیں	
ہیں فرش کوٹھی میں بچھے تکیے لگے ہیں زرفشاں کچھ پیٹھ کچھ پر پیٹھ کی آتی ہیں باتیں درمیاں	بہیاں کھلی ہیں سامنے، لکھتے ہیں لکھی کار داں لاکھوں کے لکھتے درشنی، سو سیکڑوں کی ہُنڈیاں

۵۱ پیٹھ = مثنّے۔ نقل۔ گم شدہ ہنڈی کی نقل۔

۵۲ پر پیٹھ = ثمنّے کی نقل۔ دوسرا ثمنّے۔ گم شدہ ہُنڈی کی تیسری نقل۔ تیسرا روپنہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا کیا متی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں

کچھ مول کا مذکور ہے، کچھ بیاج[۵۱] کا ہی کھٹکھٹا
دلال ہنڈی بیچتے، باہمن پڑے کہتے سد ہو سوا

پھیلا و میں تیرج[۵۲] کی، بیجک[۵۳] کا چرچا ہو رہا
آڑت بٹھاتے ہر جگہ، چٹھی لکھانے جا بجا

کچھ رکھنے والے کے پتے، کچھ جوگ[۵۴] کے اقرار ہیں

تھوڑی سی پونجی جن کی ہے بیٹھے ہیں وہ بھی لے کے پال
اور جو ہیں خدمٹ پونجیے، وہ کوڑیوں کی تھیلیاں

ادھر ٹکے دس بیس کے اودھر دھری ہیں کوڑیاں
کام ہون پہ رکھ جاتے ہیں واں لگتی جہاں ہیں گدڑیاں

دیکھا تو یہ سب پیٹ کے دھندے ہیں اور بستار[۵۵] ہیں

اسی بازار میں ایک طرف سے ایک نہایت بانکے ترچھے سپاہی بل دار چیرہ باندھے، اور اس پر طرہ جگمگائے ہوئے ایک بانکے کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ دونوں زمین پر اس غرور کے ساتھ قدم رکھتے ہیں جیسے رستم کے پوتے ہوں۔ ایک ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ رہا ہے تو دوسرا لقا کبوتر بنا ہوا ہے۔ زمین کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ بانکے صاحب الگ مونچھوں کو تاؤ دے رہے ہیں سپاہی صاحب الگ ڈاڑھی کو چڑھا رہے ہیں۔ وہ اگر خانہ جنگی لڑ کر بدن میں ٹانکے کھانے کا ذکر کر کے دوت دات ہانکتا ہے، تو یہ کھیتوں میں جا کودنے اور لاکھوں کے تئیں بھگانے اور پھر بے داغ نکل آنے کا تذکرہ کر کے تعلی کی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے۔

۵۱ بیاج وہ اضافہ جو ایک جنس کے بدلے میں اسی جنس سے لیا جائے جیسے روپے کے بدلے روپیہ۔ پیسے کے بدلے پیسہ۔ گیہوں کے بدلے گیہوں کا زیادتی کے ساتھ مبادلہ ہو۔ مسلمان اس کو بیاز بولتے ہیں۔
۵۲ تیرج ایک مطول اور مفصل فرد حساب کا خلاصہ۔
۵۳ بیجک وہ کاغذ جس میں مال کی تعداد خرچہ قیمت خرید اور تفصیل درج ہو۔ روانہ شدہ مال کی فہرست یا فرد۔
۵۴ جوگ = وہ شخص جس کے نام ہنڈی کی جائے۔
۵۵ بستار = پھیلاؤ۔ وسعت فراخی۔ کشادگی۔ طول کلامی۔ تفصیل۔ تشریح (عورتیں بالضم بولتی ہیں) پھیلاوٹ = تقسیم عمل بانٹ۔ حساب کا عمل یا حل۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر ان کی لمبی چوڑی باتیں سُن کر مسکراتا ہی۔ چلتے چلتے وہ آخر ایک ایسے مقام میں پہنچا ہی جہاں ورویہ ہر درجے اور مرتبے کی قُمریاں اپنی اپنی کابکوں میں بیٹھی لوگوں کو اپنی اداؤں سے رجھا رہی ہیں۔ کسی کا کوئی معزز آشنا سامنے سے گھوڑا کُدا کر نکل گیا۔ کسی کا کوئی دل لگی کا یار اکڑ بل دکھا کر چلا گیا۔ جانے پہچانے لوگوں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہو رہی ہیں۔ کسی بُڑھیا نائکہ نے وسعتِ اخلاق سے کسی پُرانے ملاقاتی کو چھجّے کے نیچے پُکار کر ٹھہرالیا ہی۔ مزاج پُوچھ رہی ہیں۔ اُن کے مدّتوں سے نہ آنے کی شکایت فرما رہی ہیں۔ "آپ تو عید کا چاند ہو گئے۔ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں۔ ہم غریبوں کے ہاں کیوں آنے لگے۔" بڑے میاں معذرت کرتے جاتے ہیں۔ تردداتِ دُنیاوی کا ایک دفتر کُھل گیا ہی۔ "لڑکا بیمار تھا۔ خدا کے گھر سے پھرا ہی۔ بھائی پر ایک مقدّمہ دائر ہو گیا تھا۔ مہینوں میں اُس سے نجات ہوئی۔ خود میں مسہلوں کے عذاب میں تھا۔ جب سے وہ مرضِ مُبارک ہوا چیت کے چیت مُسہل لینا پڑتا ہی۔ نہ لوں تو تمام بدن پھوڑے پُھنسیوں سے بھر جائے۔ ایک عذاب میں ہوں۔" ایک دوسرے کوٹھے پر ایک دوسرا اسین ہی۔ چند نوجوان چھوکریاں جمع ہیں۔ ایک ایک اُن میں کی آفتِ روزگار ہی۔ اِن کے بیچ میں ایک مُضحک صُورت کے پُرانے بوالہوس بیٹھے ہوے ہیں۔ زمانہ جُوانی میں اُنھوں نے بہت عیش کیا ہی اور اپنی دولت بھی اسی عیش میں پھونک ڈالی ہی۔ بُڑھاپے میں نہ عیش کی قوّت ہی نہ سامان۔ مگر چسکا پڑا ہوا ہی۔

بوڑھے ہوے، پر حُسن کی چاہت نہیں چُھٹتی / اور دل سے بھی محبوب کی اُلفت نہیں چُھٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذّت نہیں چُھٹتی / سب چُھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چُھٹتی

بے ویسی صحبت کے جی کیوں لگنے لگا۔ معمول بموجب آ گئے ہیں۔ چھوکریوں کو ایک خاصہ مضحکہ ہاتھ آیا ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

منھ دیکھتے ہی کہتی ہیں سب "آو بڑے جی
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
کیا آئے ہو یاں کرنے کو پیری و مریدی؟
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

کھینچے ہے کوئی ہاتھ، کوئی پکڑے ہے لکڑی
اٹپے کہیں، اور موچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی
ڈارھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

نقلیں کوئی اُن پوپلے ہونٹوں کی بناوے
چل کر کوئی کبڑے کی طرح قد کو جھکا دے
ڈارھی کے کنے اُنگلی کو لا لا کے نچاوے

نظیر اُس بازار سے گزرتا ہے جہاں خربزے اور جالیوں کا انبار لگ رہا ہے۔ آموں کا ڈھیر ہے۔ ہندوؤں کی عورتیں بڑے گھیر کا لہنگا۔ چولی پہنے۔ دُلھن کی طرح گھونگھٹ نکالے، ایک خاص ادا سے چھم چھم کرتی ہوئی خریداری کے لیے آ جا رہی ہیں۔ اُن میں بعض کی حسین کلائی اُس کے دل میں شوق کی گدگدی پیدا کرتی ہے۔ خمار آلودہ آنکھوں کی گھونگھٹ کے اندر سے ترچھی آڑی نگاہیں تیرِ نیم کش بن کر جگر کے پار ہوتی ہیں۔ نظیر گو اُن سے نہیں کہتا مگر دل ہی دل میں سَو دفترِ شوق لکھ چلتا ہے۔ اور بار بار اُس کی طبیعت کے پُر جوش بحر میں یہ شعر عالمِ حسن طلب میں موزوں ہوتا ہے:-

اک دم کو آ گئے ہیں منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

بازار میں ایک گوشے میں گاہکوں کا بہت ہجوم ہے۔ کوئی رنگیلی کنجڑن چٹکیلی پوشاک پہنے نارنگیوں کا بیوپار کر رہی ہے۔ نارنگیوں سے زیادہ لوگ اس کی نارنجی پوشاک اور رسیلی آنکھوں پر لٹو ہیں۔ وہ شوخ بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنی آنکھوں کی ترازو میں نہایت پھرتی سے لوگوں کے شوق کو تول رہی ہی۔ ہر کو اُس کے اشتیاق کے مطابق نارنگی دکھاتی ہی۔ کبھی بے ساختگی سے آنچل ڈھلک جاتا ہی۔ کبھی کسی چیز کے اُٹھاتے وقت آپ سے انگیا چڑھ جاتی ہی۔

سامنے اپنے وہ بازار سا گونوں کا لگا — دم بدم چھیڑ سے کہتی ہی یہ انگیا کو دکھا:
"تم نے پیسے کی کبھی ہم سے نہ لی نارنگی"

روز کی ہواخوری اور سیرِ بازار نے نظیر کی معلوماتِ حُسن و عشق میں ایک خاص وسعت پیدا کی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ حُسن کی کہربائیت کم و بیش ہر جگہ پھیلی ہوئی ہی اور تھوڑی بہت اِس کی نکیلی چوٹ ہر دل کو لگتی ہی وہ کبھی کبھی جھونپڑوں سے بعض ایسی صورت کو جھانکتے دیکھتا تھا جس سے نوابوں اور امیرزادوں کے دلوں میں ہل چل مچ جا سکتی تھی۔ وہ بعض اوقات سنتا تھا کہ بعض بیگمات جھروکے سے جھانکتے جھانکتے کسی کی اُلفت کی جھونک میں کسی جھونپڑے میں جا براجیں۔ باپ کالے کوسوں اپنی نوکری کے جھگڑوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ ماں پردے کی بیوی اُس کو باہر کی کیا خبر۔ میاں نظیر پہ جوانی کی آفت سوار۔ ایک پلٹن نوجوان دوستوں کی ہر وقت زیرِ کماں۔ دن رات شہرِ عیش و تفریح پہ دھاوے رہتے تھے۔ آدمی شب و روز میدانِ کارزار میں رہے اور بال بال محفوظ رہے۔ کبھی کوئی چرکا نہ کھائے۔ کوئی گولی ذرا پہلو سے چھلتی ہوئی بھی نہ نکل جائے، ممکن نہیں۔ نظیر کا دل بھی عشق کی چوٹ سے محفوظ نہیں رہا۔ اُس نے اپنی سیر میں ایک نہیں بیسیوں دفعہ بعض ایسی صورت دیکھی جس کو دیکھ کر وہ تلملا تلملا کر رہ گیا ہی۔ لیکن چوں کہ قلب پر قابو رکھتا تھا، اور مضبوط اُصول اور مضبوط ارادے کا آدمی تھا اُس نے عنانِ اختیار ہاتھ سے نہیں دی۔ مگر آخر ضبط کی کوئی انتہا بھی ہی ایک جگہ فقط آنکھیں متوالی تھیں۔ دوسری جگہ اس متوالی کے پاس بھنوؤں کی کھچی ہوئی کمانیں ہیں اور پلکوں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سڈول اور لمبے نکیلے تیر بھی تھے - تیسری جگہ زلفوں کی لمبی کمند بھی لٹک رہی تھی - چوتھی جگہ وار روکنے کو دو قیامت کی ڈھالیں بھی تھیں - وہ کون سُورما ہی جو اتنے ہتھیار دیکھ کر بھی ہتھیار نہ رکھ دے - نظیر کے بھی آخر پائے ثبات لڑکھڑائے - بے اختیاریِ شوق میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے بعض خاص محرمِ راز کو بلُایا ہی - اُن سے تخلیے میں وہ رُک رُک کر اپنے عشقی حالات بیان کر رہا ہی - اقرار کرتا ہی کہ اب ضبط کی طاقت نہیں - پوچھتا ہی کہ ملاقات کی کیا شکل؟ - محرم اُس کو تسکین دیتا ہی - کچھ تدبیریں پیش کرتا ہی - نظیر ناآزمودہ کاری کی وجہ سے اُن کے قبول کرنے سے ہچکچاتا ہی - آخر ایک دن جی کڑا کرکے کوچۂ دلدار کی طرف رُخ کرتا ہی - وہ دوست جو کسی قدر تجربہ کار ہی ساتھ ہوتا ہی - دہنے بائیں دیکھ کر کھڑکی میں در آتا ہی - دل کی دھڑک کے ساتھ سیڑھیوں کو طے کرکے اوپر پہنچتا ہی - جھپتا ہوا لبِ فرش تک جاتا ہی - گھبراہٹ میں جوتی پائوں کی اُترتے ہی منتشر ہو جاتی ہی - اُس شاہدِ نظر فریب کو خبر ہوتی ہی - سونارے سے سر نہوڑائے گردن جھکائے آتی ہی - عجب ادا سے بندگی کرتی ہی - نظیر تھراتی ہوئی آواز سے جواب دیتا ہی - چمکے ہوئے چہرے کے ساتھ مزاج پوچھتا ہی - خود شوق کو ظاہر نہیں کر سکتا - دوست اُس کی زبان بنتا ہی - تبسم کے ساتھ کچھ دبی زبان سے کلماتِ انکسار بیان ہوتے ہیں " میں کس لائق ہوں - آپ لوگ مجنوں کے جھروکے سے دیکھتے ہیں " شکریہ ادا ہوتا ہی " میری بڑی خوش قسمتی ہی کہ آپ غریب خانے پر تشریف لائے " حقے کی دعوت ہوتی ہی - چلتے وقت عطر اور پان دیا جاتا ہی - عاشق کچھ پیش کش کرنا چاہتا ہی - قبول نہیں ہوتا - وعدہ لیا جاتا ہی کہ " پھر تشریف لائیے گا - بھول نہ جائیے گا " مکتبِ عشق میں یہ نظیر کی بسم اللہ تھی - چوں کہ ذہین تھا اور فنِ عشق سے ازلی مناسبت لے کر آیا تھا - تھوڑے ہی دنوں میں اس فن میں بھی ایسی ترقی کی کہ بڑے بڑے اُستاد اس کا لوہا ماننے لگے - شاہدوں میں اُس کی بڑی قدر تھی - اُن کے نکاتِ حُسن ایسے جیسے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کھلے تھے مشکل ہے کہ دوسروں پر کھلیں۔ ہر ایک نکتے کی پہنچ کر داد دیتا تھا اور کان کے رستے سے اُن کے دلوں میں سما جاتا تھا۔ پھر شعر و سخن کی چاٹ الگ تھی۔ ظرافت کی چاشنی جُدا۔ اس کے آتے ہی حسین چہروں کے مارے شگفتگی کے تازہ گلاب کھل جاتے تھے۔ گُل کی طرح جاموں میں پھولی نہیں سماتی تھیں۔

میں نے بڑی تلاش سے نظیر کی ایک معشوقہ کا پتا لگایا ہے۔ نام اس کا موتی ہے۔ گو نظیر نے صاف اُس کی رنگت نہیں بتائی۔ اُس کا قد و قامت نہیں دکھایا۔ لیکن اُس کا کوئی بناؤ اُس نے ہم سے نہیں چھپایا۔ وہ ہنستی ہے تو روکتا نہیں۔ باتیں کرتی ہے تو ٹوکتا نہیں۔ پان کھاتی ہے تو کھانے دیتا ہے۔ مسی لگاتی ہے تو لگانے دیتا ہے۔ گلا کھول کھول کر دکھاتا ہے کہ موتیا کے ہار کس قدر زیب دیتے ہیں۔ بازو اور کلائی کھول کھول کر دکھاتا ہے کہ بازوبند اور گجرے کس قدر موزوں ہیں۔ ایک ایک زیور کا حُسن دکھاتا ہے اور داد لیتا ہے۔ زیوروں کی خوش جھنکار اور زمزمہ سُنانے کو وہ اُس شاہدِ رعنا کو ناز سے دو چار قدم چلنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ چہرے پر پسینے کی بُوندوں کی بہار دکھانے کو کبھی وہ اُس سے بال بال میں موتی بھی گندھواتا ہے۔ اور کسی معشوقہ سے قطعِ نظر کی جائے تو کی جائے مگر اِس سے قطعِ نظر ممکن نہیں۔ نظیر نے اُس کی تصویر یوں کھینچی ہے:-

رہے ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
اِدھر جگنو، اُدھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
جبیں پر موتی، اور سر میں ہیں موتی، مانگ پر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں، کان میں، نتھ میں، جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
لپٹ کر ڈھکدھکی میں کوئی سینے پر مچلتا ہے
کوئی بُندوں سے مل کر کان کے نرموں میں ہلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہے کوئی بالی میں ہلتا ہے[۵۱]

۵۱ قدما نے ہلنا بفتح لام بھی باندھا ہے۔ چنانچہ میر نے اپنے شکارنامے میں لکھا ہے:- ع لگی گولی پڑنے، نہ پھر چل سکا + نہ جاگہ سے اُکسا، نہ ٹک ہل سکا۔ دیگر ع کیوں گردن ہلال ابھی سے ڈھلک چلی + ابرو تو اک طرف پلک اس کی نہیں ہلی۔ سودا ع ممکن ہے تیر خوردہ تڑپھ کر سنبھل سکے + مارا تری نگہ کا جگہ سے نہ ہل سکے +

یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ نازنیں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
وہ سُمرن موتیوں کی اُنگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لبِ رنگیں کو برگِ گُل سے کیا نسبت
اُداہٹ کچھ مِسّی کی، اور اُس پر پان کی رنگت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنّے اور یاقوت کو حسرت
وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
اُدھر لعل اور اُدھر نیلم، اُدھر مرجاں اُدھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
بدن بھی موتی، اور سر پانوں سے پہنے بھی موتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی مُکھڑے کو دھوتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گُچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُس کے جس دم موتیا کے ہار ہوتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں
چمن کے گُل سب اُس کے وصف میں موتی پروتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا، واہ! اور کچھ تن وہ موتی سا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا
پھر اُس پر موتیا کے ہار، بازو بند، اور گجرا
جو کہتا ہوں ”ارے ظالم، ٹک اپنا نام تو بتلا“
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر ”موتی“

کڑے، پازیب، توڑے[۵۱] جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں، کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا، موتی بھی اُس کے پانو پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں اُس کے کفش پہ موتی

خفا ہو اِن دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہی جو ہم سے وہ
چلے آتے ہیں آنسو، دل پڑا ہی ہجر میں غش ہو
تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہی سو مت پوچھو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیوں کر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
بیاں ہو کس طرح سے آہ! اُس عالم کو کیا کہیے
دیا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُس کے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیوں کر پری زادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لہنے
سُخن کی کچھ جو اُس کے دل میں ہی اُلفت لگی رہنے
جڑاؤ موتیوں کے اِس غزل پہ وارے گہنے
نظیر اِس ریختے کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے:
" اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی "

اِس کا تجویز کرنا مشکل ہی کہ گو یہ شخص کاجل کی کوٹھری میں لباسِ دامن دار پہن کر مدتوں جایا کیا مگر ساتھ اس کے اُس کا دامن، اُس کی آستین دھبوں سے پاک رہی۔ خود اُس کے زمانے میں لوگوں کی اُس کی نسبت مختلف رائیں تھیں۔ بُرے لوگ جن سے زمانہ بھرا پڑا ہی اُس کو یقیناً ایک چھٹا ہوا شہدا جانتے تھے۔ اُس کے شاہدانِ بازاری کے ہاں زیادہ آنے جانے کی تاویل سوا اس کے اُن کے ذہن میں کوئی تھی ہی نہیں کہ وہ اُن سے

۵۱ توڑا زنجیرِ گلو خواہ پا جو بطورِ زیور اکثر عورتیں پہنا کرتی ہیں۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناپاک تعلقات رکھتا تھا۔ لیکن جن کو اُس کے ساتھ خصوصیت تھی، اُس کے دن رات کے جلیس تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ وہ ایک خاص حد سے زیادہ کسی شوخ رنگیں ادا سے مخالطت نہیں کرتا۔ اُن کو تعجب بھی ہوتا تھا کہ باوجود طرف ثانی کے التفاتِ زائد کے یہ سبقتِ زائد کیوں نہیں کرتا۔ بعض دفعہ اِس کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "تم پر عورتیں مرتی ہیں اور تم کو کچھ التفات نہیں۔ کاش ہم کو یہ موقع ملتا تو پھر تم دیکھتے کہ کیا بہار ہوتی۔" وہ اِس قسم کی باتوں پر مُسکرا دیتا۔ احباب اُس کے دیکھتے تھے کہ بعض دل رباؤں کے ساتھ اُس کو خاص شیفتگی ہے۔ اُن کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کو وہ حد سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ اُن کی صحبت میں ہر موقع فرصت پر بیٹھا ملتا ہے۔ تخلیے کی صحبتیں بھی اُن سے رہتی ہیں۔ اختلاط کی پینگیں بھی بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ چٹکی کر رہا ہے۔ انگلیاں چٹخا رہا ہے۔ سر میں تیل ڈال رہا ہے۔ تلوا سہلا رہا ہے۔ ہتیلی کو نرم نرم انگلیوں سے دبا رہا ہے۔ مگر کسی مجمعِ عام پر اُن کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں نہیں جھپکتیں۔ وہ ہر ایک موقع پر اُن سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر نہایت کشادہ پیشانی سے باتیں کر سکتا ہے۔ تاڑنے والے اپنے فن کے قواعد کی رو سے اُس کو عشقی محکمے میں مجرم قرار دے نہیں سکتے، گو بدگمانی کبھی کبھی یوں ہی کچھ کانوں میں پھونک دیتی ہے۔

نظیر کے بعض رندانہ کلام سے لوگ ایسا استنباط کر سکتے ہیں کہ وہ شاید عشق کی انتہائی ذلیل اور ناپاک حالت تک پہنچا ہو۔ چنانچہ اُس کی اُس غزل کے پڑھنے پر جس کا مطلع یہ ہے:-

دیکھ کر کُرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی		دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی	

تھوڑی دیر کے لیے مجھ کو بھی ایسا شبہہ پیدا ہوا تھا۔ غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل نظیر نے کسی دوست کی فرمایش سے عالمِ جوانی میں لکھی تھی۔ اُس دوست کو کسی رنگیں لباس شاہدِ بازاری سے کسی خاص زمانے میں تعلق تھا اور تعلق انتہائے بے تکلفی کو پہنچ کر بعض مبارک امراض کا بھی مُوجب ہوا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

مزاج تو اِن کافروں کے نہایت نازک ہوتے ہیں۔ کسی دن کسی چیز کی فرمایش کی۔ وہ چیز تو بھیجی گئی مگر جس عورت کے ہاتھ بھیجی گئی وہ کوئی نہایت چالاک اور عیّار ماما تھی، رستے میں کھا گئی، اور وہاں جاکر کچھ جھوٹ سچ بات بنا دی۔ تحقیق کی فرصت کس کو، اور ہو بھی تو اتنی تاب کہاں۔ بگڑ کر فوراً منع کر دیا کہ "فلاں شخص ہماری ڈیوڑھی میں قدم رکھنے نہ پائے۔ ورنہ ہم سے کوئی بُرا نہیں"۔ نظیر کے ہاں دوڑے ہوئے پہنچے "یار غضب ہوا۔ وہ کُٹنی تحفہ لینے آئی تھی۔ وعدہ کر کے آؤں اور نہ بھیجوں، یہ کیوں کر ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں معلوم اُس کم بخت نے کیا کیا کہ اُن کو نہیں ملا۔ اب وہ بگڑی ہوئی ہیں۔ کوئی تدبیر ایسی کرو کہ اُن کی رنجش مٹے"۔ نظیر نے قلم اُٹھایا اور فوراً ایک شوخ غزل لکھ دی۔ نظیر کے تخلّص نے اثر مطلوب کی ضمانت کی۔

ممکن ہی کہ اس غزل کو خود نظیر کے سر مڑھا جائے، لیکن انسان کی فطرت کے خلاف ہی کہ اپنے عیوب کو اس اعلان کے ساتھ بیان کرے۔ اگر کسی شخص کو کوئی مرض ہو بھی تو اس آزادی کے ساتھ اُس کو بیان نہیں کر سکتا۔

اور تو کیا ہی مگر ہلکے سے اک سوزاک کی	ہی ہمارے پاس بھی اب تک نشانی آپ کی

علاوہ بریں ہم اُس کے تمام کلام میں ایک خاص اخلاقی اثر پاتے ہیں جو صاف بتاتا ہی کہ وہ ایک پاک اور صاف اور گہرے سرچشمے سے آیا ہی۔ ہزلیات میں گو اُس کے رندوں کا گہرا تجربہ شامل ہی لیکن اُس کے اور اخلاقی خیالات کی قوّت اور گہرائی اِس امر کا تصوّر بھی نہیں کرنے دیتی کہ وہ تجربے اُس کے ذاتی ہیں۔

عالمِ آزادگاں ہی اک جہاں سب سے الگ	ہی زمیں اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلایشوں سے، بندشوں میں بے لگاؤ	رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

وہ بزمِ عیش میں ایک مقام پر لکھتا ہی کہ "ایک دل فریب شوخ میرے ہاں آئی۔ میں نے اُس کی طر

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خطاب کر کے یہ شعر پڑھا:-

	کرم کردن با حوالِ غریباں		ز دل داراں ز دل داری تواں گفت	

تھوڑی دیر کے بعد وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے اُس کی آستین پکڑی۔ اُس نے کہا "اب میرا ٹھہرنے کو جی نہیں چاہتا۔" میں نے کہا "میرا تو جی چاہتا ہی۔" اُس نے کہا "اگر تمھارا یہ جی چاہے کہ بوسہ لوں۔" میں نے کہا "میں تو پارسا ہوں۔" اُس نے کہا "اگر تم رند ہو جاؤ۔" میں نے کہا "ابھی تک تو ہوا نہیں۔ آیندہ کی خدا جانے۔" اُس نے کہا "تمھاری نظر سے تو رندی اب بہت قریب ہی۔" وہ تو چلی گئی مگر میں اس خیال پر بہت دنوں تک ہنستا رہا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظیر کی میلے ٹھیلوں میں شرکت

نظیر جس مزاج کا آدمی تھا وہ کبھی اپنے آپ کو میلے ٹھیلوں سے الگ رکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ انسانی حالات اور خیالات سے حکمت اور عقل حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ انسانی تھیٹر کا ایک دور اندیش اور صاحب نظر تماشائی تھا۔ وہ ڈراپ سین کے اُٹھنے پر اپنی آنکھیں کسی طرح بند رکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ رغبت اور نفرت رشک اور حسد عشق و محبت کے معاملات سے تفصیلاً واقف ہونا چاہتا تھا۔ بچوں کی معصومانہ خوشی اور اُن کی معصومانہ طلب اور خواہشیں۔ بوڑھوں کی متانت اور سنجیدگی اور قُدرتی قناعت۔ عورتوں کا غرورِ حُسن اور شوقِ نمائش۔ جوانوں کا اکڑ بل۔ سب اُس کو اپنی طرف مشغول کر لیتے ہیں۔ تیراکی کا میلا ہو۔ کنکوے کا میلا ہو۔ کبوتر بازی کا میلا ہو۔ دوالی ہو۔ ہولی ہو۔ بلدیوجی کا میلا ہو۔ کوئی تقریب ہو کسی طرح کا تیوہار ہو سب میں اِس کو جانا۔ اور پُوری طرح عاقلانہ لطف اُٹھانا۔

میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دفعہ خود برج جاکر ہولی کی سیر دیکھ رہا ہے:۔

یہ سیر ہولی کی ہم نے تو برج میں دیکھی
کہیں نہ ہووے گی اِس لُطف کی میاں ہولی

کوئی تو ڈُوباہی دامن سے لے کے ناچو لی
کوئی تو مُرلی بجاتا ہے کہ "کنہیاجی"

ہے دھوم دھام یہ بے اختیار ہولی میں

گھروں سے سانوری اور گوریاں نکل چلیاں
کسُنبھی اوڑھنی، اور مست، کرتی اچپلیاں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جدھر کو دیکھیں اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں[۵۱] تمام برج کی پریوں سے بھر رہیں گلیاں
مزا ہی، سیر ہی، در ہر کنار ہولی میں

جو کچھ کھاتی ہی اَبلا[۵۲] بہت پیا یاری چلی ہی اپنے پیا پاس لے کے پچکاری
گلال دیکھ کے پھر چھاتی کھول دی ساری پیا کی چھاتی سے لگ گئی وہ چاؤ کی ماری
نہ تاب دل کو رہی، نے قرار، ہولی میں

جو کوئی سیانی ہی اُن میں، تو کوئی ہی نا کند وہ شوربور تھیں سب رنگ سے نپٹ یک چند ہیں
کوئی دلاتی ہی ساتھن[۵۳] کو یار کی سوگند کہ اب تو جامہ و انگیا کے ٹوٹے ہیں سب بند
پھر آکے کھیلیں گے ہو کر دو چار ہولی میں"

آگرے کی ہولی یوں دیکھتے ہیں:-

ایک لونڈا خوش رو جس کے چہرے پر گلاب کی پتّیاں کھلی ہوئی ہیں، سب سے آگے ہی، اور سیکڑوں لونڈے پیچھے ہیں۔ جتنے ہیں سب کا کپڑا چھڑکواں رنگا ہی۔ یہ گُل رُخوں کا غول آگے ہی۔ بیسوا بھی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے عاشقوں کا غول ہی۔ یہ بھی ہزاروں ہیں۔ عیش و تفریح کے رنگ میں سب ڈوبے ہوئے ہیں۔ خوشی کی بہاریں دکھاتے چلے جا رہے ہیں۔ میاں نظیر بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ پہلے گوکل پورے پہنچے۔ پھر نائی کی منڈی اور سید خاں کی منڈی سے گزرتے ہوئے عالم گنج میں داخل ہوئے۔ وہاں سے شاہ گنج پہنچے۔ پھر تاج گنج آئے

۵۱ رنگ رلیاں کھیل تماشا۔ ہنسی چہل۔ مذاق۔ ٹھٹھا۔ ٹھٹھول۔ عیش و نشاط۔ عیش و عشرت۔ مزہ لُطف۔ خوب سے پھر اُن کی رنگیں ہیں گلیاں دیکھیاں * رنگ محلوں میں جنھوں نے رنگ رلیاں دیکھیاں۔ (ظفر)

۵۲ ابلا۔ شاہدِ نازک اندام۔

۵۳ ساتھن ساتھ والی۔ ساتھ کی عورت۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھر کناری بازار میں رونق افروز ہوئے۔ وہاں سے موتی کٹرے آئے۔ پھر پیپل منڈی اور پنی گلی پہنچے غرض تمام شہر کا چکّر لگا آئے۔

میاں نظیر فرماتے ہیں کہ "چوک، چارسو جہاں گئے ہر جگہ اس قدر بھیڑ پائی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اور ہر طرف ایک رنگیں باغ کِھلا ہوا ہی"

بلدیوجی کا میلا[۹۱]۔ جاڑے کے دنوں میں آگرے کے قُرب میں ہندوؤں کا یہ میلا بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہی۔ جس طرح ہمارے صوبہ بہار میں چھتر کا میلا ہی۔ قریب قریب آگرے میں یہ بلدیوجی کا میلا ہی۔ بلدیوجی کا جہاں مندر ہی وہاں سے دو دو کوس تک باغ اور جنگل سب لوگوں سے بھر جاتے ہیں۔ ہزاروں بساطی اپنی سوداگری کی بساط بچھائے گہنے اور مالا بیچ رہے ہیں:-

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ — جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہی جا
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا — باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا

ہزاروں جنس کی دکانیں لگ رہی ہیں۔ موتی، مونگا خریدنا چاہیے اُس کی بھی کمی نہیں۔ آئینہ کنگھی لینا چاہیئے اُس کی بھی افراط ہی۔ حلوائی ایک طرف پیڑے، لڈّو، جلیبی، اور گٹّے بیچ رہے ہیں۔ کھٹّے گولے، نارنگی، سنگترے کی بہاریں دکھا رہے ہیں۔ کہیں مٹّی اور کاٹھ کے کھلونے بک رہے ہیں۔ کہیں کا چھن بیٹھی بیر چُنوا رہی ہی۔

[۹۱] میرے ایک معظّم مخدوم میرزا محمد علی بیگ جو آگرے میں مُدّتوں سے وکالت کرتے ہیں اور وہیں اُن کا وطن بھی ہی اس میلے کی نسبت عبارت ذیل تحریر فرماتے ہیں دو میا بلدیوجی از ایں شہر بفاصلہ تخمیناً ہشت فرسخ مے شود۔ قصبۂ کوچکے بایں نام در ضلع متھرا است۔ ہندوہا معبدے آنجا ساختہ اند و ایں معبد بسیار قدیم است۔ نمی دانم کہ مے شود مگر ہر سال یک مرتبہ مے شود۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار
چُوڑی، بنگڑی[51] کی اک طرف جھنکار
اپنا سب گرم کر رہے بازار
نوگرہی، پوتھ، انگوٹھی، چھلے، ہار

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں
عیش عشرت کی لُٹ رہیں دھڑیاں[52]
ہر طرف کُھل رہے ہے گُل وریاں
پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
دال موٹھیں، منگوچھی، اور بڑیاں
ہار، پڑھی، مٹھائی، اور پکوان

باجے انواع طرح کے بج رہے ہیں:-

اک طرف تو بتیں جھنگاریں[53] ہیں
جھانجھ، مردنگ، دف بجاتے ہیں
جھانجھ، مردنگ، راس دھاریں ہیں
راس منڈل بھجن سُناتے ہیں

دُور دُور سے راجہ رجواڑے آئے ہیں۔ پالکی، ہاتھی، گھوڑے۔ رتھ بک رہے ہیں۔ مول تول ہو رہا ہے۔ جوگی، بیراگی، گیانی، دھیانی ہر قسم کی خلقت کا ہجوم ہے۔

میاں نظیر مولویوں کے فتوے کو کیا مانیں، اور تکفیر کو کیا جانیں۔ گو ہندوؤں کا میلا ہے مگر اپنی اصلی خوش نیتی سے عقل اور شعور سیکھنے کے لیے آ گئے ہیں۔ پہلے تو وحدۃ الوجود کی عینک لگا کر ہر طرف اُسی ایک معبود کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ پھر میلے کی تفصیلات پر حکیمانہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ لوگوں کا جُوق جوق ہر طرف سے آنا،

٥١ بنگڑی = ایک قسم کی کانچ کی بل دار چوڑی۔

٥٢ دھڑی پنسیری۔ دھڑیوں بافراط بکثرت پوری طرح سے اُٹھائے لطف بُھلا کر اُسے گھڑیوں مزے لوٹے ہم سے لیدہ لبکے ہم نے بھی دھڑیوں مزے لوٹے۔ (نکہت)

٥٣ جھنگار نوبت کی آواز نوبت کی ٹکور۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خرید و فروخت کے بازار کا گرم ہونا، مندر کی طیاری، صحنِ مندر کی نفاست، اُس کے گنبد کی رفعت مُکلّف پردوں کا دروازہ پر چھوٹا ہونا۔ کُنڈ پہ نہان کا ہونا۔ یہ سب باتیں تو خیر ہر معمولی نگاہ دیکھ سکتی (مگر یہ کچھ اِس سے بھی سوا دیکھ رہے ہیں جو معمولی آنکھ دیکھ نہیں سکتی) اِن کی آنکھیں عبرت کے روزن ڈٹکٹو کا کام کر رہی ہیں۔ لوگوں کو کیا خبر کہ ایک شاعرانہ مذاق کا ڈٹکٹو ہمارے ساتھ ہی۔ وہ میلہ کے ہجوم سے استفادہ کر کے اپنے مختلف اغراض کے حصول میں سرگرم ہیں۔ مگر اُن کے تمام افعالِ اُن نوٹ بک میں درج ہو رہے ہیں۔

کہیں عاشق نظارے مارہیں ہیں	سونگھا ہوں کی جیت ہارہیں ہیں
کوئی انبوہ میں رہا ہی کچپل	کوئی ڈھکلوں میں کر رہا ال دل
کتنے کرتے ہیں جست کودا چھپل	کتنے کہتے ہیں مور چھپل چھل چھل[1]

"رنگ ہی روپ ہی جھمیلا ہی۔ الخ"

کوئی تو کر رہا ہی چھل بٹے	کوئی چڑھاتا ہی کھیر کے چٹے[2]
ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں	نُک پلک غنچہ لب سجیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے ہیں	دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں
خشک، تر، نرم، سوکھے، گیلے ہیں	ٹیڑھے، بل دار، اور نکیلے ہیں

لے چھل چھند چاتر بھگل پاکھنڈ۔ بٹا مداریوں کے وہ گول گول ڈھکنے جس میں گولیاں رکھ کر غائب کرتے ہیں۔ چھل بٹے فن فریب مکر و خدع دم اور دھوکا۔

ے چٹا یا چٹا چاٹ سے ماخوذ ہی اصل میں اس غذا کو کہتے ہیں جو معمولی غذا کے علاوہ تبدیل ذائقہ کے لیے پکایا کرتے ہیں۔ مثلاً فیرنی۔ کھیر رسم ہند کے مطابق چوں کہ یہ چیزیں اکثر میٹھی ہوتی ہیں اس لیے چٹے کا اطلاق میٹھی چیزوں پر ہونے لگا چٹے کا میٹھے کے ساتھ مل کر ایک اصطلاح خاص بن جانا یہ بھی اُسی کی دلیل ہی۔ چٹے مٹھوں کا مزہ پڑنا دونوں کی چاٹ لگنا۔ کھٹے میٹھے کا مزہ پڑنا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جوڑے بھی سُرخ، سبز، پیلے ہیں | پیار، اُلفت، بہانے، حیلے ہیں
کوئی چنچل چلے ہے ٹھمکی چال | کچھ وہ پتلی کمر، وہ لمبے بال
آنکھوں میں حُسن کے نشے رنگ لال | مصری، ماکھن کے ہاتھوں اُوپر تھال
کچھ وہ پوشاک، کچھ وہ حُسن و جمال | مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال | بدھی[۵۱] ہو کر لیں صاف دل کو نکال
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار | جس گنواری کو چلیے دھکا مار
گر کے دے گالی، یوں کہے ہے پکار:- | "کیسو اٹھلا[۵۲] کے چلے ہے داڑھی جار"
مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر | کوئی لیوے ہے کوئی دیوے پھیر
کوئی کمھاری کے کر رہا ہتھ پھیر | کوئی کاچھن کے چُن رہا ہے بیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا مُنھ پھیر | کوئی بنیے کو مارتا ہے سیر
گالی، ڈُگ، مار کوٹ، سانجھ سویرے | لاٹھی پاٹھی ہے، شور، غُل، اندھیر
سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں | پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار پھلجھڑیاں | کہیں کھلتی ہیں دل کی گلجھڑیاں
کہیں اُلفت سے انکھڑیاں لڑیاں | کہیں بانہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش و عشرت کی لُٹ رہیں دھڑیاں | دال موٹھیں، مُنگوچھی، اور بڑیاں

۵۱ بدھی وہ پھولوں کا ہار جو بیاہ شادی میں دولہا کے گلے اور بغلوں میں حائل وار باہم متقاطع ڈالتے ہیں۔ یہاں بدھی میں ایک خفیف ایہام بھی ہے۔

۵۲ اٹھلانا تکلف سے چلنا ناز و انداز سے چلنا مٹک کر چلنا۔ جان کر اَن جان بننا (اصل میں اینٹھ اینٹھ کر چلنا)۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ ہو — راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو

جو جہاں تھا وہیں پھنسا پھر وہ — جس کو کھینچے ہیں، گر پڑے ہی سو

بیٹھے کہتے ہیں کھا کے دھکوں کو: — "جے مہاراج، رام رام بھجو"

اور گنوار دل پکار کر ہو ہو — اب تو لٹھ ڈار ہی لگانے کو

ناچ اور رنگ کے کھڑا کے ہیں — گھنگرو اور تال کے جھنا کے ہیں

نقلیں، قصے، کہانی، ساکے[51] ہیں — کھنڈ، دوہرے کبت کتھا کے ہیں

کہیں آغوش کے لپا کے ہیں — کہیں بوسوں کے سو جھپاکے[52] ہیں

تھرتھری دانت پر کڑا کے ہیں — تپہ جاڑے کے سو جھڑاکے[53] ہیں

کوئی آکر بہانے اور مس[54] سے — ہل رہا ہے ملا ہے دل جس سے

ہوتے ہیں آملاپ جس تس سے — لڑ رہا ہے کوئی کہیں رس[55] سے

کوئی کھویا گیا ہے مجلس سے — کوئی چلائے پوچھے کس سے

کہنی بازوؤں میں لگ رہے گھسے — اور دھکا پیل اور گھماں گھسے

نازنیں ہیں وہ سانوری، گوری — جن کی نازک ہر اک پری پوری

۵۱ یہاں ساکے سے وہ داستانیں مراد ہیں جو کچھ ہندو ایک جگہ بیٹھ کر اپنے نامور بہادروں کے متعلق دل بہلانے کے لیے گا گا کر بیان کرتے ہیں مثلاً آلا اودل کی لڑائی۔ کنور بجے کے معرکے۔ ساکے ہندوؤں میں شاہنامہ اور داستانِ عنتر اور داستانِ امیر حمزہ وغیرہ کے قائم مقام ہیں۔

۵۲ جھپاکا جلدی سے کوئی کام کرنا۔

۵۳ جھڑاکا۔ جھپٹ۔ جھڑپ۔ ہلکی سی لڑائی۔ دو دو چونچیں۔ دو دو ہاتھ۔

۵۴ مِس مکر فریب دغا۔

۵۵ رس غضب غصہ خفگی ناراضی آزردگی ہٹ ضد اڑ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کر کے چتون نگاہ کی ڈوری — دل کو چھینے ہیں سب براؔ زوری

دھوم ناز و ادا جھکاؔ جھوری — برج میں جیسے مچ رہی ہوری

گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری — چوری کیسی کہ صاف سرزوری

خلق آتی ہی سب جڑی جٹری — چیز رکھتے ہیں باندھ کر جکڑی

کوئی دوڑے ہی ہاتھ لے لکڑی — ”دوڑیو چور لے چلا گٹھڑی“

جیبؔ کترنی کہیں گئی پکڑی — کہیں ٹوٹی دکان اور ہٹڑیؔ

چور نے تاک لی کہیں پگڑی — سو تماشے، ہنسی، خوشی، پھکڑی

[illegible]

ہر چند نظیر کی نواسی نے بیان کیا کہ میاں نظیر میلے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ لیکن خود اُن کی تصانیف میں شواہد اس کے خلاف میں موجود ہیں۔ اُن کے قول کی توجیہ یوں ہو سکتی ہی کہ شاید بڑھاپے میں اُنھوں نے جانا آنا ضعفِ پیری کے سبب چھوڑ دیا ہو۔ نظیر نے ایک پوری کتاب لکھی ہی جس میں فقط اُنھوں نے اپنے میلے ٹھیلوں میں شریک ہونے کا حال قلم بند کیا ہی اور جو دلچسپ واقعات اُن کو پیش آئے ہیں اُن کو سیاہی کے آبِ حیات سے بقائے دوام بخشی ہی۔ اس کتاب کا نام بزمِ عیش ہی۔ شاید آگرے سے زیادہ دوسرے شہر میں میلے بھی نہ ہوتے ہوں۔ ہر چھوٹی سی بات پر وہاں ایک میلا ہو جایا کرتا ہی۔ تیراکی کے میلے ہیں۔ کنکوؔے کے میلے ہیں۔

---

۵۱ باراجوری۔ زبردستی دھینگا دھینگی۔
۵۲ جھک۔ چوری دھینگا مشتی چھین جھپٹ ہاتھا پائی توڑا مروری نوچا کھسوٹی۔
۵۳ جیب کترنی جیب کترنے کا آلہ۔
۵۴ ہٹڑی تصغیر ہاٹ چھوٹی سی دکان۔
۵۵ کنکوے کے میلے کے متعلق میرے مخدوم میرزا محمد علی بیگ رئیس آگرہ یوں تحریر فرماتے ہیں: پتنگ بازی ہر شخص در خانہ خود می کند و ہر سال بجاہائے مختلف مردم مجتمع شدہ یک روز یا دو روز ہم پتنگ بازی می کنند نام آن مجمع ترجلاہی باشد در میدان مے روند و بہ تلہائے بلند بایں کار مشغول می شوند۔
ایک دوسرے آگرے کے دوست سے یوں معلوم ہوا: پتنگ کے میلے کو ترجلا کہتے ہیں۔ ترجلا تاج گنج کے روضے میں بھی ہوتی ہی۔ پیر گیلانی میں بھی ہوتی ہی۔ (پیر گیلانی وہ مقام ہی جہاں حضرت ابو العلا کا مزار ہی) شہر سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک مقام ہی جوگی بھوگی۔ وہاں بھی ہوتی ہی۔ بڑا میدان ہی۔ کوسوں تک پیچ چلے جاتے ہیں۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کبوتر بازی کے میلے ہیں۔ پھر خدا جانے کاہے کے میلے ہیں۔ کاہے کے میلے ہیں۔

قبل اس کے کہ میں بزمِ عیش دیکھوں خود کلیاتِ نظیر سے اس کا پورا ثبوت ملتا تھا کہ نظیر سے کوئی میلا چھوٹنا نہ تھا۔ چاہے ہندوؤں کا ہو۔ چاہے مسلمانوں کا۔ بزمِ عیش کے دیکھنے سے اُس خیال کی تصدیق ہوئی آغازِ کتاب میں نظیر میلوں کی کثرت کو یوں لکھتے ہیں :۔

اس شہر میں انواع قسم کے مجمع اور فرحت افزا میلے ہوتے ہیں۔ ہر ایک میلے کا نام مشہور ہے اور ہر کے لیے ایک جگہ مقرر ہے۔ میلے کے دن تماشائی بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ زرّیں پوشاک پہن پہن کر چاندنی پر رونق افروز ہیں۔ مسندیں بچھائے بچھائے رنڈیاں کہیں تبسم سے گلزار کھلا رہی ہیں۔ اور کہیں ٹہل ٹہل کر سرو رواں کی بہار دکھا رہی ہیں۔ گانے بجانے والوں کا بھی ہر طرف ہجوم ہے۔ پان سے جس کا دیکھو مکھڑا لال ہے۔ ہاتھ میں پھولوں کے گجرے پڑے ہوئے ہیں۔ کہیں شراب کا دَور چل رہا ہے۔ حقّے چل رہے ہیں۔ سودے والے بھی اپنا بازار جمائے ہوئے ہیں۔"

دسہرے[۱] کے دن کی ایک نقل یوں لکھتے ہیں :۔

کہ صبح کے وقت میں جمنا کے کنارے پہنچا۔ دیکھا کہ میلا لگا ہوا ہے۔ گوری گوری صورتوں کی بہار صبح کی صباحت سے زیادہ پیاری۔ اور نہانے میں اُن کا پانی سے بھیگا ہوا جسم شبنم سے بھیگے ہوئے پھول سے زیادہ خوش نما۔ کنارے برہمن اپنی بساط بچھائے بیٹھے ہیں۔ اور تلک[۲] کی چیزوں سے اُن کی بساط رنگین ہو رہی ہے

[۱] دسہرہ جیٹھ کے مہینے کی دسویں تاریخ جس میں گنگا اشنان کرنے سے صاحبانِ ہنود کے اعتقاد کے موافق گناہ دھوئے جاتے ہیں۔ اسوج (آسن) کے مہینے کی دسویں تاریخ کا بڑا بھاری تیوہار جس میں نو روز پہلے سے پوجا وغیرہ کرتے اور اخیر دن دیوی کی مورتی مع جھانجی سانجی وغیرہ کو دریا میں ڈالتے ہیں اور چونکہ رام چندر جی نے انہی دنوں میں راون پر چڑھائی کر کے فتح پائی تھی اُن کی لیلا رچاتے اور بڑی خوشی مناتے ہیں۔

[۲] تلک قشقہ ٹیکا وہ نشان جو ہندو لوگ صندل یا رولی یا سیندور وغیرہ کا لگاتے ہیں۔ رولی ایک قسم کی سُرخ اور خشک چیز جس کا ہندو لوگ تلک لگاتے اور اُسے ہلدی پھٹکری اور ترشی سے بناتے ہیں۔ کُھکو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رتھوں کی چھتری جگمگا رہی ہو اور زرّیں زین گھوڑوں کی پیٹھ پر چم چم کر رہے ہیں۔

عیاں ہر جا بہارِ جامہ زیباں	نمایاں نازو حُسنِ دل فریباں
صفِ اہلِ تماشا زینت افزا	ہمہ اسبابِ خوش وقتی مُہیّا
بروے نیلگنبد از زمین بہرہ	نہ ہے فرحت فزا روزِ دسہرہ

ایک صنم جو نہایت گورا چٹّا تھا نہا دھو کر پیشانی پر قشقہ کھینچ کر اپنے گھر کو چلا۔ اُس سے بات کرنے کے شوق میں مَیں بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ جب میری طرف نگاہ کی میں نے کہا "اے دل آرام جے سیتا رام"۔ مُسکرایا اور پوچھا "کیا چاہتے ہو"۔ کہا "عرضِ حال"۔ کہا "فرماؤ"۔ میں نے کہا "سی رامچندر نے لنکا فتح کی اور تمہارے سورما حُسن نے میرے دل کا گڑھ

بود در زورِ دلِ من راون	رام کردند بتاں رام کی سوں

پوچھا "اِس بات کا گواہ"۔ میں نے کہا "ہنومان"۔ ہنسا اور گھر تک مجھ سے باتیں کرتا ہوا ساتھ گیا۔ جس راجہ کے ہاں یہ متعلق تھے۔ اُس کے ہاں بڑی دھوم سے راس[۵۱] کا جشن ہوتا تھا۔ اور اکثر کچھ تو تعلقِ دربار کے سبب اور کچھ شوقِ جبلّی کے باعث اُن کو اُس جشن میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ کا حال اِس طرح بیان کرتے ہیں۔

ایک شب میں مجمع عالی (راجہ کے ہاں کا جشن مُراد ہے) میں پہنچا۔ دیکھا کہ راس کی بڑی تیّاریاں ہیں چاندنی سُفید، نہایت بڑی، دور تک وسعت کے ساتھ بچھی ہوئی ہے۔ لوگ عُمدہ عُمدہ پوشاک پر تزئیں پہنے

۵۱ راس کھیل ناچ تماشا جیسا سری کرشن نے گوپیوں کے ساتھ کیا تھا جسے راس لیلا بھی کہتے ہیں چنانچہ اب تک کاتک اور پھاگن میں راس دھاری اِس کھیل کی نقل کیا کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوئے قرینے سے بیٹھے ہیں۔ آداب کے ساتھ گفت گو ہو رہی ہی۔ راس[۵۱] دھاریوں کی زیب و زینت قابلِ دید
بوٹی بوٹی اُن کی ناز سے پڑی پھڑک رہی تھی۔ چکیلے لباس کی محبوبی بیان نہیں ہو سکتی۔ اور جڑاؤ مکٹ
کی سر پر جگمگاہٹ تحریر میں نہیں آسکتی۔ معلوم ہوتا ہی سُورج کی کرنیں اُس سے نکل رہی ہیں۔ پھر زہرہ جبین
سکھیاں اور اُن کے زریں پیراہن۔ نِرت اِس قسم کا ہوتا تھا کہ نگاہ ناچنے لگے اور بھجن[۵۲] اس طور پر گایا جاتا
تھا کہ ہر زبان کو ہر نبج کی رٹ لگ جائے۔ آواز میں جادو۔ اور ساز کے میل میں عقل و ہوش کی ترقی
تبکرارِ ہر لیلا ہمان خیالِ پیشینہ در آئینۂ دیدہ مہیا و باظہارِ ہر کردہا ہموں تصورِ شانِ رادھکا[۵۳] و شوکتِ کنہیا
بصدائے بانسری ادائے نندکشورن۔ و برسمِ جھاک آوری نیاز گوپیان و نازِ مدن موہن۔ نہان گردیدن
نندلال چناں کہ ہر سکھی بدم سردی در بیانے کہ "میں ہم دوانی پھر دی" و عیاں شدن مدن گوپال چنیں کہ ہر
گوپی بجوشِ دلی در صدائے کہ "میں ہر پائی"۔ بعضے بوصولِ جھانکی[۵۴] مصروفِ الطافِ کنج بہاری۔ و اکثرے
بحصولِ درشن مشغولِ گفتنِ "بلہاری[۵۵]"۔ دلہا فرحت امتزاج، و بر زبانہا "جی مہاراج"۔

	نشاط و عیش و عشرت کرد منزل		چناں خوش حال گردیدم، کہ در دل	

۵۱ راس دھاری وہ ناچنے والے لڑکے جو کرشن جی اور اُن کی گوپیوں کے کھیل کی نقل کرتے ہیں۔
۵۲ بھجن خدا کی تعریف کے گیت دیوتاؤں کی تعریف کے گیت۔
۵۳ رادھا رادھکا کرشن جی کی ایک نہایت پیاری گوپی کا نام۔ فقرہ بھجن۔ رادھا کرشن بول تیرا کیا لگے گا مول۔
۵۴ جھانکی دید نظارہ دیدبازی لیلا نمائش روپ جو پردے کے اندر سے بھر کر باہر دکھاتے ہیں۔ سوانگ تماشا۔
۵۵ بلہاری قربان تصدق صدقہ واری نثار۔
کنہیا جی کی اُس کاتک میں ہوتی ہی۔ کنہیا جی کی راس یعنی ایک قسم کی لیلا جس میں ایک شخص کنہیا بنتا ہی۔ سُرخ لباس بہ بیج زریں مکٹ سر پر۔ ہاتھوں میں بانسری
ایک لونڈا رادھکا بنتا ہی۔ کچھ لونڈے سکھیاں اور گوپیاں بنتی ہیں۔ کنہیا جی نرت کرتے ہیں۔ پھر حلقہ بنا کے ہاتھ جوڑ کے ناچتے ہیں۔ اکثر کسی کو پکڑ لیتے ہیں پھر کسی کو
چھوڑ دیتے ہیں۔ سکھیوں سے رمز و کنایے کرتے ہیں۔ مردنگ اور کھنجری بج رہی ہی۔ گھنگرو جھنک رہے ہیں۔
کشن کے مختلف نام ہیں۔ بلدیو جی۔ ہر۔ سیکشن۔ سیام۔ من ہرن۔ مُراری۔ موہن۔ نول کشور۔ بہاری۔ سیام برن۔ اوتاری۔ کنہیا۔
مُرلی دھر۔ من موہن۔ کنج بہاری۔ گوپال۔ منوہر۔ گھنشام۔ اٹل۔ بنواری۔ نندلال۔ نول گردھاری۔ شنکر۔ مُرلیا والے۔ مدن متوارے۔ نند دُلارے
کشن ہندوؤں کے عقیدے میں گویا خدا ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

براے دیدنِ راس کُل نین	بیایم بعد ازیں بالّراس والعین	

شاید مشکل سے کوئی شاعر مسلمان ایسا نکلے گا جس کے کلام میں اس طرح ہندوؤں کے میلوں اور تقریبوں کی بلا تعصّب آزادی اور نیک نیتی کے ساتھ تعریف ہو۔ اس سے ظاہر ہی کہ نظیر کتنا بڑا غیر متعصب آدمی تھا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی کہ اُس کو شاعری کا مفہوم کس قدر صحیح معلوم تھا۔ شاعر اگر مذہبی تعصّبات کو دخل دے، تو گویا وہ اپنے فن کے پہلے اصول سے قطع نظر کرتا ہی۔ شاعر کا کام یہ نہیں ہی کہ فقط کسی خاص مذہب کے لوگوں کے مرغوبات و منفورات سے واقف ہو۔ اور فقط اُسی ایک مذہب کے لوگوں کو خیالی تفریح بخشے۔ بلکہ اُس کا موضوع عموماً نوعِ انسانی کی طبیعت ہی۔ عید کی تقریب کے بیان سے جو مسرّت اور تفریح کہ کسی مسلمان کے دل میں پیدا ہو سکتی ہی وہ ہرگز کسی ہندو کے دل میں ہو نہیں سکتی۔ گو کتنے ہی عمدہ الفاظ اور محاورات میں کیوں نہ ہو اس لیے کہ اس تقریب سے اُن کے کسی گزشتہ یا آئندہ مسرّت کو بلحاظِ مستقیم تعلق نہیں ہی۔ بخلاف اس کے اُن کی کسی تقریب کا اگر بیان ہو تو وہی اثر بلکہ شاید بعض موقع پر اُس سے زائد اثر پیدا کر سکتا ہی۔ کنّھیا جی کی راس۔ مہادیو جی کا بیاہ۔ بلدیو جی کا میلہ۔ وغیرہ ان کا صرف نام ہی ہندوؤں کے لیے ایک طلسمِ مسرّت ہی، اس لیے کہ اُن کی ہزاروں اُمنگیں اور حوصلے اِن تقریبوں سے متعلق رہی ہیں اور ہیں اور نہیں معلوم کتنے زمانے تک متعلق رہیں گی۔ پس جس صورت میں کوئی شاعر ہندوؤں کے دل کو خوش کرنا چاہے تو تھوڑی دیر کے لیے ہندو بن بیٹھے۔ وہی روزمرّے بھی استعمال کرے۔ کہ خصوصیاتِ زبان سے بھی ایک کیفیت غیر محسوس طور پر قلب میں پیدا ہوتی ہی۔ راس۔ مکٹ۔ نرت۔ مکھ بلاس۔ برن چندرماں۔ روپ۔ سروپ۔ ان میں سے ہر لفظ کسی نہ کسی رگِ نشاط کو حرکت میں لاتا ہی، اور آہستہ آہستہ ایک اچھا زمزمہ خوشی اور خوش کیفی کا دل میں پیدا کر دیتا ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسی بنیاد پر نظیر مواقع عشرتِ انسانی کے بیان میں کسی خاص مذہب کی قید نہیں رکھتا- اور بلا تعصّب بیان کرتا ہی- کہ ہر مذہب کا آدمی اُس سے متلذذ ہو سکے-

کچھ ایسا بھی معلوم ہوتا ہی کہ نظیر کے دل میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ بڑے زور سے جما ہوا تھا اور وہ ہر شے کو مظہرِ صفاتِ الٰہی وذاتِ باری جانتا تھا- اور ہر ذرّے میں اُسی کا جلوۂ ظہور مانتا تھا- پس مہادیو، کرشن وغیرہ اُس کے نزدیک کیوں کر قابلِ نفرت ہو سکتے ہیں جن کی ذات بروایتِ ہنود مظہرِ کرامات بھی تھی- نظیر اصل میں کبیر، گرونانک وغیرہ کے عقیدے کا آدمی تھا- ہندو اور مسلمان دونوں کو افراط اور تفریط کے عالم میں جانتا تھا- اور صُلحِ کُل کا جویا تھا- صُلحِ کُل بھی پھر اس طریقے سے کہ سب ایک ہی صانع کے بنائے ہوے ہیں- آدمی آدمی سب برابر- عداوت کی وجہ کیا- مذہب میں جو فرق ہی وہ الفاظ کا فرق ہی معانی سب کے ایک ہیں- ہنود جس کو اوتار کہتے ہیں مسلمان اُسی کو پیمبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں- معلوم ہوتا ہی نظیر کو ہندوؤں کی بھی بہت صحبت رہی تھی- اور اُن کے علما کے خیالاتِ تصوف سے بھی اچھی طرح واقف تھا- اس لیے کہ تاوقتے کہ مدتوں آدمی ہندوؤں میں نہ بیٹھا ہو، اُن کے محاورات اِس بے تکلفی سے ساتھ باندھ نہیں سکتا- اور اتنے دل نشین حالات قلم بند نہیں کر سکتا-

دریا کی سیر میں تو ہم نے میاں نظیر کو کُلّیات میں بھی مصروف دیکھا ہی- تیراکی کا میلا یاد ہوگا- قدیم متین میں بھی ایک جگہ وہ دریا کے شوق کی لہریں دکھاتے ہیں- وہ روزِ عام نہان کا تھا- میلا قابلِ دید تھا- بیدل جانا منظور نہیں- سواری موجود نہیں- ناچار ایک دوست سے بذریعہ خط کے رتھ منگوا بھیجی اُن دنوں بگھی اور فٹن کا رواج نہ تھا- بڑے بڑے اُمرا رتھوں پر سوار ہوتے تھے- اور رتھوں میں بڑی تیاری کی جاتی تھی- چاندی سونے کے کلس- مخمل کی چھتری- ہزار ہزار روپے جوڑی کے گجراتی بیل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رقعۂ طلب یوں شروع ہوتا ہے:-

محیطِ بخشش و بذل استقامت ملاذ و منبعِ احسان سلامت
چو شوقِ صحبتِ رنگیں نگارم ہمانا موجِ دریا در شمارم
اگر بعد از سلامِ الفت آرا بنوکِ خامہ آرم مدعا را
کہ امروز از برائے غسلِ دریا جہانے حاضر و خلقے است یکجا
چنیں مجمع نباشد جائے دیگر بجوشش آمدہ گر دریائے دیگر
نظر تامی رسد یکسر بہارست چمن بر ساحلِ دریا نثارست
ز غسلِ مرداں و بازیِ آب بہر سو شوخیِ گرداب بیتاب
ز عکسِ گلعذاراں آبِ دریا برنگِ نہرِ گلشن در نظرہا
بساحل بسکہ مہ رویاں عیانند شکارِ دامِ الفت ماہیانند
بفرحت قطرہ زن ہر موجِ آب است مئے مقصود در جامِ حباب است
بہارِ حسن و آبِ بحر در جوش بہم پہلو بہ پہلو، دوش بر دوش
چو بر دریا چنیں رنگیں بہارست دلم از بہرِ آں پُر بے قرارست
دریں صورت، نظیرِ بے قراری، عطا سازند رقعہ بہرِ سواری
چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز کنم من ہم دلِ خود عشرت اندوز
کہ باشد دیدنِ عالم غنیمت اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت
نظیر اکنوں ندارد غیر ازیں یاد کہ باشد خانۂ الطاف آباد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بزمِ عشرت میں شرکت:-

کسی عشرت کی بزم میں ایک شوخِ دل فریب کے ناچ سے میں لُطف اُٹھا رہا تھا- اُس کے کانوں کے جھمکے اِس طرح سے جھوم رہے تھے کہ ہزاروں بے قراریاں دل میں پیدا ہوتی تھیں- اور بازو کے بانک[51] اپنی قربت کے سبب دونوں ہاتھوں سے تسلیمِ نیاز چاہتے تھے- میں نے دونوں کی تعریف یوں موزوں کی ؎ جُنبش جھمکہ تو می سازد ⁂ خاطرِ آرمیدہ را بیتاب ⁂ ؎ بانک بر بازوے تو، اے سیمتن، از حُسن خم ⁂ می نماید این کہ من ہم بانکبازِ طُرفہ ام ⁂ سُن کر وہ عورت بہت ہی خوش ہوئی-

دوالی

	ہی دسہرے میں بھی یوں گو فرحت و زینت نظیر	
	پر دوالی[52] بھی عجب پاکیزہ تر تیوہار ہی	

در شبِ دوالی کہ بلطفِ آن در و دیوار مجلّی و نگارین می شود، و ہر بام و برآمدہ زیبا و رنگین- نازنینان بلباس درخشاں، و اُلفت گزنیاں بکامِ دل شاداں- در بازار بازارِ زینت، و ہر دکاں دکانِ رونق- دکانداران مسرور- و نظّارگیان پُر سرور- چراغاں صفِ ترصیع بستہ، و لمعاتِ آں بستوبیت پیوستہ (ابیات زشیرینی دکانہا زینت ارقام ⁂ عیاں سیمِ دگر باپستہ بادام ⁂ فراواں خوش دلی در ہر قیاسے ⁂ نمایاں جا بجا کھیلیں بتاسے ⁂ کسے خُرما[53] طلب از لطف یابی ⁂ کسے مسرور بہ رفی و گلابی ⁂ کسے دید از

[51] بانک ایک قسم کا زیور جو ہندنیاں پاؤں میں اور مسلمانیاں بازو پر پہنتی ہیں- بانک فن سپہ گری میں سے ایک ورزش کا نام ہے جسے بکنتی کہتے ہیں اور اُسے کٹار نما ٹیڑھی چھریوں سے بیٹھ کر یا لیٹ کر کھیلتے ہیں-

[52] دوالی ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار جس میں لچھمی کی پوجا ہوتی اور بہت سی روشنی کی جاتی ہے- یہ تہوار کاتک کی پندرہ تاریخ کو ہوتا ہے- اس میں ہندو کثرت سے جوا کھیلتے ہیں اور چوری چوری کو نکلتے ہیں- اُن کے اعتقاد میں آج کی جیت سے برس روز تک جیت رہتی ہے-

[53] خُرما چھوہارا کھجور بالوشاہی ایک قسم کی مٹھائی-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تلنگنی[۵۱] دل فریبی ؛ کسے خوش حال از لطفِ جلیبی ؛ کسے مشغول گُند وسیوہ متھری ؛ کسے گجرے بکف برودوش ہنٹھری ؛ کسے راز اسپ خواہشش در تگ وتاز ؛ کہ گیر و اسپ خوش رنگ و پُر ازساز ؛ کسے را دل دریں اُمیدواری ؛ کہ گیرد فیل با زرّیں عماری ؛ کسے تکرار در گھر بہل خوشتر ؛ کسے را بحثِ طوطی بہر دیگر ؛ کسے بہر خیالِ طبع عالی ؛ گرفت از شوق فانوس خیالی ؛ بریں اشیاے بازی طُرفہ وبہ ؛ خریداراں فراہم از کہ ومہ ازمہ طلعتے ملاقات گردید وہم سخنی دست داد۔ گفت "حسن این چراغان چہ قدر" گفتم "چناں کہ شمع دیان بمشاہدہ آن، یا چراغ افروز ہمراز دیدن ایشاں" متبسّم گردید۔

ہندوؤں کا ایک تیوہار ہی سلونو۔ اس تیوہار میں برہمن ہاتھوں میں راکھی باندھتے پھرتے ہیں۔ اور زر و دھان کی کوپلیں بانٹتے ہیں۔ نظیر تو ہندو و مسلمان سب کے ہوا خواہ ہیں۔ اُن کو اس تیوہار سے بھی لطف اٹھانا۔

چلی آتی ہی اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی[۵۲]	سنہری سبز ریشم، زرد، اور گلنار کی راکھی
بنی ہی گو کہ نادر، خوب ہی سردار کی راکھی	سلونو میں عجب رنگیں ہی اُس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گُل کو یار جس گلزار کی راکھی	
عیاں ہی اب تو راکھی بھی، چمن بھی گُل بھی شبنم بھی	جھمک جاتا ہی موتی، اور جھلک جاتا ہی ریشم بھی
تماشا ہی اہا ہا ہا ! غنیمت ہی یہ عالم بھی	اٹھانا ہاتھ پیارے، واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی

[۵۱] تلنگنی ایک قسم کی شیرینی جو نہایت پتلی شیشے کی شکل کی بنائی جاتی ہی۔ اس میں خربزے کے بیج کالی مرچیں کھانڈ ڈال کر قوام بناتے اور اُس کے کوزے بنا لیتے ہیں۔ ابتدا میں بیجوں کے بجاے تل ڈالا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام تل انگنی رکھا تھا۔

[۵۲] راکھی ہاتھ کی رکھشا یعنے محافظت کرنے والا۔ وہ رنگین تاگا یا ایک خاص وضع کا چمک دار کنگن جو ہندو لوگ سلونو کے تیوہار پر ہاتھوں میں برہمنوں سے بندھواتے یا بہن اپنے بھائی کی کلائی میں باندھ دیتی ہی تاکہ وہ بلیات سے محفوظ و مصئون رہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تمھارے موتیوں کی، اور زری۵۱ کے تار کی راکھی

ابھی ہی ہر طرف کیا کیا سلونو کی بہار اب تو
ہوس جو دل میں گزرے ہی، کہوں کیا، آہ! میں تم کو
ہر اک گلرو پھرے ہی، راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
یہی آتا ہی جی میں، بن کے باہمن۵۲ آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہی زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
دوانی بلبلیں ہوں دیکھ، گل چننے لگیں تنکے
ولیکن تم سے، ای جاں، اور کچھ راکھی کے گل پھبکے
تمھارے ہاتھ نے، مہندی نے انگشتوں نے، ناخن نے
گلستاں کی، چمن کی باغ کی، گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اٹھتے میں گلِ راکھی جو ہلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہنچے، اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا، آہ! چھلتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہی اس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے تارے
پہن زنّار اور قشقہ لگا ماتھے اوپر بارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ ای جاں چاؤ کے مارے
نظیر آیا ہی باہمن بنکے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

بزمِ عیش میں فرماتے ہیں:- سلونو عجب لطف رکھتا ہی کہ نمک سے شکر نکالتا ہی۔ ؎ نمایاں عالمے بازینت وشاں ⁏ ز راکھی زیبِ ہر ساعد فراواں ⁏ ازاں راکھی کہ در دستِ بتاں ہست ⁏ بہارِ طرہ

۵۱ زری سنہری تار سونے کے تار چاندی کے تار جن پر سونے کا ملمع ہو۔

۵۲ باہمن یا باہمن ہندوؤں کی نہایت افضل ذات برہما کے ویدوں کا عالم۔ صحیح برہمن ہی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہرِ عاشقاں ست :: ایک دفعہ سلونو ہی کے دن ایک برہمن کے ساتھ، جس کی ہمرازی کا ٹیکا دل کی پیشانی پر اور دمسازی کا زُنار خاطر کے کندھے پر رکھتا تھا، ایک صنم کے گھر گیا۔ جب راکھی کی بہار اُس کے ہاتھ میں دیکھی تو یہ شعر پڑھا۔ راکھی اگرچہ باہگی سازی کند لیکن بجسن دست بتاں نازمی کند ہنسا اور کہا، مصرعِ تو راکھی باندھنے کے لیے آئے، تم کس لیے آئے؟ میں نے کہا "دل باندھنے کے لیے"۔ بہت ہنسا۔

بسنت[1] کا زمانہ بھی عجب جوش انگیز زمانہ ہوتا ہے۔ آفتاب دکھن کے سفر سے پھر مہربانی کے سامان کے ساتھ پلٹتا ہے۔ نباتات وحیوانات میں تازہ زندگی آتی ہے۔ شاخوں پر سبز، حریری کوپلیں نمودار ہوتی ہیں۔ ٹہنیوں پر چڑیوں کے طلسم انگیز نغمے سنائی دیتے ہیں۔ دلوں میں اُمنگ زور کرتی ہے اور خوشی اور عیش کے فوارے کو خوش نما طور پر اُچھالتی ہے۔ نیچر کا بہار راگ غم اور کلفت کے اُداس بن میں اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگاتا ہے۔ فطرتی شاعر خیال کی شاخ پر بیٹھ کر کویل سے زیادہ مست ہوتا ہے اور پپیہے سے زیادہ دل آویز اور طلسم انگیز تانیں سناتا ہے۔

بسنت کا زمانہ آگیا ہے۔ گلابی جاڑا پڑتا ہے۔ اعتدال کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی ہیں طبیعتیں جو سردی کے اثر سے ڈوبی ہوئی تھیں، آہستہ آہستہ اُبھرنے لگی ہیں۔ قدرتی جوش ترنم کا ہر سر میں ہو رہا ہے۔ وہ دیکھیے میاں نظیر بیٹھے گنگنا رہے ہیں۔ کچھ آزادوں کا سا لہجہ معلوم ہوتا ہے، مگر راہ اچھی ہے:۔

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آ کے کھلنا	اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنا

[1] بسنت ہندی چھ رُتوں میں سے ایک رُت کا نام ہے جو چیت سے بیساکھ تک رہتی ہے۔ موسم بہار۔ وسط مارچ سے آخر مئی تک کا موسم۔ وہ میلہ جو موسم بہار میں بزرگوں کے مزار اور دیبی دیوتاؤں کے استھانوں پر سرسوں کے پھول چڑھا کر کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا	اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا[1]
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا	
اک پھول کا گیندوں کے منگا یار سے بجرا[2]	دس من کا لیا یار گندھا ہاتھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا[3]	جا یار سے ہلکر یہ کہا "اے مرے رجرا[4]"
سب الخ"	
تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار	اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھوں[5] کی مقدار
آنکھوں میں نشے مے کے ابلتے تھے دھواں دھار	جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار:
سب الخ"	
پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ	ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ایڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منہ کے تئیں بھیڑ	ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آ چھیڑ
سب الخ"	
پھر راگ بسنتی[6] کا ہوا آن کے کھٹکا	دھونسے[7] کے برابر وہ لگا باجنے[8] مٹکا

[1] اس لفظ کی کوئی تحقیق نہ ہوسکی۔ دونوں نسخوں میں لکڑ بھونتا لکھا ہے۔ آزادوں کے لہجے میں لڑکے کو لکڑا اور لکڑے کو تخفیف لکڑ کر لیں تو عجب نہیں اور بھونتا دل کو بھانے والا۔ اے لکڑ بھونتا یعنے اے خوش ادا لڑکے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اکڑ بھونتا ہو اور انقلاب تصحیف سے موجودہ قالب میں در آیا ہو۔ اکڑ بھونتا اکڑ بھوں یا اکڑ فوں کا آزادانہ لہجہ۔

[2] بجرا ایک بڑی قسم کی گول اور خوش نما کشتی جس میں امیر لوگ بیٹھ کر سیر کرتے ہیں۔

[3] کجرا کاجل کا آزادانہ لہجہ۔

[4] رجرا راجہ کی تصغیر آزادوں کی گرامر کے مطابق۔

[5] دھوں ایک بیس سیر کا وزن۔ آدھا من۔ صحیح ادھون ہے۔ دھیلے کی طرح الف یہاں بھی تخفیف میں آیا۔

[6] بسنت سری راگ کی چوتھی راگنی۔

[7] دھونسا دمامہ بڑا نقارہ۔

[8] باجنے بجنے کا لہجہ آزادانہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دل کھیت میں سرسوں کے ہر ایک پھول سے اُٹکا
ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا

"سب الخ"

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ
سب کھیت اُٹھا سر کے اُوپر رکھ لیا جھجھاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ[۵۷]
ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی یہی جھاڑ

"سب الخ"

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج، اہاہا!
دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج، اہاہا!
بُلبُل کی نکلتی ہے صفیر آج، اہاہا!
کہتا ہی پھرتا ہے نظیر آج، اہاہا!

"سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا"

اب جوش میں کسی قدر اعتدال آیا تو پھر یوں گاتے ہیں:-

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو
جس کی نوید پہنچی ہے رنگِ بسنت کو
دی بر میں اب لباسِ بسنتی کو جیسے جا
ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آلگو
گر ہم نشے میں بوسہ کہیں، دو۔ تو لُطف سے
تم پاس مُنھ کو لا کے، یہ ہنس کر کہو کہ "لو"
بیٹھو چمن میں نرگس و صد برگ کی طرف
نظّارہ کر کے عیش و مسرّت کی داد دو
سُن کر بسنت مطربِ زرّیں لباس سے
بھر بھر کے جام پھر مئے گُلرنگ کے پیو
کچھ قُمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں راہ
کچھ بُلبُلوں کا زمزمۂ دل کشا سنو

"مطلب ہے یہ نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت"

[۵۷] جھاڑ تار سلسلہ قطار تسلسل۔

ہو تم بھی شاد، دل کو ہمارے بھی خوش کرو

ایک یار سے تو یوں مزے مزے کی باتیں ہوئیں۔ اب دوسرے صنم تشریف لاتے ہیں:-

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی — ہنس کر کہا یہ ہم نے "ای جاں بسنت آئی"
سنتے ہی اس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر — پوشاک زر فشانی اپنی دہیں رنگائی
جب رنگی آئی اس کی پوشاکِ پرنزاکت — سرسوں کی شاخِ پر گل پھر جلد اک منگائی
اک پنکھڑی اٹھا کر نازک سی انگلیوں میں — رنگت کو اس کی اپنی پوشاک سے ملائی[۱]
جس دم کیا مقابل کسوت سے اپنی اس کو — دیکھا تو اس کی رنگت اس پر ہوئی سوائی
پھر تو بصد مسرت، اور سو نزاکتوں سے — نازک بدن پہ اپنے پوشاک وہ کھپائی
چمپے کا عطر مل کر موقع سے پھر خوشی ہو — سیمیں کلائیوں میں ڈالے کڑے طلائی
بن ٹھن کے اس طرح سے پھر راہ لی چمن کی — دیکھی بہارِ گلشن بہرِ طرب فزائی
جس جس روش کے اوپر جا کر ہوا نمایاں — کس کس روش سے اپنی آن و ادا دکھائی
کیا کیا بیاں ہو جیسے چمکی چمن چمن میں — وہ زرد پوشی اس کی، وہ طرزِ دلربائی
صد برگ نے صفت کی، نرگس نے بے تامل — لکھنے کو وصف اس کا، اپنی قلم اٹھائی
پھر صحن میں چمن کے آیا بحسن و خوبی — اور طرفہ تر بسنتی اک انجمن بنائی

۱؎ تانیثِ فعل باوجود اظہارِ علامتِ مفعول اور اساتذہ کے کلام میں بھی ہے میرزا رفیع السودا فرماتے ہیں:- ڈالی بازار
سودا نے متاعِ دل کو، لٹ گئی دیکھتے ہی جنس خریدار کی طرح۔
مولوی عبدالقادر سورۂ بروج کے ایک فائدے میں لکھتے ہیں:- پھر شہر میں ہر محلے کے آگے کھائی کھدوائی۔ اُسے آگ سے بھری
یہ محاورہ اب بھی زبانوں پر ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُس انجمن میں بیٹھا جب ناز و تمکنت سے
گلدستہ اُس کے آگے ہنس ہنس بسنت لائی
کی مطربوں نے خوش خوش آغازِ نغمہ سازی
ساقی نے جامِ زریں بھر بھر کے مے پلائی

دیکھ اُس کو اور وہ محفل اُس کی نظیرؔ ہر دم
کیا کیا بسنت آکر اُس وقت جگمگائی

دوسرا راگ سُنیئے - ایک یار کی ڈیوڑھی پہ جاکر گا رہے ہیں :-

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا
ہے طُرفہ روزگار طرب زا بسنت کا
باغوں میں لطفِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوش دلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دل بُرا
ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا
جا در پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبح دم :
"ای جاں ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
تشریف تم نہ لائے جو ہو کر بسنتی پوش
کیسے گُناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا!
سُنتے ہی اس بہار سے نکلا کہ جس کے تئیں
دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا

اپنا وہ خوش لباس بسنتی دکھا نظیرؔ
چمکا یا حُسن یار نے کیا کیا بسنت کا

یہ تو ہندی راگنیاں ہوئیں - اب بعض عجمی مقام سُنیئے :-

زہے بسنت کہ آغازِ سرمایۂ بہارست و شروعِ پیرایۂ برگ و بار - بُلبل بہوائے بوسہ پاے گُل سراز زیرِ بال بر کشید و قمری تمنائے نظارۂ بالائے سرو، از کنجِ آشیاں پرید - شاخِ گلبن از غنچہ و گُل زیب خمیدن یافت و شمشاد و صنوبر با ہتزاز صبا زینتِ چمیدن - نسیمِ سحری شگفتگی افزود - و بادِ بہاری چہرۂ خُرمی نمود

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہالِ شوق بوفورِ بالیدن۔ وشاخِ تمنّا مسرورِ نودمیدن۔ حسن بآرائش، وعشق بافزایش۔ نغمہ سازان
بسرائیدنِ بسنت طرب فزا وترنم پردازان ترانۂ عندلیبان ہم صدا۔ ہر جا بزمِ نشاط، وہر مکان محفلِ انبسا[ط]

از جوشِ بہار زر فشانی		دلہا بہزار شادمانی	
وز کثرتِ خلعتِ طلائی		سامانِ ہزار دل کشائی	

وقتے بروزِ بسنت بہرِ نظّارۂ نازنینانِ نوبہار ودل فریبانِ بسنتی شعار برآمدم۔ چون واردِ کوچ[ہ]
گردیدم۔ چندیں نازنینِ بسنتی لباس را بہ سازِ طرب دیدم۔ مسرور شدم وگفتم ؎ چہ جاے غ[م]
چنین ست این لباسِ بسنت ÷ کہ دل بجلوہ رُباید ز دستِ سادہ[۱] بسنت ÷ تبسم کردند وبجاے تر[...]
زر متوجہ شدند۔

---

[۱] سادہ بے وقوف مودھو بھوندو بھولا بھالا سیدھا سادہ میر۔ ہر صبح جو خورشید ترے منھ پہ چڑھے ہے ÷ ایسا نہ ہو یہ سادہ کہیں جی سے اُتر جاے ÷ ایضاً کوئی سادہ ہی اُس کو سادہ کہے۔ لگے ہی ہیں وہ تو عیار سا۔ سادہ بسنت اُلّو بسنت۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر دہلی سے آگرے جاتا ہے

ابھی تک نظیر دہلی میں تھا۔ مگر اب سین بدلتا ہے۔ دہلی جہاں وہ پیدا ہوا جہاں اُس نے پرورش پائی جہاں وہ جوان ہوا اُس کو ایک تازہ اور بڑی آفت کا سامنا ہے۔ نادر[51] کو اپنی خونریزیوں کا سکہ بٹھا کر گئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا۔ ظالم کی عمر کوتاہ گو وہ اس جہان سے جا چکا ہے مگر احمد شاہ دُرانی اُس کا جانشین موجود ہے اُس کے دو حملے متواتر ہو چکے ہیں۔ گو پہلے حملے میں سرہند[52] کے میدان میں محمد شاہ کی خوش قسمتی سے احمد شاہ اس کے بیٹے کے ہاتھ سے شکست کھا کر اُس کو لوٹ جانا پڑا تھا مگر محمد شاہ کی آنکھ بند ہوے پیچھے[53] اب تو وہ لاہور اور ملتان دونوں کو دبائے بیٹھا ہے[54] بادشاہ[55] سلامت ایک نامرد مگر مُنھ چڑھے خواجہ سرا کے مارے جانے سے اپنے وزیر اعظم صفدر جنگ (صوبہ دار اودھ) سے بیزار ہیں اور انتقام کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ غازی الدین اگرچہ صفدر جنگ ہی کا بڑھایا ہوا ہے اور سپہ سالاری کے رُتبے کو اُسی کا پہنچایا ہے۔ مگر اس نامردانہ کام میں پادشاہ کا دست و بازو بنتا ہے۔ اس اختلاف کے سرچشمے سے شہر میں خون کی ندیاں بہتی ہیں۔ ہولکر آن کر ان ندیوں پر پُل باندھتا ہے۔ صفدر جنگ مصلحت وقت سمجھ کر کنارے ہو جاتا ہے گو بادشاہ

---

۵۱ نادر کا حملہ ۱۷۳۹ء میں ہوا تھا۔

۵۲ احمد شاہ نے دُرانی کو مارچ ۱۷۴۸ء میں میدان سرہند میں شکست دی تھی۔

۵۳ محمد شاہ اپریل ۱۷۴۸ء میں مرا۔

۵۴ دُرانی کا دوسرا حملہ ۱۷۵۱ء میں ہوا تھا۔

۵۵ احمد شاہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلے سے آنکھیں کھوئے بیٹھا تھا مگر جب غازی الدین کی بے اعتدالیوں سے اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور چشم نمائی کے لیے شہر سے باہر جاتا ہی تو بعوض اس کے کہ کامیابی اُس کو آنکھیں نکالنے کا موقع دے فلک خود اُس کی آنکھیں نکلواتی ہی۔[51] اور اہل نظر سے آیۂ فاعتبروا یا اولی الابصار پڑھواتی ہی۔ عالم گیر ایک ناتجربہ کار شخص اس کا جانشین ہوتا ہی۔ غازی الدین اس سے وہ کام لیتا ہی جو کٹھ پتلی والے کٹھ پتلیوں سے لیتے ہیں۔ اپنے حریف صفدر جنگ کے مرنے کے بعد آپ وزیرِ اعظم بنتا ہی۔ مگر اس بڑے عُہدے کی عزت سنبھال نہیں سکتا۔ ظالمانہ کارروائیاں اُس کی اہلِ لشکر کو بیزار کرتی ہیں۔ اور اُنھیں کے ہاتھ سے اُس کو سروپا برہنہ سڑکوں پر گھسٹواتی ہیں۔ اپنی سنگ جانی سے بچ نکلتا ہی اور سنگ دلی سے تمام باغیوں کو خون میں نہلاتا ہی۔ پھر دماغ جو چلتا ہی تو دُرّانی کے مقابلے کے حوصلے ہوتے ہیں۔ پنجاب تشریف لیے جاتے ہیں اور دُرّانی کے جانشین کو غرفش دکھاتے ہیں۔ دُرّانی ایسے کُتوں کو کب خاطر میں لاتا ہی۔ بجلی کی طرح اُنڈ آتا اُترتا ہی۔ اور جنگی سونٹے سے ان کی خبر لیتا ہی۔ یہ دُم دبا کر انقیاد و اطاعت کے خیموں میں گھسے پھرتے ہیں۔[52]

اہلِ دہلی جن کے نگاہوں کے سامنے نادر کی تصویر لباسِ خونی میں پھر رہی ہی اُن کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا۔ اُس قیامتِ صغرےٰ کو ابھی پورے اٹھارہ برس نہیں ہوے۔ لوگوں کے دلوں سے ابھی عزیزوں کے داغ نہیں بھولے۔ سیکڑوں مکان ابھی تک بے مکیں پڑے ہوے ہیں۔ آباد نہیں ہوے۔ ہزاروں عورتیں ہنوز اپنے لُٹے ہوے زیوروں کو رو رہی ہیں پورے بن نہیں چکے۔ نظیر کو گو نادر کے حملے

---

[51] احمد شاہ ۱۷۵۴ء میں تخت سے اُتارا گیا اور اسی سال اُس کی آنکھیں نکلوائی گئیں۔ غازی الدین نے نکلوائیں۔

[52] یہ ۱۷۵۶ء کا واقعہ ہی۔ دُرّانی کا تیسرا حملہ یہی ہی جس میں وہ دہلی آیا اور نادر شاہ کے واقعۂ خوں ریزی کو تازہ کردیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وقت ہوش نہ تھا مگر ہوش سنبھلتے ہی وہ اس کی ہوش اُڑانے والی داستانیں سُننے لگا۔ چشم دید بیان کرنے والوں کی گزشتہ خوف کے تصور سے پتھرائی ہوئی آنکھیں اور اوپر کو کھنچی ہوئی بھنویں اُس کے آغاز عمر کے توہم آمیز دل پر نقش کالحجر ہو گئی ہیں۔ عجب نہیں اگر وہ گہوارے میں بھی نادر کے تذکروں سے ڈرایا گیا ہو۔ نادر کو وہ آدمی سے کچھ زیادہ اور دیو سے کچھ کم سمجھتا ہے اور کیوں کر نہ سمجھے کہ گھر کی عورتیں اُس کا نام سُنتے ہی کانپ اُٹھتی ہیں۔ اُن کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور قریب قریب اُن پر وہ عالم طاری ہوتا ہے جو تسلیط کے وقت آسیب زدوں پر ہوتا ہے۔

دُرانی کے دہلی آنے کی خبریں شہر میں گرم ہیں۔ بقول عقلائے فرنگ۔

	بُری خبروں کے لگ جاتے ہیں پر سے	

یہ خبریں بُرائی کے اُنھی ضرب المثل پروں سے اُڑتی پڑتی نظیر کے گھر میں بھی پہنچی ہیں گھر کی عورتوں کے دل تو وہ تھے کہ اگر لوگ جھوٹوں بھی کہتے تو وہ سچ جانتیں چہ جائے کہ یہاں تو بدقسمتی سے خبر بھی سچ تھی سُنتے کے ساتھ سب کے ہوش جاتے رہے۔ عورتوں کا بڑا بنک ہی زیور۔ اس پر پنڈول کا پہرہ بٹھایا گیا۔ شاید یہ پہرا نادر کے حملے کے وقت بھی مُفید ہوا ہو۔ اور نظیر سے بُلا کر کہا گیا کہ بابا یہ شہر اب رہنے کے قابل نہیں۔ تم کو کیا خبر۔ تم اس مصیبت کو کیا جانو۔ ہم لوگ اپنی آنکھوں سے اُس ولایتی گدڑیے کے کرتوت دیکھ چکے ہیں۔ سوا پہر شہر میں لہو کی ندیاں بہتی رہیں۔ لوگوں کے سرکٹورہ کی طرح تیرتے پھرتے تھے۔ لوٹ مچی تو ایسی کہ دو مہینے تک ولایتیوں نے دم نہ لیا۔ گھر گھر گھستے پھرتے تھے اور جان مال آبرو سب پہ ہاتھ مارتے تھے۔ دُرانی بھی آخر اُسی کا چیلا ہے۔ یہ بھی زہری کا بُجھا ہوا ہو گا۔ اُس دفعہ نہیں معلوم کیوں کر ہم لوگوں کا گھر بچ گیا۔ شاید غریبی آڑے آئی ہو۔ مگر اب کے بچنے کی کوئی شکل نہیں۔ جس طرح بنے یہاں سے جلد نکل چلو۔ شہر میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھاگ کر بچ چکی تھی۔ اُس پر عورتوں کی اشک آلودہ تقریر۔ نظیر بے چین ہوگیا۔ فوراً جس طرح بن پڑا رتھ بہلی و
جو سواری میسر ہوئی۔ دروازے پر لاکر کھڑی کی۔ گھر میں دو ہی عورتیں تھیں۔ ما اور نانی۔ تیسرا آپ۔ نانی
حواس کچھ تو بڑھاپے نے کھوئے تھے کچھ اس آفت کے تصور کی نذر ہوئے۔ وہ کیا کرتیں۔ البتہ ماکسی ق
حواس میں تھیں۔ نظیر اور اُنھوں نے دونوں نے مل کر سارا اسباب سمیٹا۔ اور سواریوں پر ڈھکانے سے رکھ
گھر تھا تو خالی یہی تین تو ہوں گے نہیں۔ آخر لونڈیاں باندیاں نوکر چاکر بھی ہوں گے۔ چلنے لگے تو اچھا خاصہ
دس بارہ آدمیوں کا قافلہ تھا یہ قافلہ آگرے کو روانہ ہوا۔ اُس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی کہ آگرے ک
کیوں اختیار کیا گیا۔ شاید کوئی قرابت مند پہلے سے وہاں ہوں۔ یا یہ خیال ہو کہ دہلی کے بعد اُس سے بہتر
اُن دنوں کوئی شہر محفوظ و معمور نہ تھا۔ بہر حال کوئی سبب ہو۔ یہ لوگ بجناح استعجال آگرے پہنچے اور
وہاں مٹھائی کے پُل پر قیام کیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی شادی

جب تک ہندوستان میں دُرانی کے قدم رہے کس کی شامت آئی تھی کہ شادی کا نام لیتا- تمام ملک میں ایک زلزلہ مچا ہوا تھا اور ہر طرف بے امنی پھیلی ہوئی تھی- آنے کو نظیر آگرے سے آیا مگر اُس آفت نے اُس کا یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا- آگرے کے قریب تک یہ بلا پہنچ چکی تھی- وہ تو خیریت ہوئی کہ اُس کے لشکر میں وبا پھیلی جس کی وجہ سے کچھ یوں ہی سا لوٹ کر جاٹوں کے ملک کو متھرا کے ایک مذہبی میلے میں کئی ہزار جوگیوں سناسیوں اور دوسرے ہنود کی بھینٹ لیتا ہوا اوپر ہی اوپر اپنی ولایت کو لوٹ گیا-

آدمی کی یہ بھی فطرت ہے کہ خطرہ اگرچہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر جب وہ ٹل گیا تو پھر ایسا بے فکر ہو جاتا ہے گویا کبھی وہ خطرہ تھا ہی نہیں- طرفہ یہ ہے کہ جس قدر خطرہ بڑا ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ زور سے طبیعت انسانی کا خاصہ ظاہر ہوتا ہے-

دُرانی کے حملے سے دلوں میں جو پریشانیاں پیدا ہوئی تھیں وہ انتہائی درجے کی تھیں- مایوسی کا یہ حال تھا کہ کم ہی اشخاص ایسے ہوں گے جو یہ نہ سمجھتے ہوں کہ ہم پر حضرت عزرائیل کا آٹھوں پہر سخت پہرا ہے- عالمِ تردّد میں جب نفس تنگی کرنے لگتا تھا تو بعض اوقات خود اپنا جسم قبر بنکر فشار دیتا تھا- تنہا مکان میں بیٹھے ہوئے ہیں بیٹھے بیٹھے آنکھوں کے تلے یکایک اندھیرا چھا گیا- کانوں کو نکیرین کی آہٹ سُنائی دینے لگی- سوالات کا تار بندھا ہوا ہے- اور یہ ایک دو روز کی کیفیت نہ تھی- بلکہ مہینوں کا مشغلہ-

مقامِ غور ہے کہ جب اِن مصیبت مندوں کے سر سے وہ بلا ٹلی ہو گی تو پھر اُن کے دلوں میں خیالات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شکر کس زور سے ابھرے ہوں گے۔ کتنے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھے ہوں گے اور کتنے سر سجدے میں جھکے ہوں گے۔
کتنی چادریں کن کن مزاروں پر چڑھی ہوں گی اور کتنی منتیں کہاں کہاں اُتری ہوں گی۔

لیکن کیا اس صدمۂ عظیم کی تلافی کے لیے یہی معمول رسمی باتیں کافی ہو سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ نیچر جو اپنے وقت کا ابن سینا ہے اپنا قانون لے کر آتا ہے اور غفلت کی معجون کھلا کر گزشتہ ہولناک واقعات کو دلوں سے یک قلم بھلا دیتا ہے۔ طفلانہ خوشیاں اور اُمنگیں آن بھرتی ہیں اور بے فکریوں کے مشغلے ہر طرف کثرت سے پھیل جاتے ہیں۔

نظیر کے گھر میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ کچھ تو ان کی جبلت میں بزدلی کچھ سن کا تقاضا تھا۔ درانی کے خوف سے جس قدر ان کے دل چُور ہوئے تھے شاید کم کسی کے ہوئے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ اس اتنی مدت تک یہ زندہ کیوں کر رہیں۔ بہر حال جب اس مصیبت کو جھیل گئیں تو اب تو خدا نے اچھے دن دکھائے۔ ابتدائی مراتبِ شکر وسپاس سے فراغت حاصل کر کے سب سے پہلے ان کے خیالات نظیر کی شادی کی طرف رجوع ہوئے۔ نظیر جوان ہوا۔ تنہا گھبراتا ہوگا۔ کوئی دلہن سلیقے کی مل جاتی تو اس کا دل بہلتا۔ لڑکے کی خبر گیری کچھ مردوں ہی سے خوب ہوتی ہے۔ ہم کیا جان سکتے ہیں کہ کہاں جاتا ہے کہاں آتا ہے شہر کا واسطہ ہے۔ ہر طرح کی صحبت ہے۔ خدا جانے کس صحبت میں بیٹھ کر کیا ڈھنگ اختیار کرے۔ اس کے آبا یہاں ہوتے تو اس کو روکتے ٹوکتے۔ ہم پردے کی عورتیں کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ پرایا شہر ہے۔ اس میں ہم کو کون جانتا ہے ہم کو کون بیٹی دے گا۔

نظیر جب سے آگرے میں آیا تھا۔ ابتدا میں تو یہ بھی ترددات میں مبتلا رہا۔ نیا شہر تھا۔ دنیا کا بہت زیادہ تجربہ اس کو نہ تھا۔ تمام انتظام نئے کرنے تھے۔ مکان کا نیا بندوبست۔ فرش فروش کا نیا بندوبست۔ پانی کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیے نیا سقا۔ کپڑوں کے لیے نیا دھوبی۔ خلاصہ یہ کہ خانہ داری کے تمام جزئیات و کلیات اُمور کا از سرنو انتظام۔ اِن جھگڑوں سے جب فراغت ہوئی تو رفتہ رفتہ اِس نے کام کے لوگوں سے تعارف پیدا کرنا شروع کیا۔ کچھ تعارف تو انتظامِ خانہ داری کے ضمن میں بھی ہوا تھا مگر اُس میں کچھ اُس کے مذاقِ خاص کو دخل نہ تھا۔ اب یہ ایسے لوگوں سے تعارف پیدا کرنے لگا جن میں اس کی دل بستگی اور پسند کے لائق صفتیں موجود تھیں۔ کہیں سُنا کہ فلاں نوجوان نہایت ذہین اور طبیعت کا چالاک ہے۔ اُستاد اُس کے مدّاح ہیں اور شہر میں اُس کی بڑی تعریف ہے۔ فوراً کسی تقریب سے اُس سے جا ملا اور رسم آشنائی بڑھا کر مبادلۂ خیالات کرنے لگا۔ ہر چند ایک ذکی دوسرے ذکی اور ایک طبّاع دوسرے طبّاع کا جلد قائل نہیں ہوتا مگر غیر معمولی طبّاعی و ذکاوت کا کوئی کب تک انکار کر سکتا ہے۔ انصاف پسندی غالب آتی ہے اور نظیر کی اذکیا کی انجمن میں خود اذکیا کی زبان سے تعریف ہوتی ہے۔

اُن دنوں اظہارِ جودت کا ایک بہت بڑا موقع مشاعرہ تھا۔ میر تقی کی شاعری اوج پر تھی۔ تمام شہر اُن کا لوہا مانتا تھا۔ جس مشاعرے میں یہ شریک ہوتے اُس کا مہینوں تذکرہ رہتا۔ اکثر سخن فہم اور سخن سنج اُن کا نام سُن کر بشوق شریک ہوتے اور محظوظ واپس آتے۔ شرکاء مشاعرہ کے رنگین اور چیدہ اشعار ہر ایک کی زبان پر ہوتے۔

نظیر دہلی سے آیا تھا تو شعر کہتا ہوا آیا تھا۔ جوانی عاشقی کا گہرا رنگ اُس کے مزاج میں بھر رہی تھی۔ طبیعت کی شوخی ہر وقت ایک تازہ گلدستہ سامنے لیے رہتی تھی۔ پہلے تو دو ایک دفعہ یوں ہی شریکِ مشاعرہ ہوا جب اپنے ہم عمر سخن گویوں کا رنگ ڈھنگ دیکھ لیا تو ایک دفعہ خود اس کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ لاؤ اب کے میں بھی تو کچھ لکھوں۔ اور لوگ لکھتے تھے تو اساتذہ کی تقلید کرتے تھے بڑی فکر سے لکھتے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہفتوں میں غزل تمام کرتے۔ پھر اُستاد کے حضور لے جاتے۔ اُستاد کچھ شعر کاٹتے کچھ چھانٹتے۔ کسی شعر کی اصلاح فرماتے۔ بعض مُنہ چڑھے شاگرد کو دو ایک شعر اپنے خزانۂ طبیعت سے بھی عطا کرتے۔ گو اس ترکیب سے معمولی واہ واہ سبحان اللہ سے اُن کے کان آشنا ہو جاتے تھے مگر کوئی غیر معمولی چرچا نہیں پھیلتا تھا۔ نظیر اپنا اُستاد آپ تھا۔ ہرچند تھوڑی بہت تقلید سے تو چارہ نہ تھا مگر طبیعت کی آزادی اور شوخی زیادہ تر اپنی طرف کھینچ کرلے جاتی تھی جس سے قوتِ ایجاد کو پھولنے پھلنے کا اچھا موقع ہاتھ آتا تھا۔ اِسی عالم میں اُس نے ایک شگفتہ اور لطیف غزل طیار کی۔ امتحاناً کسی دلی دوست کو سُنائی تو وہ مُصر ہوے کہ اس کو اب کے مشاعرے میں پڑھو اور ضرور پڑھو۔ تقریب کا میرا ذمہ۔ نظیر اُس دوست کی صلاح پہلے تو انکسار سے نہیں مانتا مگر خودنمائی دامن نہیں چھوڑتی بقولِ غنیمت ؎ پری رو تابِ مستوری ندارد ٭ چو در بندی سر از روزن بر آرد ٭ آخر جاتا ہی۔ نظیر کو آئے ہوے اتنا زمانہ ہو گیا تھا کہ کسی طرح میر صاحب تک بھی اس کا تذکرہ پہنچ گیا تھا۔ جب اس کی غزل کی تقریب کی گئی میر صاحب نے اپنے مقدّس لبوں سے اظہار تبسم فرما کر ایک مُربیانہ ادا سے یوں ارشاد کیا۔ ہاں بھئی۔ پڑھو اور ضرور پڑھو۔ کُلّ جدید لذیذ دہلی کے چٹخارے تو مشہور ہیں۔

دل کی دھڑ پکڑ اُس وقت قابلِ ملاحظہ تھی۔ مگر تقریب ہو چکی تھی۔ اتنا بڑا اُستاد شوق ظاہر کر چکا تھا پھر سوا پڑھنے کے چارہ کیا تھا۔ دل کو کڑا کر کے بند سے غزل کھولی۔ اور ہاتھ میں ورق کو مضبوطی سے تھام کر ایک نیم محجوب ادا سے لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔ چاروں طرف سے ارشاد ارشاد کا غُل تھا جس وقت نظیر نے یہ مطلع پڑھا ہی لوگوں کا عجب عالم تھا۔

نظر پڑا اِک بتِ پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر آفت غضب خدا کا

ختمِ غزل پر میر صاحب نے قریب بُلا کر پیٹھ ٹھونکی اور مکرر فرمایا عمرت دراز باد۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس مشاعرے کا یہ ذکر ہے اُس میں گو میر صاحب نے بھی غزل پڑھی لوگوں کے دلوں میں نظیر کے اشعار نے تعجب کے خیالات اس کثرت سے بھر دیے تھے کہ کسی اور بات کی گنجائش ہی نہ تھی رنگ جمتا تو کیوں کر جمتا۔ اُن دنوں کے حافظے دفتر کے دفتر یاد رکھ سکتے تھے مگر ساتھ اس کے بھی بنظرِ مزید احتیاط کئی نقلیں لوگوں نے وہیں لیں اور کئی نظیر کے گھر پر آکر لے گئے۔ نظیر اپنی اس کامیابی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ جدھر جاتا تھا لوگوں سے داد پاتا تھا۔ جوان مرحبا اور حبذا کہتے تھے اور بوڑھے ماشاء اللہ چشم بد دور فرماتے تھے۔ شدہ شدہ اُس کی شہرت ملکوں کی گلی میں بھی پہنچی۔ وہاں ایک دہلی کے بادشاہی احدی رہتے تھے۔ اُن کا نام تو معلوم نہیں اور چنداں اُس سے غرض بھی نہیں مگر اُن کے ایک داماد تھے جن کا نام محمد رحمن تھا۔ احدی صاحب کی چوں کہ اللہ آمین کی ایک ہی بیٹی تھی اپنے داماد کو بہت چاہتے تھے۔ گویا ایک طور پر اُن کو خانہ داماد کر لیا تھا۔ اُن کے دو لڑکے تھے خیر الدین اور کریم الدین اور ایک لڑکی جس کا نام معلوم نہیں۔ یہ لڑکی اب اُس عمر کو پہنچی تھی جس میں بزرگوں خصوصاً بزرگ عورتوں کو بڑی فکر ہوتی ہے۔ خانہ دامادی کے سبب باپ تو بے فکری کے ساتھ دونوں وقت کھاتے اور دندناتے تھے مگر ماں اور نانی کو نیند نہ آتی تھی۔ احدی صاحب پر ہر حیلے بہانے سے تقاضے ہوتے کہ اس کی شادی کی فکر کرو۔ وہ بھی کہتے مجھے خیال ہے۔ فکر ہی میں ہوں کوئی ڈھب کا پیام آئے تو کہوں۔ اسی اثنا میں نظیر کی طباعیوں کا حال سُنا۔ کسی موقع پر جب وہ تاج بی بی کے روضے کی سیر کو باغ میں آیا تھا تو اُس کو دیکھا بھی تھا۔ احدی صاحب کے دل میں بڑے زور سے خیال آیا کہ ہم بھی دہلی کے ہیں اور اس لڑکے کا خاندان بھی دہلی کا ہے۔ کیا خوب ہوتا کہ یہ لڑکا ہم کو ملتا۔ شہر میں مشاطوں کی کیا کمی ہے۔ ایک کو بلاؤ دس دوڑی آئیں۔ احدی صاحب نے کسی مشہور مشاطہ کو بلایا اور اُس سے اپنا عندیہ بیان کیا۔ اُس نے کہا آپ فکر نہ کیجیے۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دو ہی چار روز کا ذکر ہے کہ خود لڑکے کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماں نے مجھ کو بلا کر بڑی منت اور سماجت سے کہا تھا اچھی کوئی لڑکی میرے ولی محمد کے لیے ٹھہرا دیتیں۔

مشاطہ احدی صاحب کے ہاں سے چل کر نظیر کے گھر آتی ہے اور یہاں اُس کی مانا نی پاس اپنا رنگ جماتی ہے دولہن کی صورت کی تعریف کرتی ہے۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ ہنر سلیقے کی بڑائی ہانکتی ہے۔ دسوں اُنگلیاں دسوں چراغ۔ حسب نسب کی خوبیاں جتاتی ہے۔ اِن کے بزرگوں میں بڑے بڑے لوگ ہو گزرے ہیں۔ ملکوں کی گلی اُنھی کی آبادکی ہوئی ہے۔ پہلے اِن لوگوں کا بڑا دور دورہ تھا۔ قوم کے مغل تو ہیں ہی اور مغل بھی کون چغتائی۔ اِن کی جواں مردی میں شک کس کو ہو سکتا ہے۔ ملک میں لڑائی تھی۔ بادشاہ حیران تھے۔ کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تھی۔ آخر لوگوں نے نام تو یاد نہیں مگر اُن کے پرکھوں میں جو سب سے بڑے ہو گزرے ہیں اُن کا نام لیا۔ چھوٹتے ہی بلوائے گئے اور لڑائی پر روانہ ہوے۔ کل جمع اِن کے ساتھ دو سو سپاہی تھے اور غنیم کی طرف خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کم سے کم دو لاکھ۔ مگر اُن کی بہادری اور جرأت کے صدقے جائیے کہ دو گھنٹے میں پھر ایک کا بھی کہیں پتا نہ تھا۔ سچ ہے تلوار کی آنچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ غرض اُسی دن سے اُن کو بادشاہ نے تمام فوج کا سردار کیا۔ اور یہ سپہ سالار کے نام سے مشہور ہوے۔ مگر بیوی دولت ڈھلتی پھرتی چھانو ہے۔ اور نوکری موت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ عروج دیکھ کر لوگ جلنے لگے۔ درانداز نے بادشاہ کے کان بھرے۔ بادشاہ تھے ذرا کان کے کچے۔ دم میں آ گئے۔ حاکم کا قہر اور گنگا کی لہر مشہور بات ہے۔ فوراً حکم ہو گیا کہ کل صبح تک شہر چھوڑ دو نہیں بال بچے سب کو لو میں پلوا دیے جائینگے۔ اِس حکم کے بعد کھانا پینا کس کو خوش آسکتا تھا۔ راتوں رات وہاں سے روانہ ہوے اور آگرے ہی میں آکر دم لیا۔ اُسی زمانے سے پُرانی منڈی میں باغ خان عالم کے قریب ملکوں کی گلی میں آباد ہیں۔ پہلے تو بہت کچھ تھا مگر اِس گئے گزرے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں کبھی کسی کے محتاج نہیں۔ دس کو دے کر کھاتے ہیں اور شہر میں ان کی بڑی آب ہے۔

اِس طرح کی باتوں سے نظیر کی ماں نانی کو وہ ایک آن میں شیشے میں اُتار کر قول قرار لے کر پھر ملکوں کی گلی واپس جاتی ہے اور ہنستی ہوئی بڑے دعوے کے ساتھ انعام کا تقاضا کرتی ہے۔ سب آؤ بھگت سے اُس کو اونچی پیڑھی پر بٹھاتی ہیں اور پان پہ پان اور زردے پہ زردہ دیے جاتی ہیں۔ بی مشاطہ پھر اصل پیام سُناتی ہیں۔ اور ہنسی خوشی گھی شکر سے اُن کا مُنھ بھرا جاتا ہے۔

ابتدائی اُمور کے بعد پھر ضابطے کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ نظیر کے گھر کی عورتیں نظیر کو اپنے ارادے سے مطّلع کرتی ہیں۔ وہ ایک خوش آیند ادا سے مسکرا کر شرماتا ہوا جواب دیتا ہے۔ جیسی آپ لوگوں کی خوشی۔ اس رضامندی کے متعلق پیشین گوئی کرنے والیاں داد لینے کو اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ کیوں بیوی میں نہ کہتی تھی صاحب زادے آپ کے حکم سے باہر نہ ہوں گے۔ پھر کسی دن نظیر کو رقعے کی تکلیف دی جاتی ہے۔ جو اُس پہ جبر گزرتا ہے مگر کسی طرح اپنے حسب و نسب کا رجز سُنا کر رہتا ہے۔ ملکوں کی گلی میں تو ناموں کی ایک لمبی فہرست گئی ہو گی مگر مجھے اُن میں سے صرف دو ہی معلوم ہوئے۔ ایں ہم غنیمت ست۔ وہ دو یہ ہیں۔ محمد فاروق۔ اور محمد سُلطان۔

رقعے کے بعد سخن ہارنے کی باری آئی۔ نوری دروازے سے نظیر کی ماں اور نانی دو ایک اَور پاس پڑوس کی عورتوں کو لے کر احدی صاحب کے گھر پہنچیں اور تجاہلِ عارفانہ کے ساتھ سخن ہار آئیں۔ اس لڑکی کو میں لوں گی۔ میں تم سے اس لڑکی کو مانگتی ہوں۔ یہ لڑکی تم مجھے دو۔ بقول شخصے من بھاوے مُنڈیا ہلاوے۔ اُدھر سے بھی کچھ عاجزی انکساری کے کلمات کے ساتھ کہ ہم تمھارے لائق تو نہیں ہیں۔ اس لڑکی میں کیا ہے جس پہ تم ریجھی ہو۔ اظہارِ رضامندی کیا گیا۔ اور آخر تاریخ منگنی کی مقرر ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar.

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

منگنی کے ایک ہفتہ قبل سے راگ رنگ شروع ہوا۔ نظیر کے گھر میں الگ۔ اور نظیر کی منگیتر کے گھر میں الگ۔ اگر اِدھر گھوڑیاں گائی جاتی تھیں تو اُدھر سہاگ۔ یوں منگنی کی خبر گھوڑیوں پر سوار ہو کر بڑے سہاگ سے نکلی اور گھر گھر پہنچی۔

خیر سے وہ منگنی کی شبھ گھڑی یعنک ساعت بھی آہی پہنچی۔ نظیر رنگین لباس پہن کر دولھا بنتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لباس سے زیادہ آج کچھ اُن کی طبیعت رنگین ہو رہی ہے۔ اپنے احباب اور مستورات کے ساتھ خوش خوش دُلھن کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اندر باہر خوشی کا باغ لگا دیتے ہیں۔ عورتوں کے سواریوں سے اُترتے ہی چڑھاوے کے سامان گھر میں پھیل جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیور۔ گوٹے پٹھے اور پھولوں کے گہنے۔ دُہری دُہری انگوٹھیاں۔ مصری کے کوزے۔ خوش نما سنگاردان۔ اُن میں سونے چاندی کے ورق سے مڑھی ہوئی پان کی بیڑیاں۔ دُلھن کے ہاتھ پر رکھنے کے لیے رُومالوں میں بندھے ہوئے روپے اشرفیاں گود میں ڈالنے کے لیے ناریل کھیلیں بتاشے لڈو۔ مٹکیوں میں بھری بھری کئی من شیرینی۔

اس سامان کے ساتھ گھر میں ایک خاص خوشی پھیل جاتی ہے۔ اب جس شخص کو دیکھیے اُس کی پیشانی ایک خاص روشنی سے چمکی ہوئی ہے۔ دلی اُمنگوں نے ہاتھ پاؤں میں بھی پھرتیاں بھر دی ہیں۔ کوئی لپک کر اِدھر آتی ہے کوئی جھپٹ کر اُدھر جاتی ہے۔ زنان خانے کی پُرانی دنیا میں نئی دنیا کی ہل چل ہے۔ اسی دنیا میں ایک نئی نویلی رنگیلی البیلی کسی گوشے میں بیٹھی ہے۔ لوگوں کی ہر آہٹ اُس کے دل میں بجلی کی لہریں پیدا کر رہی ہے۔ دل کیا ہے خاصا لیڈن جار ہے۔ دور کی آہٹ رفتہ رفتہ ایک ممتاز چاپ ہو جاتی ہے۔ سگھڑ سہاگنوں کا ایک خوش نما جھنڈ اندر داخل ہوتا ہے۔ سُرخ جوڑے سے شفق پھولتی ہے۔ گوٹے پٹھے سے بجلیاں چمکتی ہیں۔ زیورات سے تارے چھٹک جاتے ہیں۔ غرض ایک سادی خوزادی آرایش و زیبایش کے طلسم سے خاصی دُلھن بن جاتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سمدھنیں آنکھیں بچھائے باہر بیٹھی ہیں۔ دلھن کی عمر ہی کیا ہی پھول ہو رہی ہی۔ اس خوش بو پھول کو لوگ گود میں اٹھا کر سمدھنوں کی گود میں لا رکھتے ہیں۔ سمدھنیں اور کون نظیر کی ماں اور نانی۔ یہ دونوں رنگ ڈھنگ دیکھ کر جامے میں پھولی نہیں سماتیں۔ دلوں سے خوشی کی بلبل چہک کر لبوں پر آ بیٹھتی ہی۔ اور "شادی مبارک" کا مبارک راگ بلند کرتی ہی۔ جہیز کے زیوروں پر چڑھاوے کے زیور تاروں بھری رات میں جگنو چمکاتے ہیں۔ شیریں لبوں کو مصری قند مکرر بناتی ہی۔ بیڑہ زمرد سے لعل نکالتا ہی۔ ناریل کھیلیں تباسے لڈو بھری ہوئی گود میں حلوائی کی دکان کھول دیتے ہیں۔

گود بھری جا چکی تو گھونگھٹ کی گھٹا دور ہوئی۔ منہ چاند سا نکل آیا۔ آنکھیں ایک خاص ادا سے مندی ہیں چہرے پر اچھی خاصی تمتماہٹ ہی۔ بھولا پن رنگ لا رہا ہی۔ نیک بختوں کا بلائیں لینے کو جی چاہتا ہی۔ دلوں سے دعائیں نکل رہی ہیں۔ انگلیاں خیال کی چٹخ رہی ہیں۔ دونوں ہاتھوں میں رومال سے کھول کر روپے اور اشرفیاں رکھی جاتی ہیں۔ دہنے ہاتھ میں انگوٹھیوں کی بہار نظر آتی ہی۔ صدقے میں میراثنیں بھی کچھ پا جاتی ہیں۔ کہیں وہ نازک پھول کمہلا نہ جائے اس خیال سے اس کو گود میں اٹھا کر پھر کوٹھری میں رکھ آتی ہیں عطر کی شیشیاں دل کھول کر اخلاق کرتی ہیں۔ پھولوں کے ہار گلے کا ہار ہوتے ہیں۔ شربت منہ میٹھا کرتا ہی۔ نقدی شکریہ ادا کرتی ہی۔ پھر اخیر میں چھالیا الائچی رخصت کے پان دیتی ہی۔

اندر کا حال تو سن چکے۔ اب باہر کا حال سنیے۔ برادری برابری مشہور بات ہی۔ جب دلھن کو چڑھاوا گیا تو کیا دولھا کو نہ جاتا۔ نظیر بے چارہ مسافرت میں تھا۔ ہر چند اس کی ماں نانی دہلی کا ہنر سلیقہ رکھتی تھیں مگر بے سر و سامانی میں کیا کر سکتی تھیں۔ دلھن کے نانا شہر کے رئیس تھے۔ قدیم گھرانا تھا۔ وافر آمدنی تھی۔ سب طرح کا اطمینان رکھتے تھے۔ بیگم صاحب بھی دل کی سخی تھیں۔ بڑے حوصلے سے دولھا کا چڑھاوا بھیجا۔

گوٹے اور پھولوں کے گہنے ایسے تھے کہ سب بے اختیار درود پڑھنے لگے۔ آنکھوں میں روشنی آئی دل نے تازگی پائی۔ دوشالہ خاص کشمیر کا۔ ملاست میں ملائی نرمی میں ریشم۔ نقش و نگار میں قلم کار چھینٹ۔ رومال میں طاق۔ روے حور کو کچھ مال نہ سمجھیں۔ تارِ زلف کو اگر کچھ سمجھیں تو چرخے کی مال سمجھیں۔ مردوں کو زیورات سے کیا کام۔ مگر نوشے کا ہاتھ خالی دیکھا نہیں جاتا۔ انگوٹھے کے لیے چاپ انگشتانہ ہو۔ چھوٹی انگلی کے لیے ایک مختصر سی انگشتری۔

نظیر نے گوٹے اور پھولوں کے گہنے تو بیٹھے ہی بیٹھے پہنے۔ جب دوشالے کی باری آئی تو کھڑا ہونا پڑا شگفتہ مزاجی کی صبح میں سہانی شفق پھولی۔ چاپ انگشتانے نے دہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو دل میں بٹھایا اس خیال سے کہ نوشاہِ بلاغت کا چاؤش تھا۔ انگشتری نے چھوٹی انگلی کو آنکھوں میں جگہ دی اس نظر سے کہ نوعروس فصاحت کی سہیلی تھی۔ رومال نے ہاتھ میں لالہ زار کھلایا نقدی نے نثار ہو کر گلِ اشرفی کی بہار دکھائی تسلیم کی شاخ سے سلام کے پھول برسنے لگے۔ پھر عطر کی خوش بو پھیلی۔ پان کا رنگ جما۔ شربت کے مزے ہوئے۔ چلیے۔ منگنی ہو گئی۔ مبارک۔ سلامت۔ مگر اب تو رسموں کا تار بندھا۔ منگنی کے دوسرے ہی دن لڑکی کی گلی سے عورتیں چوبالے کر مٹھائی کے پل پر جاتی ہیں۔ سامان کچھ اس قسم کے ہیں:۔

چوبے۔ پھولوں کے زیور۔ رومال۔ چاندی سونے کے درقوں میں لپٹی ہوئی بیڑیاں۔ ایک چاندی کا کٹورا۔ کسی قدر شکر۔ مونگ۔ اور چانول کا بھوڑا۔

عورتیں ادھر گھر میں اتریں۔ ادھر نظیر کو بلوا گیا۔ پیارے کے ہاتھوں سے مسکرا مسکرا کر چھ نوالے کھلائے گئے۔ ساتویں نوالے پر بڑی ہنسی ہوئی۔ چوبے کے بعد چاندی کے کٹورے میں ٹونوں کا شربت آیا اور پلایا گیا۔ پھر پانوں کے بیڑے اور رومال ہاتھ پر رکھ دیے گئے۔ نظیر کی بہنیں کہاں تھیں کہ سوانئیں بنتیں۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اُس کے مُنھ میں بیڑا رکھتیں۔ خود سے کھا لیتا ہو اور پھر سب کو جُھک جُھک کر سلام کرتا ہو۔ سلام سے خوش ہو کر عورتیں کچھ نچھاور کرتی ہیں۔ میراثنیں اور کرکیتنیں مُنھ مانگی مُراد پاتی ہیں۔

احدی صاحب کی طرف تو لوگوں کے دلوں میں شدّت سے ارمان بھرے ہوئے تھے۔ اُن کو اُن کے طور پر چھوڑ دیا جاتا تو شاید چاؤ نکالنے کے لیے برس دو برس بھی شادی کا مذکور نہ کرتے۔ مگر نظیر کی طرف جلدی تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ مسافرت کا عالم تھا۔ اُن کے پاس وہ سامان نہ تھا کہ ہر تقریب میں سو دو سو خرچ کرتے۔ دوسرے نظیر اچھی طرح جوان ہو چکا تھا۔ پرایا شہر تھا۔ کوئی مرد سر پہ نہ تھا کہ دن رات اُس کے حالات کی نگرانی کرتا۔ ہر وقت خوف میں گزرتی تھی کہ کہیں بُری صحبتوں میں بیٹھ کر راہ سے بے راہ نہ ہو جائے تیسرے کچھ یہ بھی مقصود تھا کہ جلدی بہو گھر آئے اور گھر آباد ہو۔ نظیر کی ماں شاید کچھ ٹھہر بھی جاتی۔ مگر اس کی نانی کہاں دم لینے دیتی تھیں۔ اُن کی زبان پہ دن رات یہی کلمہ تھا کہ زندگی موت کا ٹھکانا نہیں۔ سانس آئی آئی نہ آئی۔ کل کی کس کو خبر ہو۔ دنیا میں بہت رہ چکی اور سب ارمان نکل چکے۔ اب صرف ایک آرزو رہ گئی ہو کہ ولی محمد پروان چڑھے اور اُس کے سر سہرا دیکھوں۔ اسی مطلب کو وہ دن میں سو طرح سے ادا کرتی تھیں اور سب کا خلاصہ یہ ہوتا تھا کہ جو ہو آج ہی ہو جائے۔

غرض منگنی کے ساتھ ساعت رکھنے کی دُھوم ہوئی۔ کسی مسجد میں چانولوں کے طشت میں کچھ نقدی رکھی گئی۔ قرآنِ مجید کھولا گیا۔ پھر قرآن کو گردان کے تاریخِ مقرّرہ کا اعلان کر دیا گیا۔ مسجد کے مُلّا نے طشت کا جائزہ لیا۔ حاضرین پان کا بیڑا اور بتاسے لے کر رخصت ہوئے۔ گڑ اندر بھیجا گیا۔

شام کو اُدھر دونوں طرف سے زردہ پکوا کر بانٹا گیا۔ اُدھر عورتیں شیرینی اور میوہ لے کر دولھا اور دولھن دونوں کے گھروں میں سواریوں پر سے اُترنے لگیں۔ ڈھولک نے میٹھے بولوں سے اُن کا خیر مقدم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گیا۔ اُنھوں نے خوشی میں آکر سُریلی تانیں گوشِ زُہرہ تک پہنچائیں۔ اور اب ساچق کے روز تک یہی معمول ہو کہ روز آتیں اور گا بجا کر پھر اپنے اپنے گھر چلی جاتیں۔

جب نکاح کو صرف سات روز رہ گئے تو دولھا دُلھن دونوں مایُوں بٹھائے گئے۔ دولھا کا مایُوں بیٹھنا کچھ اُس کی ماں اور نانی ہی کو خوش آیا ہوگا۔ لیکن سچ پوچھیے تو مایُوں بیٹھنا تھا دُلھن کا جس کا تصور ہمیں آج بھی خوش کر رہا ہے۔ اُن دنوں فوٹو کا رواج نہ تھا۔ مُصوّر گھر میں گھُسنے نہ پاتے تھے۔ فقط خیال کہاں تک نقاشی کرے۔ پھر بھی کچھ خوش نما خط و خال ہمیں دور سے نظر آتے ہیں۔ شباب طفلی پر جھکا پڑتا ہے۔ طفلی شباب کو پرے دھکیل رہی ہے۔ ولایتی خون چمپئی رنگت پہ شہاب چھڑک رہا ہے۔ مخموریت آنکھوں میں گلابی جھلکا رہی ہے۔ مسکراہٹ گالوں میں گڑھے ڈال کر گلاب کو کنوے جھنکواتی ہے۔ ٹھوڑی اپنی نکیلی ترکیب سے سیب کے دل میں اُتری چلی جاتی ہے۔ بھنورا سے کالے کالے چکیلے چٹکیلے ریشم کے لچھے سر سے اُلجھتے سُلجھتے بکھرتے لہراتے تپلی لچکیلی کمر سے بالشت دو بالشت نیچے تک پانو پھیلاتے ہیں۔ ہم اس خوش نما تصویر کو سنتی جوڑا پنہا کر کچھ نیک بختوں کے جُھرمٹ میں ایک نائن کے ہاتھ میں چھوڑتے ہیں۔ اب وہ جانے اور اُس کا کام۔ میوے اور پنیڈیوں کے ناشتے اور دودھ کے چاے پانی میں ہم بھی شوق سے شریک ہو سکتے تھے مگر اب ٹن اندر پانو کب رکھنے دیتا ہے۔ خیر رُخصت۔

دن جاتے کچھ دیر نہیں لگتی خصوصاً وہ دن جو خوشی کے ہیں۔ اِن کو تو بجلی کے سے پر لگ جاتے ہیں ہم اس خیال میں پڑے سوتے تھے کہ ابھی پورے سات دن باقی ہیں مگر آنکھ جو کھلتی ہے تو دیکھتے ہیں نظیر کے گھر میں ساچق کے سامان ہو رہے ہیں۔ منتظمین سرگرم انتظام ہیں۔ قُلی مزدوروں کا ہجوم ہے۔ آرایش کے سامان پھیلے ہوئے ہیں۔ مشعل اور آتش بازی کے ٹوکروں پہ ایک صاحب لٹھ لیے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باہر سڑک پر گھوڑے ہنہنا رہے ہیں۔ تخت رواں کے آس پاس کچھ بہشت کی قُمریاں اٹھلا رہی ہیں۔ روشن چوکی اور تاشے والے اپنی دُھن میں ہیں۔ صحن میں جہاں عمدہ نقش و نگار کی مٹکیاں رکھی ہوئی ہیں کوئی صاحب تشریف لائے اور ڈھکنوں کے کنول پر تیلی تپلی تتّیاں چڑھا گئے۔ کسی طرف سے ایک خوش نُما خوان چلا آتا ہے جس میں چار شیشے نقاشی کے کام کے ڈنڈیوں کے رنگ سے بھرے ہوے اور کُچھ شیشیاں تیل عطر وغیرہ کی رکھی ہوئی ہیں۔ مُنھ اُن کا سلیقے سے گوٹے کے سُرخ کپڑے سے بند ہے۔ علاوہ اِن کے سر پر باندھنے کے لیے کلاوے۔ مہندی۔ سُرمہ۔ مسی۔ تیل ڈالنے کی پیالیاں۔ کنگھیاں اور دو انگوٹھیاں بھی ہیں۔ ساتھ ہی اِس کے دو سادی مٹکیاں چُونے سے لپی ہوئی مُنھ کلاوے سے بندھا ہوا۔ اُس پر آٹے کی مچھلیاں چپکی ہوئیں۔ دو چنچل چھبیلی کمر کوے لے کو مٹکاتی لا رہی ہیں۔ پُوچھنے سے معلوم ہوا ایک میں گُڑ کا گاڑھا شربت ہے اور دوسری میں دہی دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیکھیے وہ چڑھاوے کے جوڑے کا خوان بھی پہنچ گیا۔ ایک جوڑا تو بہت ہی بڑی طیّاری کا ہے اور سلا سلایا طیّار ہے مگر دوسرے جوڑے نے ابھی مقراض اور سوئی سے ملاقات بھی نہیں کی۔ گیارہ گز سُرخ ٹول ہے جس کو سہاگنیں سوہا کہتی ہیں اور پائجامے کے لیے سوا دو گز گُلابی رنگ کی لین کلاٹ اور سبز گلبدن کا تھان جوڑے کے ساتھ زرنگار جوتی بھی ہے جس میں چاندی کے گھنگرو پڑے چھُن چھُن کر رہے ہیں اور وہ بیش بہا ازاربند بھی جس پر خود نظیر کا یہ شعر صادق ہے:۔

گوٹا کناری بادلہ مقیش کے سوا
تھے چار توڑے موتی جو تولا ازاربند

اُسی خوان میں وہ خوش نما لاٹ بھی قائم ہے جو ابرک پنّی گوٹے پٹھے اور کلابتون کی وجہ سے بڑی جگمگا رہی ہے لاٹ نہیں یہ واقع میں سُہاگ کا طلسم ہے۔ تمام خوش بودار مصالح اس میں بھرے ہوے ہیں۔ خود خوش بو گواہ ہے۔ جوتری۔ جائفل۔ زعفران۔ چھوٹی بڑی الایچی۔ جو ڈھونڈو سب موجود۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ اس میں دُلھن کے پہننے کی سونے کی نتھ بھی ہی جس میں ایک نہیں تین تین چمکیلے سڈول موتی پڑے پاک دامنی کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ سہاگ پُڑا جو آپ نے سنا ہو وہ یہی ہی۔ کچھ معلوم نہیں مطلب کیا ہی مگر ایک نیک بخت ایک ٹوکرے میں سوئے پالک کا ساگ بھی لا رہی ہی۔ لانے دو۔ میں نے نہیں دیکھا مگر لوگ کہتے ہیں کہ ایک طرف دُلھن کی گود بھرنے اور آراستگی کے لوازمات بھی ہیں۔ بہت مُبارک۔

شہر میں مشہور ہی کہ آج نظیر کی ساچق نکلے گی۔ نوری دروازے سے خان عالم کے باغ تک دور دور انتظار نے اپنی کھڑکیاں کھول رکھی ہیں۔ جب شام کی سیاہی کسی قدر خوش نما طور پر پھیلی تو منتظمین میں ایک خاص سرگرمی آئی اور اس سرگرمی کے ساتھ مزدوروں اور قُلیوں اور اسی درجے کے اَور لوگوں میں ایک خاص ہل چل پیدا ہوئی۔ بے جان چیزیں جو زمین پر پڑی تھیں وہ سروں پر پھرنے لگیں۔ مٹکیوں کے کنول آنکھوں کی طرح روشن ہوے۔ اور ستاروں کی طرح جگمگانے لگے۔ درہمی برہم ہوئی۔ انتظام نے نظام پایا شکست خوردہ فوجیں سمٹ آئیں۔ ٹوٹی ہوئی صفیں جمنے لگیں۔ تلنگوں نے پرا باندھا۔ سواروں نے باگیں سنبھالیں۔ بہشتی قُمریاں تخت رواں کے پنجرے میں ہو بیٹھیں۔ روشن چوکی پر راگنیوں کا جلوس ہوا باجوں سے آسمان گونج اُٹھا۔ مشعلیں ہر طرف شعلہ فشاں ہیں۔ ہوائیوں نے ستاروں کو چھیڑنا شروع کیا۔ دیپک مہتاب نے چاند سورج کو چار چاند لگائے۔ غبارے سیاروں کا خاکا اُڑانے لگے۔ اناروں کے گُل فشاں نُورانی پیڑ قائم ہیں۔ جوہی کے مُنھ سے مُسلسل پھول جھڑ رہے ہیں۔

غرض اس ٹھاٹھ اور طیاری سے نظیر کی ساچق روانہ ہوئی۔ تماشائیوں کے چہرے خوشی کے نُور سے چمکنے لگے۔ راہ دیکھنے والی آنکھیں راہ کی طرح روشن ہولیں۔ ہر چند برات نوری دروازے سے کہیں دُور جا پہنچی ہی پھر بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ ابھی نوری دروازے سے باہر نہیں نکلی۔ نُوری دروازہ سنا تھا ہی اور شاید خان عالم کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باغ میں اس کا بھی ملکوں کی گلی سے بیاہ ہونے والا ہے۔ خدا راس لائے۔

ملکوں کی گلی میں احدی صاحب کی ڈیوڑھی کے متصل تماشائیوں کے دل کچھ خاص کیفیت سے رنگے ہوئے ہیں۔ اُن کی نگاہیں سرسری طور پر روشن نہیں ہوتیں۔ اُن کی آنکھوں سے دل جھانک رہے ہیں اور انھی کھڑکیوں سے آرزوں کا قافلے کا قافلہ نکلا چلا آتا ہے۔

کچھ مُلا اور واعظ کا گھر تو تھا نہیں کہ احتیاط کی جاتی۔ خاصی طرح کڑھاو چڑھایا گیا۔ اصلی یا بنی ہوئی سوہاگنوں نے ایک ایک گلگُلا اپنے ہاتھ سے چھوڑا۔ آٹے اور گڑ کے ساتھ اپنا اپنا نیگ لیا۔ ساتھ کے ساتھ میراثنوں نے اللہ میاں کی سلامتی پڑھی۔ اللہ میاں کے گیت سُنائے۔ پھر ایک کوری مٹکی آئی۔ شربت نے پیٹ بھر کر اس کی پیاس بجھائی۔ صندل نے منھ پر گلاب چھڑکا۔ ایک کلاوہ بندھی ہوئی بدھنی سہرا لٹکا کر سرتاج ہوئی۔ بدھنی کی ٹونٹی کے منھ میں سلامتی سے ایک پان کا بیڑا بھی دبا ہوا ہے۔ اللہ میاں کی سنجیری جو سُنا ہو وہ یہی ہے۔ گلگلے نہیں معلوم کس بات پر منھ پھلائے تھے۔ اللہ میاں کے رحم کو جوش آیا۔ چانول پسے اور مصری سے شیر و شکر ہوئے۔ گو اس لیپ سے گالوں کا ورم تو دفع نہیں ہوا مگر پیشانی پر رضامندی کی چمک ضرور ہے۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کی تفسیر طباق کی محراب میں آٹے کا مُصلی بچھائے ہوئے اللہ میاں کی جو کچھ بیان کر رہی ہے جس کی چرب زبانی اور روشن بیانی ابین من الامس واظہر من الشمس ہے۔ خوش عقیدہ سُہاگنیں غش ہیں۔ اگر مثنوی شریف کی وہ شباں والی حکایت ٹھیک ہے تو ید بیضا کا چراغ یہاں بھی نہیں جل سکتا۔ خوش عقیدگی نے آنکھوں سے نیند کو اُڑا دیا ہے۔ نیک بختیں ہنسی خوشی جاگ رہی ہیں۔ بھینی بھینی رات اُن کی مشک بو چوٹیوں اور معطر جوڑوں سے جاڑوں میں ہارسنگار کے جنگل کی چھاؤں ہو رہی ہے۔ لیجیے اب نور کا تڑکا ہوا۔ چراغ جھلملا جھلملا کر رخصت چاہتے ہیں۔ ستاروں کی انجمن بھی بکھرا ہی چاہتی ہے۔ حسینوں کے منھ چاند ہیں مگر صبح کے چاند کی طرح پھیکے اور ملند

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شب بیداری رنگ لا رہی ہے۔ کیا ہوا رنگ لاتی ہے تو لانے دو۔ کیا ایسے جاگتے نصیب روز آتے ہیں۔ حرم باہر انتظار میں گھبرا رہے ہیں۔ کوئی نیک بخت ہو تو اُن کو بُلا لائے۔ نیاز کی چیزیں سب طیار ہیں۔ آئیں اور اللہ میاں کی سلامتی کی نیاز دے جائیں۔ لیجیے مُلّا صاحب بھی آ ہی گئے۔ بر زخِ مبارک قابلِ دید ہے۔ کیا ہی عقیدت سے ہاتھ پھیلائے ہوئے زیر لب بُڑبُڑا رہے ہیں۔ اپنا رنگ جمانے کے لیے خواہ مخواہ بھی دیر لگا رہے ہیں۔ اجی حضرت کہیں جلدی اُٹھو بھی۔ اب تو عورتیں بھی گھبرا اُٹھیں۔ بڑے تقاضوں سے فتنہ اُٹھا تو سہی مگر کچھ بے کرا اُٹھا۔ چراغی کا دینا تو شاید ناگوار نہ گزرا ہو گا مگر نہیں معلوم کیوں۔ چلتے وقت حضرت پر گالیوں کی بوچھاڑ خوب ہوئی۔

صُبح سے دوپہر تک کچھ بہت زیادہ عرصہ نہ تھا۔ باتوں ہی باتوں میں گزر گیا۔ اب بی بی کے کھانے کی طیاری شروع ہوئی۔ چودہ طباقوں میں کھانا نکالا گیا۔ کورے برتن۔ سفید خشکہ۔ صاف دہی۔ شفاف شکر۔ شیریں میوہ۔ خوش بُوہار۔ غرض ہر چیز سے پاک دامانی آشکار۔ بیوی زنیں جن کے حسب نسب میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ جن کے چال چلن میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ جن کے اخلاق بالکل شریفانہ۔ جن کی وفاداری و اطاعت ضرب المثل۔ حضرت بی بی کے ہاف روزے سے مُنھ کو نورانی کیے ہوئے خراماں خراماں آ رہی ہیں۔ پیغمبر صاحب اور پیروں کے چار طباق الگ کیے گئے۔ بی بی کی صحنکیں ان نیک بختوں کے آگے رکھی گئیں۔ پہلے سنجیری کے شربت سے سبھوں نے روزہ کھولا۔ پھر کھانے میں شریک ہوئیں۔ کھانے کے بعد سرمہ مہندی عطر کی باری آئی۔ مہندی کچھ تو ہاتھوں میں رچی۔ جو ہاتھوں سے بچی وہ گھُل کر اور طرح کام آئی۔ سادہ دلی رنگ لائی۔ بی بی کا کھانا ہوا اور بی بی کے گیت نہ گائے جائیں کوئی کہنے کی بات ہے۔ عقیدت کی آوازیں بلند ہیں۔ سُنے تو زہرہ بھی ریجھ جائے مگر آنے کی اجازت ہی نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کو یاد ہوگا دُلھن کے جوڑے کے ساتھ ساچق کے روز سوہے کے نام سے گیارہ گز سُرخ کپڑا بھی آیا تھا - اِس کپڑے کا نصف گز پہلے دُلھن کے گھر کی بیوی زنوں میں تقسیم ہو کر گزوں سرخ روئی حاصل کرتا ہی - مُبارک وہ چوٹیاں جن میں اس کا موبافت ہو - پھر باقی کتر بیونت کر وہی بیوی زنین اُسی وقت دُلھن کا سُوہا جوڑا سیتی ہیں - کچھ عرصے کے بعد وہ منقّش شیشے جو ساچق کے دن سے بسنت کو بغل میں دبائے بیٹھے ہیں کھُلتے ہیں اور ایک ہی غوطے میں دُلھن کے جوڑے کو بسنتی کر دیتے ہیں -

دیکھتے ہی دیکھتے برات کی رات بھی آہی پہنچی - نظیر تو ساچق ہی کے دن سے سُسرال میں براج رہے ہیں چڑھاوا تو چڑھایا جا چُکا ہی - اب برات کے جوڑے پر نظر ہی - جوڑے کی تفصیل مُجھے معلوم نہیں - مگر اتنا دیکھتا ہوں کہ جوڑے کی کشتی ایک مکلّف خوان پوش سے ڈھکی ہوئی آ رہی ہی - آگے آگے میراثنوں کا جھُرمٹ ہی - ٹونے دل موہ لے رہے ہیں - دُلھن کے مُنھ سے کچھ اس طرح کے میٹھے بول سُنائی دے رہے ہیں :

ہریالے بنے لاڈلے پر میں ایسا ٹونا بناؤں گی -
جب دیکھے مکھ میرا ہی دیکھے میں تو سنگ لگائے پھروں گی

برات کا جوڑا جا چُکا تو دُلھن کے والدِ بزرگوار اندر سے بُلائے گئے - ہر چند اِن کے دل میں بیٹی کی جُدائی کے خیالات تلاطُم پیدا کر رہے ہیں مگر مصنوعی استقلال رومال سے گردِ ملال چہرے سے دور کرتا جاتا ہی - پیاری بیٹی کی صورت دیکھ کر استقلال کی گرفت سُست ہو جاتی ہی اور رومال ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہی - دل اُمڈ آتا ہی اور آنکھیں بھر آتی ہیں - ہر چند گلے میں رقت سے پھندے پڑے ہوئے ہیں مگر ایک ضروری فرض سر سے اُتارنا ہی چُپ کیوں کر رہیں - کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ہاتھ پر روپے اور پنڈیاں رکھّیں اور لرزتی ہوئی آواز سے یہ فقرہ آویزۂ گوش کیا :-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ای لڑکی۔ ے آج میں تیرے فرض سے ادا ہوا۔

قیامت کا فقرہ تھا۔ اس کے سننے کے بعد کسی کو یارائے ضبط نہ رہا۔ گردوپیش جتنے تھے سب رو رہے تھے۔ باپ بیٹی کے رونے کو پھر کیا پوچھتے ہو۔ سچ تو یہ ہے بقول شاہ نصیر:-

یوں نہ برستے دیکھے ہوں گے رل کے کسی نے ساون بھادوں

عین خوشی میں یہ منظرِ رقت شاید بعض طبیعت کو کسی قدر بے موقع معلوم ہو مگر فطرت انسانی یوں ہی ہے اور اُس سے چشم پوشی نہیں کیجا سکتی۔

اِدھر تو یہ سماں تھا اُدھر نوشہ اور نوشہ کون میاں نظیر نہا دھو کپڑے بدل اچھے خاصے دولھا بن باہر تشریف لائے۔ طوائفوں نے شہانے کی دھن میں سہرا گانا شروع کیا۔ گانا ہو ہی رہا تھا کہ مجتہد صاحب کے قدوم میمنت لزوم کی دھوم مچی۔

تنہا نہیں ہوں یارو۔ با نالہ و فغاں ہوں

مجتہد صاحب کے ساتھ شاہدین بالغین حریں بھی تشریف رکھتے ہیں۔ ہر چند مجتہد صاحب کی شان میں کوئی کلمہ عرض کرنا سوء ادب ہے مگر کچھ تو سمدھیانے کا تعلق کچھ حضرت کا برزخِ مبارک بے چین کیے دیتا ہے اور بے ساختہ پھبتی کہنے کو جی چاہتا ہے۔ اب چاہے سوء ادب ہو چاہے استخفافِ مذہب آئی پر چوکنا اپنے مذہب میں تو روا نہیں۔ سفید داڑھی اور نیلی پگڑی معلوم ہوتا ہے چرخِ پیر نے رات کی پرانی ساڑی سر سے لپیٹ لی ہے۔ آنکھیں زہرہ مشتری کی طرح چمک نہیں رہیں بلکہ لولیِ فلک سے قاضی چرخ کی آنکھیں لڑ رہی ہیں گو ماند ہے مگر پھر بھی پیشانی تئیسویں چوبیسویں کا چاند ہے۔ شک ہو تو یقین کے لیے گھٹّے کی جھائیاں موجود۔ ڈاڑھی چاہِ ذقن سے حوضِ ناف تک کہکشاں کی طرح پھیلی ہوئی۔ دُم دار ستارے شرم کے مارے شاید ابھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کنوے یا حوض میں ڈوب مرے ۔ شدّتِ نزلہ سے ناک دلوے گوش بگوش ۔ ڈوب کر دیکھیے تو وہ لو بھی پانی بھرتا نظر آے ۔ مونچھیں زہر تقوی میں بجھی ہوئی شیر گردوں کی مونچھیں اُکھاڑ رہی ہیں ۔ بھنویں وہ زہر کی گانٹھ کہ عقربِ فلک کو پڑی ڈنک مار رہی ہیں ۔

شمائل شریف کے بیان میں اس سے زیادہ موشگافی مناسب نہیں معلوم ہوتی ۔ بعضوں کو تو اتنی بھی زہر معلوم دی ہوگی ۔ لیکن شادی کا موقع ہے ۔ اُمید ہے شربت کے گھونٹ کی طرح پی جائیں گے ۔

آتے کے ساتھ پہلے تو سرِ منبر بھاری بھر کم آواز سے سلامٌ علیکم کا گونجتا گرجتا فقرہ سُنائی دیا ۔ پھر اور قرائتیں چھٹنے لگیں ۔ حروفِ حلقی کے بلغم در جلو مخارج نے سامعے کا اُگال دان بھر دیا ۔ قرارت کے گھن گرج لب و لہجہ نے کانوں کے حوض پر مینڈکوں کی سبزی منڈی قائم کر دی ۔ حاضرین مجلس کی نگاہیں اس پر بھی مُجتہد صاحب کے لبوں پر جمی ہوئی ہیں ۔ گویا نگاہوں نے کانوں کے لیے ٹیلیفون کا تار باندھا ہے ۔ لفظ لفظ توجہ سے سُن رہے ہیں اور اصلِ مقصود کا اصل خیر سے انتظار ہے ۔ اتنے میں تہوّر النسا کا پیارا لفظ سُنائی دیا ۔ پھر بنت محمّد رحمٰن چغتائی ۔ پھر اور مراتب ۔ وکیل ۔ بالنّکاح ۔ شاہدین ۔ عادلین ۔ بالغین ۔ حُرّین ۔ لاکھ ۔ روپیہ سکّہ ۔ رائج الوقت ۔ دینار ۔ سُرخ ۔ انتظارِ سماعت اب اعلیٰ درجۂ اشتیاق کو پہنچا ہوا ہے ۔ مجتہد صاحب نظیر سے دو بدو ہیں اور نظیر شرمائی ہوئی ترچھی نگاہوں سے اُن کی طرف مخاطب کہ اتنے میں یہ زبردست فقرہ سننے میں آیا :-

انکحتک بوکلتے بالصّداق المعلوم

نظیر نے اس کے جواب میں کیا کہا معلوم نہیں ۔ مگر دیکھا کہ چاروں طرف سے مُبارک باشد مبارک باشد کا غُل ہے اور ہر طرف چھہارے لُٹ رہے ہیں ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خرما اور ثواب جب لوگ لوٹ چکے تو برات کی طیاریاں شروع ہوئیں۔ کُل سامان وہی تھے جو ساچق میں بیان ہوئے۔ نہ تھا تو ایک سُہاگ پُڑا۔ ہاں کچھ روشنی اور آتش بازی بھی زیادہ تھی۔ غرض باجے گاجے کے ساتھ برات نکلی اور گشت لگا کر بڑی رونق و خوبی سے دروازے لگی۔ دُلھن کے غسل کا پانی نظیر کے گھوڑے کے نیچے ڈالا گیا۔ تڑاتڑ بھات کے گیند پڑے۔ سوار اور گھوڑا دونوں جھجکے۔ آس پاس پھلجھڑی چھٹ گئی۔

اب نظیر نے پرستان میں پانو رکھا۔ دیووں نے اُس کا پیچھا چھوڑا۔ پریاں اُس کے ساتھ ہوئیں۔ گو نگاہ کو آزادی نہیں ہے مگر گھم گھمی بتاتی ہے کہ گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ ہر عُمر کی نیک بختیں شوق کی گھبراہٹ میں بے حجابانہ نکل آئی ہیں۔ گو نظیر اُن کو دیکھتا نہیں مگر اپنی نسبت اُن کی رائیں سنتا ہے۔ گوشۂ چشم کسی قدر دیکھنے میں بھی مدد دیتے ہوں تو عجب نہیں۔ بہر حال اسی ہجومِ فرحت لزوم کے ساتھ نظیر خراماں خراماں وسطِ صحن میں پہنچا۔ شامیانے کے نیچے تخت بچھا تھا۔ اُس پہ زرّیں جوتی کے ساتھ مُنھ پر رنگین رومال رکھے ہوئے چڑھا۔ میراثن نے آن کر گلے میں کلاوہ ڈالا اور ٹوٹنے گانے شروع کیے۔ نظیر آخر شاعر تھا فوراً اُس کا ذہن اس شعر کی طرف منتقل ہوا:۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ٹوٹکوں کا ٹوٹکا ختم ہوا تو پہلے لو میں سُہاگا لگایا گیا پھر کانوں میں کسی نے پڑھ کر یہ پھونکا:۔

سونے میں سُہاگا موتی میں دھاگا۔ بے کابنی سے کنجی لاگا

سُہاگے کے ساتھ پسِ پشت ہینگ بھی سُلگ رہی تھی۔ اور جادو کی مدہوش کرنے والی خوش بو پھیلا رہی تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُدھر دُلھن کے ہاتھ میں شکر رکھی گئی - خبر نہیں کچھ بیج بھی ملے تھے یا نہیں - اُدھر تماسوں سے شربت طیار ہوا اور کٹورے میں بھر کر نظیر کے سامنے آیا - ٹوٹکے سے کوئی بات خالی نہیں - یہاں شربت میں بھی دُلھن کے پہنے کی نتھ پڑی ہوئی تھی - رسم کے مطابق آدھا شربت نظیر نے پیا - آدھا دُلھن نے نوش جان فرمایا -

ان رسوم کے بعد نظیر کو چار بجے تک آرام کرنے کی مُہلت ملی - لیکن اُس کے قلب کو آرام نہ تھا - خیالات میں اُس کے ایک عجب تلاطم تھا - اور یہ طوفان اُٹھایا ہوا تھا شوق اور انتظار کا - یہ مُہلت اُس نے کس قدر گھڑیاں اور گھڑیاں گن گن کر کاٹی میں نہیں کہہ سکتا مگر جب ریت رسم کی دُھوم مچی تو عورتوں کو تو یہی کہتے سنا کہ ابھی پوری طرح کمر بھی سیدھی نہ کی تھی کہ لو وقت آ گیا -

میاں نظیر پھر پکڑے ہوئے گھر تشریف لائے - اور ریت رسم کے سامان پھیلے - سات سُہاگنوں نے مل کر سُہاگ پُڑے کو کھولا اور اُس کے اندر سے بال چھڑ - کپور - کچری - وغیرہ خوش بو چیزیں نکال نظیر کے آگے رکھیں - پھر چھلے کے ساتھ بٹا آیا - اب چاروں طرف سے فرمایش ہے کہ بیٹھ کر پیسو - جوانیں مُسکرا رہی ہیں - بڑی بوڑھیاں دل سے تقاضا کر رہی ہیں - میراثنوں کے آگے ایک شربت کا کٹورا ہے جس میں سُرخ نگینے کی انگوٹھی پڑی ہوئی ہے - نظیر ابھی سوچ ہی میں نہیں چکے کہ سالیوں نے آن کر آنکھوں میں سُرمہ لگایا - یہ سُرمہ نہ تھا جوتیوں کا پارا ہوا کاجل تھا -

	چشمِ ما روشن و دلِ ما شاد	

اُس سے زیادہ یہ ہوا کہ جو اُبٹنا دُلھن کے مَلا جا چکا تھا اُس کے آٹھ چراغ بن کر آئے - چراغ کے جلو میں ایک شیر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں - تمام بدن پہ کوڑیوں کے نقش و نگار - چھاج کے کھپرے میں بند ہیں اور آٹھوں چراغ روشن - نظیر کہتا نہ تھا مگر اُس سے زبردستی کھلوایا گیا :-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مَیں بھیڑ اور یہ شیر - مَیں بھیڑ اور یہ شیر

نظیر کی ماں نے اِس ڈر سے کہ شیر کہیں اُن کی بھیڑ کو کھا نہ جائے جلدی سے اُس کا مُنھ بھرا اور

دہنِ سگ بہ لُقمہ دوختہ بہ

کہہ کر قصہ پاک کیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی پیری

ناظرین نظیر کے لڑکپن اور جوانی کے تماشے تو دیکھ چکے - اب ذرا اُس کے بڑھاپے کی سیر بھی دیکھ لیں - نظیر لڑکا تھا جب بھی نظیر ہی تھا - اور جوان تھا جب بھی نظیر ہی رہا مگر وہ نظیر جس کی دُنیا میں اِس قدر شُہرت ہی نہ لڑکا نظیر تھا نہ جوان بلکہ بوڑھا ع کہ کار آزمودہ است گُرگِ کہن ‌‌٭

نظیر کے لڑک پن اور جوانی کی تصویریں جو کھینچی گئی ہیں اُن میں زیادہ تر خط و خال تخیل کے ہیں اس لیے کہ کوئی آدمی مجھے ایسا نہیں ملا جس نے کہا ہو کہ میں نے نظیر کو لڑکا یا جوان دیکھا ہی - لیکن اُس کو بوڑھا دیکھنے والے اب بھی کچھ لوگ دُنیا میں موجود ہیں - لڑکپن میں اُنھوں نے اُسے بوڑھا دیکھا تھا اور شانِ خدا یہ ہی کہ اب لڑکے جوان سب خود اُنھیں بوڑھا دیکھ رہے ہیں -

اس خصوص میں نظیر کی نواسی سے بڑھ کر شہادت کس کی ہوگی - جب نظیر مرے ہیں اُن کی عمر سات برس کی تھی - چوں کہ اس عمر میں آنکھوں کے شیشے بہت مجلّٰی رہتے ہیں اور مشاہدے کا فوکس نہایت ٹھیک لہٰذا ہم کو اُن کے حافظے کے کیمرے میں نظیر کے بڑھاپے کا ایک عمدہ نگیٹیو مل گیا ہی جس سے ہم ایک عمدہ پازیٹیو نہایت اعلیٰ درجے کی پالش کے ساتھ طیّار کرکے پیش کرتے ہیں یقین ہی اس قسم کی نادر فوٹوگرافی کے قدرداں سر آنکھوں سے اِس کی خریداری فرمائیں گے اور دل ہی کے فریم میں جگہ دینگے - اگر اس وقت میاں نظیر زندہ ہوتے اور اُن سے کہا جاتا کہ میاں صاحب چلیے ذرا چل کر تصویر کھنچوا لیجیے تو اُنھیں پہلے تو اس کا یقین نہ آتا پھر اگر یقین بھی آتا تو وہ گھڑیوں ٹالتے کہ میں بوڑھا ہو کر کیا تصویر کھنچواؤں گا - پھر اپنی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نیک مزاجی سے راضی ہوتے تو بے تکلفی سے کہتے آؤ۔ یوں ہی کھینچ لو۔ طیاری کو کہا جاتا تو گھنٹوں میں کہیں جا
طیار ہوتے۔ لوگ کہتے تصویر کے لیے یہ رنگ موزوں نہیں۔ وہ کہتے مجھے اس رنگ کے سوا عادت نہیں
سیاہ خلافِ وضع ہی۔ وہ کہتے میں اس وقت گھوڑے پر نہیں بیٹھتا۔ لوگ کہتے آپ کی تصویر ہو تو گھوڑے ہی پر
خلاصہ یہ کہ خدا جانے کیا کیا دقتیں پیش آئیں اور اس پر بھی تصویر اُن کی یا لوگوں کی پسند کے موافق ہوئی
نہ ہوتی۔ اس وقت جس طرح چاہو اُن کی تصویر کھینچ لے سکتے ہو۔ نہ اُنھیں تکلیف نہ تمھیں تکلف۔

لیجیے میاں نظیر تصویر کھنچوانے کو تشریف لیے آتے ہیں۔ ماشاء اللہ میانہ قد ہی۔ کُل طویلِ احمق کے میل
احمق سے دُور۔ کل قصیرِ فتنہ کے قصرِ فتنہ و فساد سے الگ۔ بدن اچھا طیار ہی سینہ چوڑا۔ اور کیوں نہ ہو کہ
کی عادت ہی۔ گو بڑھاپے میں کسی قدر اِس کسرت میں قلت آگئی ہی مگر پھر بھی دیوار کا پیچھا نہیں چھٹا۔ گھر کے درو
اس کے گواہ ہیں۔ بوڑھے کے دم خم کو اب کیا دیکھتے ہو مگر ہاں کبھی ہو گا۔ ع مٹے ہوؤں کا نشان
باقی ہی + دیکھنا ہی تو اُس بلا کے ذہین اور خوش قیافہ چہرے کو دیکھو۔ جس کی شکن شکن میں فکرِ رسا بسی ہوئی
اور جس کے ہر بلند و پست سے نشیب و فرازِ دنیا کا تجربہ ٹپک رہا ہی۔ صُبحِ پیری کا سُہانا سماں ہی شگفتہ مزاجی
کلیاں چٹک رہی ہیں اور خوش بُو سے گلشن مہک رہا ہی۔ جبین جس پر غور و فکر کے قدر انداز نے ایک خاص شان
بھنووں کی نقرئی کمانیں کھینچ رکھی ہیں۔ دونوں کمانوں کے بیچ میں کشادہ پیشانی سے کا گُلہ لے تُلی کھڑی
گُلہ ہی یا ذوق کے دل کا قائم مقام جہاں وہ کہتا ہی ؎ کیا کروں اُن ابروئے پیوستہ کے دل بس میں ہی
طعمہ مچھلیاں دو کش مکش آپس میں ہو۔ یہ متسہ کچھ داہنی جانب دبا ہوا ہی۔ غور سے دیکھا تو رنگت اُس کی کسی قد
مائل بسرخی ہی۔ پیشانی سے نیچے اُتریے تو بھنووں کی محراب میں آنکھیں اثرِ پیری سے وقفِ عبادت ہیں۔ دیکھنے
لم چھوئی ہیں اور پتلیاں سیاہ۔ کان سرگوشی کر رہے ہیں کہ لو ہمیں نہیں دیکھتے حال آں کہ نظیر کے خبر رساں ہمیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لاؤ صاحب انھیں بھی دیکھ لیں - ہیں تو بڑے بڑے اور لو او پر سے ایک ہلکی بالوں کی جھالر بھی رکھتے ہیں جو بڑھاپے کی ہوا میں خوشنمائی سے اُڑ رہی ہے۔

خوش بو کے قنّوج میں ناک بھی کچھ عطر فروشی کر رہی ہے - ذرا اس کا کنڑ بھی ملاحظہ کر لیجیے سو نتواں ہے اور متوسط درجے کی نہ موٹی نہ پتلی - معشوق ناک بھوں نہ سمیٹیں کہ اِس صفت سے اُن کی ناک پر کوئی مکھّی نہیں بیٹھتی -

لیجیے اب مونچھوں کی سرحد آگئی - لو یہ تو حدِ شرع سے متجاوز ہیں خاصی گرفت کے قابل - اِنھی کے زیر سایہ گویائی کے دو خوش نُما چلتے پُرزے بھی ہیں جن کو ایک جانب سے دیکھیے تو لب ہیں اور دوسری جانب سے دیکھیے تو بلبل اور بلبل بھی کون ہزار داستان جس نے ایک نہیں سیکڑوں دفعہ طوطیِ دستاں سرا کے ہونٹ مَل مَل دیے ہیں -

مونچھوں کے جواب کو نیچے خشخشی ڈاڑھی ہے - اگر وہ بھنگ چھان رہی ہیں تو یہ بھی پوست گھول رہی ہے - یہ عجیب بات ہے کہ چوں کہ اُن کا عُمر بھر کتابوں سے تعلق رہتا تھا اِس لیے حکمت سے خُدا نے اُنھیں چہرہ بھی کتابی ہی عنایت کیا -

اِس وقت چوں کہ طیاری تصویر کی ہے لہٰذا سر پہ ایک چکّر دار پگڑی بندھی ہوئی ہے (ڈپٹی تُراب علی صاحب فرماتے ہیں محمّد شاہی کھڑکی دار پگڑی یہی ہے) کسی وقتِ خاص میں جب پگڑی اُتری ہوئی ہو تو تمھیں نظر آئے گا کہ چاند پر بال اُڑے ہوئے ہیں گویا دماغ کا چاند و بالِ کلفت سے پاک ہے - پگڑی تو دیکھ چکے - گلے میں انگرکھے کے اوپر سے دوپٹے کی قدیمانہ شان بھی ملاحظہ فرمائیے - یہاں ستولیہ یا اور کوئی مہین کپڑا کہاں - گاڑھے گزی کا انگرکھا ہے - سیدھا پردہ نیچی چولی (ڈپٹی تُراب علی بالا بر فرماتے ہیں) - بر کا پاجامہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاڑے نہیں ہیں ورنہ فرخ آباد کی چھینٹ کا چوغہ بھی دیکھتے۔ پانو میں گھیتلی جوتی ہے (یہ تکلف تصویر کی سے ہے ورنہ عموماً چمڑے کی جوتی چپڑواں کرکے پہنتے ہیں۔ ہاتھ میں آڑو کی چھڑی اور دو انگوٹھیاں عقیق اور فیروزے کی اُنگلی میں پڑی۔

وضع میں تھوڑا بہت تغیّر واقع ہوسکتا ہے مثلاً اگر اُن کے درویشانہ اور آزادانہ خیالات کا جلوہ د چاہو تو اُنھیں کمّل اُڑھا دو۔ اُنھیں اُوڑھنے میں اصلا تامّل نہ ہوگا۔ لیکن اصلی وضع اُن کی یہی ہے جو بیا ہوئی۔ اسی وضع میں وہ لوگوں کے پاس جاتے تھے اور اسی وضع میں اُن کے ارکان خاندان اُن کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

فوٹوگرافی میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ کبھی سیدھا کھڑا کرکے تصویر کھینچتے ہیں۔ کبھی کرسی پر بٹھا دیتے ہیں کبھی میز سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ کبھی ہاتھ میں کوئی کتاب دے دی جاتی ہے۔ بعض اوقات کوئی سواری ہوتی ہے۔ گھوڑا۔ بگھی۔ فٹن۔ لینڈو۔ ٹمٹم۔ بائسکل۔ اُن دنوں بائسکل کہاں۔ بگھی۔ فٹن۔ لینڈو۔ ٹمٹم بھی بمشکل کہیں ہوگی۔ اِن مہذب سواریوں کی جگہ رتھیں بہلیں البتہ نظر آتی ہیں۔ سواریوں کی پوری لسٹ دیکھنی منظور ہو تو نظیر کی وہ نظم دیکھ لیجیے جس کی ٹیپ کا شعر یہ ہے:۔

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

کبھی سیر دریا کے شوق میں نظیر رتھ میں بھی بیٹھے ہیں۔ لیکن رتھ میں بٹھاتے ہو تو پوری میلے کی تصویر کھینچو ورنہ اُن کو اپنے قدیم الخدمۃ ٹٹو ہی پر رہنے دو مگر خبردار ہاتھ میں کوڑا نہ دینا۔ اور ذرا لگام بھی ڈھیلی ہی رکھنا بلکہ تم تکلف کیوں کرو۔ اُن کو تاج گنج سے چلنے دو۔ پھر بیسیوں موقع ایسے آپ سے آپ مل جائیں گے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ تم بے تکلّف اُن کی بے اطلاّع نسبتاً نیس تصویر اُن کی کھینچ لے سکوگے - چلتے چلتے گھوڑا اَڑ گا - رُک کر
گھانس پر منہ ڈالا - ایاز پیچھے ہی - نظیر کو اُس کا انتظار ہی - لو اب ایاز آگیا - لگام پکڑ کر گھوڑے کو آگے بڑھاتا ہی
بس تصویر کھینچ لو - شہر کی سرحد آگئی ہی - لوگ دو رویہ سلام کر رہے ہیں - نظیر کے دونوں ہاتھ بلند ہیں - بس
تصویر کھینچ لو - کوئی صاحب گھوڑے کے پاس آن کھڑے ہوئے ہیں - باتیں ہو رہی ہیں - بس تصویر کھینچ لو
کتاب کے ساتھ اگر تصویر کھینچنی منظور ہی تو ہاتھ میں وہی قلمی نسخہ دے دو - جس کی نسبت لوگ بتاتے ہیں کہ
اُنھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی - جلد بھی مختصر ہی - اور انگریزی نما - اب جی چاہے کھول دو یا بند ہی رہنے دو - وہ
نہ ملے تو انشائے مادھورام سہی - وہ بھی اُنھی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہی - قاعدہ یہ ہی کہ کبھی کبھی گروپ بھی کھنچواتے
ہیں - سب سے بہتر گروپ وہ ہوگا جس میں تمام اراکینِ خاندان مع خُدّام و عبید شریک ہوں - اولادوں
کی جماعت کو آگے بڑھائیے - خلیفہ گلزار علی دہنی طرف ہوں اور میر نجف علی عرف مرزا جان میاں نظیر کے
داماد بائیں طرف - غلاموں کی صف پیچھے ہو - مگر خدابخش مرزا جان کے قریب رہیں کہ اُن کی بیوی کو
جہیز میں ملے ہیں - اور اب اُنہی کے کہلاتے ہیں - امام بخش خلیفہ گلزار علی کے قریب رہیں - ایاز اپنے ٹٹو
کو لے کر دہنے بائیں کسی طرف بھی کھڑے ہو جائیں - دولت نظیر کے پیچھے کھڑے کر دیے جائیں لیکن
اُن کی ٹوپی پر یہ مصرعہ ضرور کڑھا ہوا ہو:-

دولت کی یہی خوبی ہی سو نعمتیں کھا ڈال

کم بخت لونڈیاں کہتی ہیں کہ جب غلاموں کی تصویر کھینچی جاتی ہی تو ہماری کیوں نہ کھینچی جائے - کھینچی تو جائے
مگر تمہارا گروپ تمہاری بیویوں کے بغیر ٹھیک کیونکر ہو سکتا ہی - پہلے اُن کو تو راضی کرو - لیجیے وہ
بھی راضی ہو گئیں - بیچ میں نظیر کی بیوی تہوّر النسا بیگم تشریف رکھتی ہیں - اُن کی دہنی طرف اُن کی صاحبزادی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

امامی بیگم ہیں۔ اور بائیں طرف اُن کی کم عُمر نواسی ولایتی بیگم جن کو پیار سے گھر بھر بیگم جان بیگم جان کہہ کر پکارتا ہی۔ ان کے پیچھے اپنے اپنے قرینے سے یہ چار لونڈیاں ہیں گلاب۔ بختاور۔ چندو۔ نجیبن۔ گُلاب کا قیافہ کچھ مرہٹوں سے ملتا ہوا ہی۔ آخر اِس کا سبب؟۔ اجی یہ قوم کی مرہٹن ہی۔ مرہٹے کی قوم میں اُس کا گلابو نام تھا بنیے کے بارہ روپے اُس پر آتے تھے۔ وہی بارہ روپے کو خریدی گئی۔ یوں بنیے کے قرض سے الگ سبک دوش ہوئی۔ زیورِ اسلام سے جُدا آراستہ ہوئی۔ گلابو میں ہندوپن کی بو تھی اُسی کو گُلاب نے کے چھینٹوں سے دُور کیا گیا آدمی بوڑھا ہوتا ہی تو یکایک تو بوڑھا ہو نہیں جاتا۔ اِس کے بھی مدارج ہیں۔ لیکن جن کے قویٰ اچھے ہوتے ہیں اُن کا تنزل خود اُن کو تو کیا دوسروں کو بھی کم محسوس ہوتا ہی۔ نظیر چونکہ اچھی صحت کا آدمی تھا اِس لیے اُس کو انحطاطِ قویٰ کا احساس بہت کم ہوا۔ وہ جہاں کہیں بُوڑھوں کی زبان سے نقل کرتا ہی وہ بہت کچھ اُس پردے میں اپنے خیالات اندرونی کا اظہار کرتا ہی۔

باوجودے کہ اُس کی عُمر قریب سو برس کے پہنچ چکی تھی مگر پھر بھی وہ عینک کا کبھی محتاج نہ ہوا۔ زیادہ چلتا تھا تو چھڑی ہاتھ میں رکھتا تھا مگر اُس کا کچھ دست نگر نہ تھا۔ یہ بھی بڑھاپے کا ایک فیشن تھا۔ البتّہ اُٹھتے بیٹھتے اُس کو کسی قدر مشقت ہوتی تھی اور اِس مشقت میں ان فقروں سے خدائے توانا سے استمداد کرتا تھا۔ یا مفضّلِ بہیال۔ یا عاجز نواز۔ یا غریب نواز۔ عموماً لوگ ایسے موقع پر یا علی کہتے ہیں۔ نظیر ہر چند شیعہ تھا مگر اُس کا یا علی کے عوض اُن فقروں سے کام لینا اُس کی خوش عقیدگی اور موحدانہ خداپرستی کی کافی دلیل ہی۔

سو برس کی عُمر تک کسی انسان کا پہنچنا انسان کی عُمدہ صحت اور معتدل حکیمانہ زندگی کا خود کافی ثبوت ہی۔ لیکن اِس ثبوت کو اِس سے اور تقویت ہوتی ہی کہ اس طول عُمر کے ساتھ نظیر پر اخیر عُمر میں جب فالج کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گر تو اس کے صدمے سے بھی اُنھوں نے کسی طرح جانبری حاصل کی اور پانچ برس اس کے بعد بھی زندہ رہے۔ ان کی نواسی تو ان کی جاں بری کو اس امر پر محمول کرتی تھیں کہ فالج دہنی طرف پڑا تھا۔ لیکن میں تو ان کے عُمدہ قویٰ کی طرف اس کو منسوب کرتا ہوں۔

بعض اشخاص نے تو یہ بھی بیان کیا کہ حقیقت میں اُن کو فالج سے صحت کُلّی ہو گئی تھی لیکن اس خیال سے کہ لوگ زیادہ ستائیں نہیں اُنھوں نے شہرت دے رکھی تھی کہ وہ شکایت ابھی تک کچھ نہ کچھ چلی ہی جاتی ہے۔ مدارج عُمر کے تغیّرات سے انسان کے خیالات بھی بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تغیرات بالکل دفعتہً نہیں آتے۔ ان کے زندہ عزیز بیان کرتے ہیں کہ یہ میلے ٹھیلے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے لیکن اس سے ایسا نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کبھی شریک ہی نہیں ہوئے۔ اُن کی تحریریں بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اس قسم کی احتیاط اوائل میں کبھی مرعی نہیں رکھی۔ البتہ اخیر عمر میں جب کہ اتقا و پرہیزگاری کے خیالات بڑھنے لگے تو اس قسم کی احتیاط بتقاضاے عُمر بلا قصد بھی اُن سے عمل میں آتی ہوگی۔ جب فالج نے پانو توڑ کر گھر میں بٹھا دیا اُس وقت تو زیادہ تر

	عصمت بی بی ست از بے چادری	

کی راہ سے پرہیزگاری ہوگی۔

اخیر عُمر کی احتیاطوں میں لوگ یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اگر شاذ و نادر طوائف کا کپڑا کپڑے سے مس ہوتا تھا تو اُس کو طاہر کراتے تھے ایسی صورت میں وہ رقص و سرود کیا دیکھتے لیکن بزم عیش میں وہ اکثر ہمیں نازنینوں سے پہلو بہ پہلو ملے ہیں طرز تقریر بھی اس باب میں ساکت نہیں۔

ان کی اخیر عُمر کی احتیاط میں ایک بات یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بفحواے فلیضحکوا قلیلا ولیبکو کثیرا اگر ہنستے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھے تو مُسکراہٹ سے ہنستے تھے - زور سے نہیں ہنستے تھے - اور بخیال ان انکر الاصوات لصوت الحمیر باتیں کرتے تھے تو نہایت آہستگی سے متوسط اور ملائم آواز میں -

عادتیں بھی جو ان کی بیان کی جاتی ہیں بالکل ثقہ لوگوں کی سی ہیں - ناس کبھی نہیں لیتے تھے - کوئی نشہ نہیں پیا - نہ افیون کھائی - صرف حُقہ پیتے تھے اور کثرت سے پیتے - نظیر کی نواسی نے کہا سُلفہ پیتے تھے - بہادر علی صاحب نوا فرماتے ہیں جست کی گُڑگُڑی میں نہ سُلفا بلکہ توا ٹکیا بھروا کر - شاید اس سے فکرِ سخن میں مدد ملتی ہو - پان کبھی کھالیا تو کھالیا ورنہ عادت نہ تھی - مُنھ میں دو ہی تو ڈاڑھیں باقی رہ گئی تھیں - پس مستانہ نظموں سے نشہ خواری کا مضمون جو ناشی ہوتا ہے وہ یا تو عالم جوانی سے تعلق ہوگا یا محض نقش و نگار ورق الخیال ہے -

عبادت کی طرف بھی طبیعت کا جس عُنوان سے میلان ہے اُس سے کسی فسق و فجور کا کسی زمانے میں گمان نہیں ہو سکتا ہے - نمازیں بھی پڑھتے ہیں - رمضان شریف تشریف لاتے ہیں تو روزے بھی رکھتے ہیں اور جب تک خوب طرح تاریکی پھیل نہیں جاتی ہم سُنیوں کی طرح گھر آکر افطار بھی نہیں کرتے - عید بقرعید میں نماز گھر ہی میں پڑھتے تھے - سب عید ملنے کو آتے تھے - نماز روزے کے ساتھ قرآن بھی تلاوت کرتے تھے - آنکھوں میں مرتے دم تک روشنی تھی - کبھی عینک کی حاجت نہ ہوئی - قرآن بھی بے عینک پڑھتے تھے باایں ہمہ چوں کہ تسبیح ایک طرح کا ریا تھا اس لیے تسبیح کبھی ہاتھ میں نہ رکھی چوں کہ طریقہ امامیہ تھا اپنے مذہب کے مطابق تعزیہ داری بھی کرتے تھے - پچاس دن تک تعزیہ داری کرتے تھے -

کھانے کو جوانی میں تو سب جنز کھاتے ہوں گے - مگر بڑھاپے میں میٹھے چاول اور کھچڑی نہایت شوق سے کھاتے تھے اور بہت پسند کرتے تھے - گھی آدھ سیر روز کھاتے تھے - اچاروں میں لیموں کا اچار بہت پسند تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تیل کا اچار کبھی نہیں کھاتے۔ گلگلے اور چیلے بھی پسند کرتے تھے۔ پھلوں میں خربزہ۔ آم۔ شریفہ یہ چند پھل بہت مطبوع تھے۔

حالاتِ نظیر کو خلافِ توقع اس قدر طول ہوا کہ اب لوگ گھبرا گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو جلد سلسلہ ختم ہو۔ وقت طول میں ہے نہ اختصار میں اگر اختصار درکار ہے تو بسم اللہ ابھی لیجیے۔ فالج کا قصہ تو آپ کو تو مکرر سہ کرر معلوم ہی ہو چکا ہے۔ اس مرض نے نظیر کو خلافِ طبیعت خلافِ عادت پانچ برس سے خانہ نشین کر دیا تھا کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ دن رات گھر ہی میں پڑے رہتے۔

بہت بڑا سفر یہ تھا کہ دالان سے صحن میں چلے آئے صحن میں جانبِ شمال بیچ میں دو درخت نیم اور بیری کے لگے ہوئے تھے۔ یہ درخت اب بھی قائم ہیں جو ان کی قبر پر سایہ کرتے ہیں۔ انھی درختوں کے سایے میں بوریا بچھا کر بیٹھ جاتے۔ مرزا فرزند علی کی روایت ہے کہ کبھی پلنگ پر نہیں بیٹھتے تھے۔

اکثر اہل اللہ سمجھ کر آزاد بینوا اِن کو گھیرے رہتے۔ اِن کے سوا کبھی کوئی صاحب ملنے کو بھی آجاتے۔ یہ دو درخت گویا اِن کے ڈرائنگ روم تھے۔ یہیں وہ زیادہ ملتے۔ اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ انھی دو درختوں کے نیچے اُنھوں نے انتقال بھی کیا۔ اور انھی کے نیچے دفن بھی ہیں۔ جہاں زندگی میں لوگوں سے ملتے تھے وہیں بعد موت بھی لوگ اُن سے شرفِ زیارت حاصل کرتے ہیں۔

اِن کی تجہیز تکفین کا جھگڑا اوپر تبقاریب لکھا جا چکا ہے۔ میاں نظیر جب مر گئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر اُن کی موت پر اظہارِ تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن ہندوؤں نے کہا اگر مخالفت کروگے گرو نانک شاہ کا حال ہوگا کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی اور نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا اور اُن کو اپنے طور پر مرحوم نظیر کی صلحِ کل کا خراج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ادا کرنے دیا۔

جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چوں کہ اُن کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر دو نمازیں ہوئیں۔ جس قدر اُن کے شاگرد اہلِ سنّت تھے اُنھوں نے الگ اپنا گروہ کر کے نماز پڑھی اور اوپر کی چادر اُن کی پارچہ پارچہ کر کے اہل ہنود نے لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے بلائے کیا کیے۔

شاگردوں نے اُن کی قبر سنگیں بنوائی۔ ہندو شاگردوں نے سوم کے دن مزار پہ میلا کیا۔ ناچ رنگ اور شعر خوانی ہوئی اور غلام رسول کی مسجد میں اُن کے پھول ہوئے۔

میلا سال کے سال اب بھی ہوتا ہے۔

جب شاگردوں کا یہ جوش و خروش تھا تو یہ تو کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی موت کی تاریخیں نہ کہی ہوں گی لیکن اب نہیں ملتیں۔ قبر گو پکّی ہے۔ مگر لوحِ مزار کا کہیں پتا نہیں۔ ہوگی تو ضرور مگر امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اب لوح طلسم کی طرح نظروں سے غائب ہے۔ میں نے اُس کی تلاش صرف قطعۂ تاریخ کے خیال سے کی۔ لوح تو نہ ملی مگر قطعۂ تاریخ کے دو مصرعے ابتدا اور اخیر کے ہاتھ آ گئے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ یہ مادّہ تاریخ نظیر کے کسی شاگرد کا نکالا ہوا ہے اور اچھا ہے۔ اِس میں صاف صاف شاہ عبد العزیز کی تاریخ وفات کی جھلک پائی جاتی جو مومن خاں نے سنہ ۱۲۳۹ھ میں نظیر کی وفات سے کوئی سات برس پیشتر نکالی تھی۔

قطعۂ تاریخ شروع یوں ہوتا ہے:۔

	نظیر اکبر آبادی چو زیں دنیائے ابتر شد	

اِس کے بعد حسب معمول غالباً نظیر اکبر آبادی کے اوصاف جمیلہ ہوں گے۔ منکسر متواضع۔ خاضع خاشع

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لطیفہ گو۔ بذلہ سنج۔ زندہ دل۔ مرنجاں مرنج۔ بحرِ فصاحت کے تیراک۔ بے ہمہ باہمہ آزاد۔ بے باک وغیرہ وغیرہ۔ اور اِس جاں نواز ٹکورے کی تان ہاتف سروش، رضوان، روح القدس، لسان الغیب کے زمزمون سے مل کر آخر اِس مصرع پر ٹوٹی ہی مصرعہ تاریخی ہی:۔

مخمّس بے سروپا بیتِ دل فردِ بے رشد

یہ مادۂ تاریخ مجھے بروایت منشی برج لال پہنچا ہی جو اکبر آباد کے باشندے اور قوم کے کھتری ہیں۔ یہ اپنے تئیں نظیر کا شاگرد بھی بتاتے ہیں۔ اِس تاریخ سے ۱۲۴۶ھ نکلتے ہیں۔ بیل صاحب جنھوں نے انگریزی میں ایشیائی شعرا کا مختصر تذکرہ لکھا ہی اُس میں تاریخِ وفات بدیں تفصیل درج ہی۔ روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست ۱۸۳۰ء۔ ڈپٹی تراب علی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ۱۲۴۳ھ میں میرامیر تقی مرحوم سے ۲۲ برس بعد۔ دوسرا جزو قریب قریب صحیح ہی مگر جزو اوّل غلط۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے اخلاق

نظیر کے اُس کلام کو چھوڑ کر جس میں کسی قدر اُس نے اپنی چلبلی طبیعت سے زیادہ آزادی کے ساتھ کام لیا اور جو شاید اُس کی ابتداے جوانی کا کلام ہے اُس کے ہر فقرے سے اُس کا ایک نہایت ہی شُستہ اخلاق اور مہذب اطوار کا آدمی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سخاوت

وہ شخص کیوں کر بخیل ہو سکتا ہے جس کے یہ خیالات ہوں:-

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاے گی، بابا ۔۔۔ دُکھ اُس میں تری روح بہت پاے گی، بابا
ہر کھانے کو، ہر پہننے کو ترسائے گی، بابا ۔۔۔ دولت جو ترے یاں ہے، نہ کام آے گی، بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوائے گی، بابا

دولت جو ترے پاس ہے، رکھ یاد تو یہ بات ۔۔۔ کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اِسی کے ترا اونچا رہے گا ہات ۔۔۔ اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی، بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی ۔۔۔ چڑھتی ہی پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی ۔۔۔ تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی، بابا

دولت جو ترے گھر میں یہ اب پھلی ہے جوں پھول ۔۔۔ مردود بھی یہ کرتی ہے، اور کرتی ہے مقبول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
زنہار، خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خندیلہ ترے ساتھ نہیں جاوے گی، بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا
بیٹوں کو، عزیزوں کو، رفیقوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت میں اڑا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
ورنہ تجھے ہر دکھ میں یہ پھنسوائے گی، بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
جو اوروں سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی
جب تک تو جیے گا تجھے یہ چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لائے گی، بابا

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا
اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
جب اس میں جو اٹکے گا، نہ دم نکلے کا پھڑکا
گتھوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے تری جان نکل جائے گی، بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
وہ ناچ مزا دیکھے گا، اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی، بابا

اس کی تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا، اور تیرے تئیں آگ لگے گی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی

لہ خندی بیہودہ ہنسنے والی عورت بے حیا بے غیرت قحبہ فاحشہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایسا یہ تجھے گور میں تڑپاوے گی، بابا

جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ
ساقی و صُراحی و پری زاد کے ہمراہ
جب دیکھے گا سو عیش میں تو اُس کے تئیں آہ

کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لھر آوے گی، بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے میں اُتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا
تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا سُلگا کے کوئی ہار فلیتا

دُھونی بھی تری ناک میں دلوا وے گی، بابا

گر ہوش ہے تجھ میں، تو بخیلی کا نہ کر کام
تھوکے گا کوئی کہہ کے، کوئی دیوے گا دُشنام
اِس کام کا آخر کو بدی ہوتا ہے انجام
رہنا رہنے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیزاریں ترے نام پہ لگوا وے گی، بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن
ٹک غور سے کر گنج پہ قارون کے ذرا دھیان
گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
جیسا ہی اُسے اس نے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلاوے گی، بابا

اُن کی نواسی نے مجھ سے بیان کیا کہ "نانا جان بڑے ہی سخی مزاج کے آدمی[۱] تھے۔ اُنھوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھُوا۔ جہاں کہیں سے روپیہ آیا۔ روپیہ لانے والے سے کہا کہ اِس کو رومال میں باندھ دو

[۱] میں مدح نظیر اب ...ونباتا ہوں ہمیشہ ÷ دولت ہی کا انعام میں پاتا ہوں ہمیشہ ÷ کھاتا ہوں، کھلاتا ہوں، لُٹاتا ہوں ہمیشہ ÷ خیرات اُسی در میں پاتا ہوں ہمیشہ ÷ جاری ہے سدا میرے شہنشاہ کا باڑا[۱] ÷ (خیبر کی لڑائی کا اخیر بند)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھر اُس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو گھر میں ڈال جاتے، یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح جی چاہتا خرچ کریں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا۔ اور کدھر گیا۔"

نظیر کی سیر چشمی اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس کو مختلف ریاستوں سے بلاوا آیا لیکن وہ نہ گیا۔ پہلے تو لکھنؤ[1] کے نواب نے بلایا۔ غالباً اُس وقت میں سعادت علی خاں کا زمانہ ہوگا۔ وہ شعرا اور اہلِ علم کا بڑا قدردان تھا اپنی عام قدر دانی کے تقاضے سے اُس نے نظیر کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ تمھارے کلام کی شہرت نے ہم تن تمھارا مشتاق بنایا ہے۔ میرے دربار کو اپنی تشریف آوری سے زینت بخشو۔ قاصد کے ساتھ کچھ روپیہ بھی بھیجا تھا بعض کہتے ہیں تین ہزار تھا۔ بعض دو سو۔ بہر حال جتنا ہو، قاصد نے نظیر کے پیش کش کیا۔ نظیر نے لے کر گھر میں رکھا اور قاصد سے کہا میں اس کا جواب کل دوں گا۔ روپے کے کھٹکے سے اس کو رات بھر نیند نہ آئی۔ صبح کو آکر اُس نے قاصد سے کہا" بھائی یہ روپیہ تو بڑے ہی بکھیڑے کی چیز ہے۔ چور کے ڈر کے مارے میری تو رات بھر ادھیڑ بن میں گزری کہ نیند حرام ہو گئی، سو مجھ کو ایسی چیز لینی منظور نہیں۔ آرام سے اپنا سوتا ہوں اور شکرِ خدا بجا لاتا ہوں۔ اپنی ایسی عمدہ عافیت کو میں اتنے روپے کے لیے بیچ نہیں سکتا۔"

حافظ انور خاں[2] سے یہ روایت یوں سُنی گئی کہ مشہور ہے کہ لکھنؤ سے ان کی طلب میں بادشاہِ وقت کی طرف سے ایک قاصد دو سو روپیہ لے کر آیا تھا۔ بعض اس مقدار کے بیان کرنے میں مبالغہ بھی کرتے ہیں۔

---

[1] مجید حسن کاتب مفیدِ عام نے کہا، "نظیر کو واجد علی شاہ نے بلا بھیجا تھا۔ تین ہزار روپے بھی بھیجے تھے۔ رات بھر ان کے گھر میں روپیہ رہا۔ اُس تردد سے ان کو نیند نہ آئی۔ انھوں نے کہا ادنیٰ تعلق سے تو یہ ترددات ہیں۔ جب پورا تعلق ہو گا خدا جانے کیا حال ہوگا۔ کم بخت کو پھینکو۔ یہ کہکر روپیہ واپس کیا اور رہ گئے۔ مجذوب سے آدمی تھے۔"

[2] یہ ایک نابینا حافظ ہیں۔ آگرہ ان کا وطن ہے۔ ہر سال رمضان میں تراویح پڑھانے عظیم آباد تشریف لاتے ہیں۔ نیک با خدا آدمی ہیں سن ساٹھ سے متجاوز ہوگا۔ نظیر کے اکثر شعر ان کو یاد ہیں۔ چنانچہ جن دنوں یہ صدر گلی میں وارد تھے پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے والی نظم انھوں نے پوری مجھے پڑھ کر سنائی تھی۔ اور وہیں نظیر کے بعض حالات بھی بیان کیے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آدمی جب اِن کے مکان کے قریب آیا تو نظیر راستے میں ٹہل رہے تھے۔ آدمی نے اِن سے پوچھا نظیر کا مکان کون سا ہی۔ اُنھوں نے کہا سیدھے چلے جائیے۔ نوابِ باندہ کے مکان کے پہلو میں ایک مختصر سا مکان ہی جس کے صحن میں نیم اور بیری کے دو درخت ہیں بس وہی اُن کا مکان ہی۔ وہ جب اِن کے مکان پہ پہنچا تو ڈیوڑھی پر جاکر آواز دی۔ اندر سے جواب ملا کہ وہ کہیں سدھار گئے ہیں۔ اتنے میں ٹہلتے ٹہلتے میاں نظیر بھی آن پہنچے۔ جب قاصد پر ظاہر ہوا کہ نظیر یہی ہیں تو اُس نے شکایت کی کہ آپ نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ پھر بڑے تپاک سے بلا اور بعنوانِ معقول اپنے پادشاہ کا پیام دیا۔ نظیر نے کہا میں اپنے مالک سے پوچھ لوں۔ ایک شب کی مجھے مہلت ملے۔ دوسرے دن خوف زدہ صورت بنائے ہوئے پہنچے کہ صاحب تجھے میں تو اپنے مالک کے ہاں سے بہت ہی ڈانٹا گیا کہ ایک آدمی، دو دو کی نوکری۔ تو آپ اپنا روپیہ لیجیے اور مجھے معاف کیجیے۔ اِس حکایت میں کسی قدر صوفیانہ رنگ زیادہ گہرا ہوگیا ہی۔ عجب نہیں کہ خوش عقیدہ لوگوں نے خانقاہی مجلسوں کے گرم کرنے کے لیے کچھ تصرف کیا ہو۔

اُن کی نواسی نے اِس حکایت کو نہایت سادگی سے اِن الفاظ میں بیان کیا۔ میں نے پوچھا دو لکھنؤ سے اِن کو کوئی بلاوا آیا تھا؟ اُنھوں نے کہا "ہاں، وہاں کے نواب نے بلا بھیجا تھا۔ لیکن اُنھوں نے کہا میں ماشا بھر کا قلم ہلانے والا، میاں کدھر جاؤں۔ امیروں کے لائق کہاں ہوں، یہی کہہ کر ٹال دیا اور نہ گئے"

غرض جو کچھ ہو اِس حکایت سے اِن کی استغنا اور سیر چشمی ثابت ہوتی ہی۔

حافظ انور خاں نے بیان کیا کہ ایک روایت ہی کہ بھرت پور سے بھی اِن کی طلب آئی تھی۔ وہاں کے راجہ نے بلا بھیجا تھا۔ بعض کہتے ہیں گئے۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں گئے۔ قولِ اوّل کے مطابق آگے سلسلۂ بیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یوں ہی کہ جب بھرت پور پہنچے تو راجہ نے بڑے تکلف کے ساتھ ان کے لیے مکان فرش فروش سے آراستہ کردیا اور بیس روپیہ ان کی تنخواہ کی انھوں نے کہا فرش تو اُٹھوا دیجیے مجھ کو صرف ایک بوریا درکار ہے۔ اور بیس روپے کیا ہونگے میری حاجت کو پانچ روپے بہت ہیں۔

اِس حکایت کی میاں نظیر کی نواسی کے بیان سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ شہر کے باہر فقط اُنھوں نے متھرا میں اوائلِ عُمر میں نوکری کی تھی۔ اور وہ بھی پڑھانے ہی کی۔ اُس کے بعد اُنھوں نے باہر کہیں نوکری کی ہی نہیں۔

ایک حکایت ان کی استغنا اور سیرچشمی کی خود ان کی نواسی کی زبانی معلوم ہوئی۔ اور چوں کہ یہ حکایت ابتداے عمر کی ہے اس سے ایسا یقین ہوتا ہے کہ یہ مادہ ان میں فطری طور پر ودیعت تھا۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ ان کے والد جن کا نام محمد فاروق تھا عظیم آباد میں نوکر تھے۔ کوئی نواب صاحب تھے اُن کے ہاں مصاحب تھے۔ جب اُنھوں نے قضا کی تو نواب صاحب نے میاں نظیر کو لکھ بھیجا کہ آپ کے والد نے قضا کی۔ تقدیرِ الٰہی سے کوئی چارہ نہیں، صبر کیجیے۔ مال جو وہ چھوڑ گئے ہیں اُس پر تالے ڈلوا دیے ہیں۔ آپ اُن کے وارث ہیں۔ آیئے اور آن کر لے جایئے۔ میاں نظیر نے لکھ بھیجا کہ "میں ماشے بھر کے قلم کا ہلانے والا اتنے مال کے لیے کہاں کہاں مارا پھروں۔ آپ سب مال کو لے کر وہیں خیرات کر دیجیے۔"

سخاوت و عشرت کے بیان میں یہ بند بھی اُن کی جبلّی فیّاضی کو ظاہر کرتے ہیں:۔

زردار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو	تن زیب اِتن سُکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو نرچلن[1] چاہیں چل تو بھی اُسی چلن کو	مُرشد کا ہے یہ نکتہ، رکھ یاد اِس سخن کو

[1] نر مرد کو کہتے ہیں۔ یہاں مردانِ راہِ طریقت مراد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر
محبوب دلبروں سے خوش ہو لپٹ لپٹ کر
جھمکا[۵۱] گلابی ہی کی پیالی اُلٹ پلٹ کر
پی دُودھ اور بتاشے[۵۲] میوہ مٹھائی چٹ کر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا
پاپی[۵۵] بخیل مت بن، داتا[۵۶] سخی کہا جا
تاش[۵۳] اور بادلے[۵۴] میں یک بار جھمگا جا
اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو رہی اُس کو بھی لے گنوا دے
کوٹھے امکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے
مے کے بہا کے نالے، طبلوں کو کھڑکھڑا دے
گڈیوں تلک جلا دے اینٹوں تلک اُڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

۵۱ جھمکانا چمکانا جھلکانا۔
۵۲ بتاسا اور بتاشا دونوں صحیح ایک قسم کی شیرینی جو بشکلِ حباب ہوا بھر کر بنائی جاتی ہی۔
۵۳ تاش ایک قسم کا زری کا کپڑا جس کا تانا ریشم کا یا نا بادلے کا ہوتا ہی۔ زربفت۔ بادلہ۔ تامی۔
۵۴ بادلہ زری کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہی۔ تامی۔ زری۔
۵۵ پاپی۔ کنجوس بخیل ممسک خسیس کنتک دنی۔
۵۶ داتا دینے والا جواد سخی فیاض داتا پُن کرے کنجوس جھُر جھُر مرے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کتنی زر چھوڑ کر مرے گا	یا کھائے گا جنوائی[۵۱]، یا خالصے[۵۲] لگے گا
تیرا وہی ہی جو کچھ راہِ خدا میں دے گا	کھاتا، کھلاتا، ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پہ کچھ حادثہ خلل کا	مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے دَل[۵۳] کا
آگے سے دے دلا کے ہو وہ تو اس سے ہلکا	کر فکر اپنے دل میں کچھ آج کا، نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہی پھر وہ ہی دھن بھی دے گا	مال و مکاں حویلی، باغ و چمن بھی دے گا
جیتا رہے گا جب تک کھانے کو اَن[۵۴] بھی دے گا	مر جاوے گا تو وہ ہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دیے ہیں سب کھائے اور کھلائے	رکھ دھن اسی کی دل میں اب، کھائے اور کھلائے

۵۱ جنوائی بیٹی کا خاوند داماد۔
۵۲ خالصے لگنا۔ ضبط ہونا۔ بے وارثا قرار پا کر سرکاری ملکیت میں داخل ہونا۔ رائگاں جانا۔
۵۳ دَل فوج لشکر انبوہ۔
۵۴ اَن دانہ اناج غلّہ گیہوں چنا وغیرہ غذا خورش ادھار۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنا سمجھ اُسی کو جب کھائے اور کھلائے | اب تو نظیر تو بھی سب کھائے اور کھلائے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مر رہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ابوالقاسم میر قُدرۃ اللہ قادری اپنے تذکرے میں جس کی تاریخ اتمام سنہ ۱۲۲۱ھ ہے، لکھتے ہیں کہ شیخ ولی محمد اکبر آبادی شاعرے ہست دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نواح علم اُستادی مے افرازد و نرد مُحبت واخلاص باہر کس مے بازد۔ بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط ونہایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ مے شود۔ بمُعلّمی اوقات گُزاری مے کند وبکُشادہ پیشانی ایام زندگی بسر مے برد۔

اخلاق نظیر کے متعلق اس عبارت سے اتنے مضامین نکلتے ہیں کہ میاں نظیر مُحبت کے بڑے پکّے تھے۔ جس شخص سے ملتے تھے خلوص کے ساتھ ملتے تھے۔ اور دوستی اور محبت کے حقوق کی بڑی رعایت کرتے تھے۔ کسی شخص کے ساتھ اُن کو عداوت اور رنجش رکھتے نہیں سُنا گیا۔ مرنجاں مرنج کی حکمت عملی کو پوری طرح برتتے تھے۔ صُلحِ کل کے وسیع کمرے میں ہر شخص سے دل کھول کر ملتے تھے۔ مزاج میں خوش طبعی بھری ہوئی تھی۔ جس مجلس میں ہوتے تھے اِن کی باتوں سے لوگوں کے چہروں پر گُلدستے کِھل جاتے تھے۔ طبیعت نہایت سلیم واقع ہوئی تھی۔ نادر نادر لطیفے اور اچھوتے اچھوتے چٹکلے اُن کی زبان سے سُننے میں آتے تھے۔ طینت میں کسی قسم کا فساد نہ تھا۔ نیکی خمیرِ مزاج میں داخل تھی[1]۔

میاں نظیر کی نواسی اور اُن کے داماد میرزا نوازش علی کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت بچّوں کے ساتھ بہت

---

[1] نظیر خود حمد الٰہی والی نظم میں صفاتِ انسانی کی تصریح کرتے ہیں:-
خصوصاً بنی آدمِ خوش لقا ٭ شرف اُن سبھوں میں انھی کو دیا ٭ بہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم ٭ عطا کی انھیں دولتِ معرفت، عبادت، اطاعت، نکو منزلت ٭ حیا، حُسنِ الفت، ادب، مصلحت ٭ تمیز و سخن، اخلاقِ خوش، مکرمت۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محبت کرتے تھے۔ بچے اُن کو گھیرے رہتے تھے اور اُن سے ہنستے بولتے تھے اور اُن کے بہلانے کو بہت سی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اِن کے مکان کے آس پاس محلے بہت آباد ہیں۔ اُن کے بچے اُن کو آن کر گھیر لیا کرتے تھے۔ اُن کی خاطر سے اکثر یہ کچھ تفریح کی نظمیں بھی لکھ دیا کرتے تھے مثلاً بیا۔ ریچھ کا بچہ وغیر ذلک

میاں نظیر کی نواسی کہتی تھیں کہ نانا کی زندگی میں مَیں بہت ہی چھوٹی تھی۔ جب کبھی گھر آتے اور میں اُن کے پاس جاتی تو مجھ کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور گانے لگتے:۔

"موہن میرے آئے للن میرے آئے کنجن میرے آئے"

ایسی محبت کرتے تھے کہ اس قسم کی محبت کرتے میں نے تو کسی بزرگ کو نہیں دیکھا۔

چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی میاں نظیر کو سلام کرتا تھا تو دونوں ہاتھوں سے اُس کا جواب دیتے تھے۔

ایشیائی شعرا میں ہجو کا مرض عام ہے۔ عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں عمائدِ شعرا نے ہجو سے اپنے کلام کو ناپاک کیا ہے۔ متنبّی کا وہ شعر مشہور ہے:۔

اسامریٌّ ضحکۃ کل راءٍ
فطنت وانت اغبی الاغبیاء

فردوسی کے یہ دو شعر محمود کی ہجو میں کس فارسی کے طالب علم کی زبان پر نہیں:۔

پرستار زادہ نیاید بکار
اگرچہ بود زادۂ شہر یار

اگر مادرِ شاہ بانو بُدے
مرا سیم و زر تا بزانو بُدے

انوری کا کلام بھی ہجو سے خالی نہیں۔ خاقانی نے تو ہجو کی انتہا کر دی ہے کہ اپنے سُسرے ابو العلا گنجوی سے اُلجھ پڑا۔ اور انتہا سے زیادہ رکیک مضامین اُس کی شان میں قلم بند کیے۔

اُردو کے شعرا میں سودا مسلّم الثبوت اُستاد ہے۔ جہاں اُس کو قصائد کا امام مانا جاتا ہے، ہجو کا بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگ پیشوا سمجھتے ہیں۔ اتنی ہجو شاید کسی شاعر کے قلم سے نہیں نکلی۔ میر حسن کے باپ ضاحک کی ہجو اس نے کی:-

	ریم سوزاک پدر ہی تو شریر		رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر	

میر کی ہجو اس نے کی۔ فدوی کی ہجو اس نے کی۔ مرزا علی کی ہجو اس نے کی۔ شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو اس نے کی۔ مرزا فیضو کی چیچک کی ہجو اس نے کی۔ غرض جس سے ذرا رنجش ہوئی اُس کی ہجو کر کے رکھ دی۔

جرأت اور کربلا بھانڈ کے مقابلے مشہور ہیں۔ جرأت کے اس دنداں شکن جواب سے کون واقف نہیں جس کا اخیر شعر یہ ہے:-

	نی بگڑتا ہے، نہ سنورتا ہے		باپ کی اپنے نقل کرتا ہے	

مصحفی اور انشا کے ہجویہ معرکے زبان زدِ خلائق ہیں (مزہ یہ تھا کہ اس قسم کے معرکے جب ہو چکتے تو پھر بعد میں دلوں میں کسی قسم کی کدورت باقی نہیں رہتی تھی۔ الحمد للہ کہ اب غیرت کا معیار کسی قدر بلند ہو گیا ہے۔)

باوجودے کہ نظیر اُسی زمانے کے شعرا میں ہے جب کہ ہجو کوئی معیوب بات نہ تھی۔ بلکہ یوں کہیے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قریب قریب ہجو ایک خاص فنِ کلام قرار پاگئی تھی جس پر شعرا طبیعت آزمائی کرنی ایک ضروری فریضۂ شاعری جانتے تھے۔ علاوہ بریں خود نظیر شوخیِ طبع سے عاری نہیں۔ مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بات بات میں چوچلا تھا۔ اور لفظ لفظ پر چٹکلا۔ لیکن پھر بھی اُس نے اپنی خاص عالی ظرفی سے کسی کی ہجو سے اپنی زبان کو آشنا نہیں کیا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا مزاج کیسا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے پاک تھا۔ وہ کسی کی عداوت کو دل میں پرورش نہیں کرتا تھا۔ جس سے کچھ رنجش ہوئی۔ بس اُسی وقت تک رہی۔ جب وقت نکل گیا۔ پھر اس کا خیال بھی نہیں۔ اُس کا مزاج بہت ہی پاک و صاف واقع ہوا تھا۔ کسی کی بدسلوکی اُس کو بہت زیادہ دیر تک طول نہیں رکھتی تھی۔ دریا میں جیسے ایک چھوٹی سی کنکری کے گرنے سے تغیر پیدا ہو بس کچھ اُسی قسم کا تغیر خلافِ مزاج باتیں اُس کی خوشی کی روانی میں پیدا کرتی تھیں۔ آن کی آن میں وہ تغیرِ طبیعت کی بڑی اور زبردست موجوں کے تھپیڑے کھا کر فنا ہو جاتا تھا۔ پس ہجو کی لہر دل میں پیدا ہوتی تو کہاں سے ہوتی۔

اہلِ دنیا کی جت

مدّاحی بھی ایشیائی شاعری کا جزوِ اعظم ہے۔ خُلفاے عباسیہ کے صلوں نے شُعراے عرب کو مدّاحی کی چاٹ دلائی۔ سلاطینِ فارس کے انعاموں نے شُعراے عجم کو اس کی چاشنی سے آگاہ کیا۔ کم اولوالعزم بادشاہ ہوں گے۔ جن کے دربار میں ایک شاعر باسمِ ملک الشّعرا صرف اس خدمت پر نہ مامور رہا ہو کہ ہر خوشی کی تقریب میں عُمدہ عُمدہ قصائد میں نئی نئی تمہیدوں سے اُن کے اوصاف جھوٹ سچ بیان کرے۔

عروج کے زمانے میں ہندوستان میں بھی سلاطینِ اسلام نے مدحت خواہی اور جائزہ بخشی کے میدان میں بہت زمانے تک اپنے عجمی ہم چشموں کے ساتھ گھُڑدوڑ قائم رکھی ہی۔ خزانۂ عامرہ میں لکھا ہی کہ قُطب الدّین مبارک شاہ نے امیر خسرو کو ایک ہاتھی کے برابر وزن میں روپئے انعام دیے۔

اُس گئے گزرے وقت میں بھی جب کہ اسلامی سلطنت کا دیا ہندوستان میں جھلملا رہا تھا بعض اولوالعزم اور علم دوست عیش پسندوں کے فیضِ توجہ سے بہت کچھ شُعرا کے دامنِ گُل مراد سے بھر جاتے تھے۔

گو اب بعض لوگ اُس زمانے کو یاد کر کے بے اختیار ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگتے ہیں لیکن اگر غور سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیکھیے تو ایک بڑی آفت ہم لوگوں کے سر سے دور ہو گئی ہے۔ سلاطین کی مدّاحی کرتے کرتے شعرا میں ایک خاص مادہ خوش آمد کا پیدا ہو جاتا تھا جس سے اُن کے کلام کی قدرتی روانی میں فرق آجاتا تھا۔ اُن کے خیالات کا آزادانہ لب و لہجہ باقی نہیں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ تعریف کے مضامین پیدا کرنے میں نئے نئے انداز سے مبالغے کو کام میں لاتے تھے۔ جھوٹ بکتے بکتے اُن کو سیدھے سادے واقعات کے بیان میں لطف نہیں ملتا تھا۔ اُن کے خیالات رفتہ رفتہ محدود ہو جاتے تھے۔ لفاظیوں کا ایک ایسا جھاڑ طیار ہو جاتا تھا کہ شاہدِ مطلب کا دامن اکثر کانٹوں سے اُلجھا جاتا تھا۔ معلومات کے کُل سرچشمے اپنا ذخیرہ بے جا مدّاحی کی ناپاک اور بے پایاں کھاڑی میں خالی کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ہماری شاعری کا رُخ ہر سمت کر ایک اُنہی سے زیادہ نہیں رہا تھا۔

اب اگر کوئی کسی کی مدحت نہ کرے تو کوئی شاباش کی بات نہیں۔ اس لیے کہ سرے سے اُمید صلہ ہی مفقود ہے۔ مدّاحیِ مروجہ کی قباحتیں اب گویا سب پہ کُھل گئی ہیں۔ اکثر سنجیدہ خیال لوگوں کی توجہ اور زرخیز زمینوں کی طرف مصروف ہو گئی ہے۔ دوسرے میدانوں میں لوگ اپنے اشہبِ قلم کو زیادہ اُمیدِ منفعت کے ساتھ چمکا رہے ہیں۔ تعریف اُن لوگوں کی ہے جن کو عین اُس زمانۂ اقبالِ مدّاحی میں اُس کی قباحتوں پر نظر تھی۔ میں دیکھتا ہوں کہ نظیر اُنہی مستثنےٰ لوگوں میں ہے۔ جس طرح اُس نے اپنی زبانِ قلم کو لوگوں کی ہجو سے روکا اُسی طرح اُس نے اہلِ دنیا کی مدح کی آلایش سے بھی اُس کو پاک رکھا۔ تمام کلیات میں اُس کے ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جس میں کسی رئیس یا امیر یا نواب کی تعریف ہو۔ یہ بھی نہیں کہ اُس کو کسی رئیس سے تعلق نہ ہو۔ راجہ چیت سنگھ کے بیٹے کی سرکار میں وہ متعلّق تھا۔ وہ اگر تعریف کرتا تو یقیناً راجہ اُس کو مناسب صلے دیتا اور یقیناً دُنیاوی حیثیت سے اُس کی حالت زیادہ شگفتہ ہوتی۔ عجب نہیں کہ بعض موقعوں پر حُسنِ طلب کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشارے بھی ہوئے ہوں۔ لیکن اُس کو خوشامد سے نفرت کلی تھی۔ وہ ایک بندۂ خدا کی مدحت اُس درجے میں انتہا درجے کی بدعقلی جانتا تھا۔ اشاروں کو ہنسی میں ٹال جاتا ہوگا۔ رہا حُسنِ کلام وہ اور مضامین کے مطلع سے اس طرح چمکا ہی کہ اب کسی عاقل کو جائے شکایت ہو نہیں سکتی۔ اُس نے اپنی خداداد قوتِ شاعری کو اس سوء تصرف سے بچا کر ایک اچھے مصرف میں لگایا اور کانِ طبیعت سے کاوش کر کے ایسے جوہر نکالے جو اور شعرا کے مدحیہ جھوٹے جواہر سے ہر چند زیادہ چمکیلے نہ ہوں مگر سچے اور اصلی جواہرات ہیں اور ہر جوہری بازار میں عمدہ قیمت کو بک سکتے ہیں۔

ایک[1] جگہ خوش آمد کی میاں نظیر نے تعریف بھی کی ہی لیکن اُس سے یہ مدعا نہیں ہی کہ آدمی کمینوں کی طرح خوشامد کرے۔ اُس کا منشا صرف اتنا ہی ہی کہ ایسی بات نہ کرے کہ دل کو کسی کے آزار پہنچے۔ معمولی اخلاقی جن سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور اُن میں کچھ اپنا نقصان بھی نہیں مصلحتِ دنیا کے لیے اُن کے کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔ بلکہ مناسب ہی۔ چار دن جس شخص کو جھک کر سلام کیا دل میں خوش ہو گیا۔ اگر کوئی کام آ گیا تو اُس نے اُس کے کر دینے میں انکار نہ کیا۔ سلام کرنے سے ہمارا کچھ صرف نہیں ہوا لیکن وقت پر کس قدر کام آ گیا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کے باتیں کرنا، گو بعض مغرور مزاج کو ناگوار معلوم دے، لیکن اُس میں بھی کوئی دولت اپنے گھر سے نہیں جاتی۔ اور مخاطب ہی کہ اسی ذرا سی بات پر پھولا جاتا ہی۔ نظیر کے مزاج میں انکسار چوں کہ غایت مرتبہ کا تھا وہ اس قسم کی اخلاقی خوشامد کا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ کرتا تھا۔ وہ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ ادنیٰ ادنیٰ شخصوں کے سلام کا دونوں ہاتھوں سے جواب دیتا تھا۔ وہ معمولی آدمیوں سے بھی کوئی بات کرتا تھا تو ہاتھ جوڑ کر اور ادب دکھا کر۔ گھر باہر تمام اُس کے اخلاق کا جال پھیلا ہوا تھا اور ہر دل اُس کے

[1] جس خوشامد کا نظیر نے ذکر کیا یہ اکثر بڑے شہروں کا خاصہ ہی خصوصاً جس شہر کی آبادی زیادہ تر تاجرانہ ہو جیسے آگرہ ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دام میں اسیر تھا۔

حکیم میر قطب الدین باطن کے تذکرہ نغمۂ عندلیب سے نظیر کے اخلاق کے متعلق یہ باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ مزاج میں حلم بہت تھا۔ لاکھ خلافِ مزاج بات ہو۔ ماتھے پر بل نہیں۔ بہت کم لوگوں نے اُن کو غصہ ہوتے دیکھا۔ جس بزم میں بیٹھے اخلاق کے نور سے شمع انجمن معلوم ہوتے۔ نادرہ سنج ایسے بڑے تھے کہ کوئی بات لطیفے سے خالی نہ تھی۔ انجمن کو اپنی لطافت سے شگفتہ کر دیتے تھے۔ جود و احسان میں بھی بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ پاس پڑوس میں جو غریب غربا تھے اُن کی اکثر خبر گیری فرماتے تھے۔ محتاج کو دیکھ کر اُن کا دل دُکھ جاتا تھا۔ کسی سائل کو خالی نہ پھیرتے تھے۔ اور جو وقت پر کچھ نہ ہوتا تو نہایت گڑگڑا کر معذرت کرتے۔ بڑے صاحب ہمت تھے۔ اپنی ہمت کے آگے وہ شاہی گنج و خزانہ کو بھی کوئی چیز نہ سمجھتے تھے۔ زیورِ حیا سے آراستہ تھے۔ جو اہلِ مروت کا خاصہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کا مذہب اور مذاقِ تصوّف

نظیر کے کلام کے تتبّع سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس نے اہلِ سُنّت وجماعت کے طریقۂ مروجہ کے مطابق کہیں صحابۂ کرام کی مدحت نہیں کی۔ اہلِ سُنّت وجماعت بطورِ معمول حمد و نعت کے بعد چاروں صحابیوں کی تعریف ضرور لکھتے ہیں۔ نظیر نے لیلیٰ مجنوں کے قصّے میں صرف حمد و نعت پر اکتفا کی ہی۔ صحابیوں کا ذکر کیا ہی نہیں یہاں تک کہ حضرتِ علی کو بھی بھول گئے ہیں۔ اُس کی مذہبی نظمیں کُلّیات میں شمار میں کُل گیارہ ہیں۔ ایک میں صرف خُدا ہی کی حمد ہی۔ دوسری میں صرف خُدا کی نعت۔ تیسری میں کلمے کی مواظبت کی ہدایت۔ چوتھی میں حضرت علی کی منقبت۔ پانچویں میں پنج تنِ پاک کی تعریف۔ چھٹی میں حضرت علی کا معجزہ۔ ساتویں میں حضرت عبّاس کا معجزہ۔ آٹھویں میں پھر حضرت علی کی منقبت۔ نویں میں پھر حضرت علی کی منقبت۔ دسویں نظم بطورِ سلام ہی جس میں رسول سے لے کر تمام اہلِ دل اور اولیا کے ساتھ اپنی حُسنِ عقیدت ظاہر کی ہی۔ گیارھویں میں حضرت سلیم چشتی کے عُرس کا ذکر ہی۔

کُلّیات کے علاوہ اور بھی بعض نظمیں سنی گئی ہیں جو فقیروں کی زبانوں پر صدا بن کر گلیوں اور کوچوں میں غلغلہ مچاتی ہیں مثلاً خیبر کی لڑائی حضرت علی کا وہ معجزہ جس میں آپ نے ایک پہلوان کو زیر کیا اور وہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور بھی شاید بہت سی نظمیں ہوں گی جو مجھ تک نہیں پہنچیں۔

ان تمام نظموں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہی کہ وہ خاندانِ اہلِ بیت کے ساتھ بڑی محبّت رکھتا تھا۔ وہ خارجی پر لعنت کرتا ہی۔ وہ حضرت علی کی کرامات کو معجزے کے ساتھ تعبیر کرتا ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک معجزہ تو اُس نے حضرت علی کا یہ لکھا ہی کہ کسی بنی میں شیر اور شیرنی رہتے تھے۔ شیرنی اُس بنی میں دو بچے جنی۔ ایک دن اپنے بچوں کو چھاتی سے لگائے دُودھ پلا رہی تھی کہ اِتنے میں کسی طرف سے بندوق کی صدا آئی۔ نر مادہ دونوں ڈر کر بھاگ گئے۔ آواز بندوق کی جس شکاری کی آئی تھی وہ کوئی بادشاہ تھا جو شکار کو نکلا تھا اور شکار کرتا ہوا آرہا تھا۔ جب اُس مقام پر پہنچا تو اُس نے شیر کے یہ دو بچے دیکھے۔ آدمی حکم کیا کہ اِن کو اونٹ پر رکھ لو۔ غرض اونٹ پر رکھوا کے گھر کو لے گیا۔ یہ تو بچوں کا حال ہوا۔ اب شیر اور شیرنی کا حال سنیے۔ کچھ دیر بعد جب جنگل میں امن ہوا اور بندوق کی آواز دیر تک موقوف رہی تو وہ دونوں واپس آئے۔ مگر یہاں آ کر دیکھیں تو بچوں کا کہیں پتا نہیں۔ شیر تو وہیں غش کھا کر گرا۔ اور شیرنی نے نجف اشرف کی راہ لی۔ نجفِ اشرف پہنچ کر تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی۔ لاکھ لوگوں نے اُس کو کھلانا پلانا چاہا مگر اُس نے کھانے پینے کی طرف رُخ ہی نہ کیا۔ ناچار وہاں کے شریفوں نے جس طرح قدیم سے کہنے کی راہ تھی حضرت علی کی جنابِ مقدس میں عرض کی۔ وہاں سے ندا آئی کہ یہ شیرنی ظُلم و ستم کی ستائی ہی۔ بچوں کو اس کے کوئی پکڑ کر لے گیا ہی۔ اُس کی فریاد لائی ہی۔ کل اِس کا بھید تم سب پر آشکار ہو جائے گا۔ ادھر شریفوں کو تو یہ جواب عنایت ہوا اُدھر بادشاہ کا جا کر پلنگ اُلٹ دیا۔ اور فرمایا کہ شیر کے دونوں بچوں کو تو کل نجف اشرف میں جلد بھیج دے ورنہ پھر بہت پچتائے گا۔ بادشاہ تو تھر تھر کانپنے لگا اور گڑ گڑا کر بولا کہ یا حضرت نجف تو یہاں سے پندرہ دن کی راہ ہی۔ کل اِن کو وہاں کیوں کر بھیج دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ جس وقت نور کا تڑکا ہو جلدی سے دونوں بچوں کو اُونٹ پر رکھوا کے اپنے شہر کی آبادی سے اُدھر بھجوا دے۔ جب یہ شہر کے دروازے پر پہنچیں گے غیب سے ایک ناقہ سوار پیدا ہوگا۔ صُبح ہوتے ہی اُس نے دونوں بچوں کو منگوا اُونٹ پہ رکھوا جلدی سے روانہ کیا۔ جب لوگ شہر کے دروازے پاس پہنچے تو کیا دیکھیں کہ ایک شخص

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہاں آدھی رات سے اُونٹ کی مہار پکڑے منتظر بیٹھا ہوا ہی۔ جاتے ہی دونوں بچے اُس کے حوالے کیے۔ وہ بچوں کو لے کر روانہ ہوا اور پھر دن چڑھتے چڑھتے نجفِ اشرف میں پُہنچ گیا۔

بچوں کے آنے آنے کے جب غُل ہوئے کرور
جب لا کے اُس کے سامنے بچّے دیے وہ چھوڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے مُنھ کو موڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی اُلفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہی بچّوں کو اپنے پیار

بچّے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دُودھ سے لگے
یوں جیسے کوئی دُور کا بچھڑا ہوا ملے
اس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اُس کے مُنھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچّے پائے تو ہو کر وہ شاداں
روضے کے سات بار تصدّق ہوئی وہاں
بچّوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوانِ بے زباں
پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہنچی اپنے دشت میں خوش ہو کے ایک بار

یہ نظم بہت مشہور ہی۔ تمام فُقرا گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع میں اپنی غلامی کو حضرت علی کی جناب میں یوں عرض کرتے ہیں:۔

اے شاہ یہ نظیر تمھارا غلام ہی
عاصی ہی پُر گناہ ہی اور ناتمام ہی
رکھتا سوا تمھارے کسی سے نہ کام ہی
دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہی
"رکھیو میری آبرو یا شیرِ کردگار"

دوسرا معجزہ نظیر ہی کے الفاظ میں یوں ہی:۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اک معجزہ کہتا ہوں میں اُس شاہ کا سُن کر
موتی سے سخن ہیں لو اِسے دھاگے سے چُن کر
اک کافرِ بدذات چلا لڑنے کی دُھن کر
آسامنے حیدر کے غضب آگ سا بھُن کر
جوں اُونٹ ذبح کرتے ہیں چلّا کے دہاڑا

کہنے لگا میں تم سے علی کُشتی لڑوں گا
کُشتی کے جو ہیں پیچ علی تم سے کروں گا
خم ٹھونک کے میدان میں علی تم سے اڑوں گا
ہاں یا علی میں آپ سے کُچھ گر نہ پڑوں گا
ہر چند علی آپ نے دیوؤں کو پچھاڑا

جب شاہ اُٹھے جوش میں آتش و غضب کے
یکبار گی اُس کافرِ بدذات سے لپٹے
کر یادِ خدا ہاتھ کمر بند میں اُس کے
اک ہاتھ سے پھینکا جو اُسے تین چرخ دے
یوں گر پڑا جوں گرتا ہے دریا کا کراڑا

چاہا جو اُٹھے خوف سے وہ کانپ دھڑک کر
اُس شاہ نے ماری ہیں اک لات کڑک کر
روح اُس کی نکلنے لگی پنجرے سے پھڑک کر
نتھنوں سے لہو ڈال کے ماتھے پہ چھڑک کر
مُنکر کا اجل لے چلی دریا کو نواڑا

دانتوں سے پکڑ تنکا وہ بولا علی آیا
تقصیر ہوئی مجھ سے میں اپنا کیا پایا
پھر اُس کو مسلمان کیا کلمہ پڑھایا
کُفار میں جا دین کے ڈنکے کو بجایا
دیں داری کو جاری کیا اور کُفر کو گاڑا

یہ نظم میں نے ایک فقیر سے لکھ لی ہے۔ کلّیات میں نہیں ہے۔ اسی میں دو مصرع یہ بھی ہیں:-

مولیٰ مرا جس وقت تھا طفلی کے عہد میں
کلّے کے تئیں اژدرِ خوں خوار کے پھاڑا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علی نے مہد میں چیرا ہی اژدر
اُلٹ ڈالا ہی اک حملے میں خیبر
علی نے کاٹ ڈالے عمرو و عنتر
خواص اشیا کا پھیرے گروہ سرور
تو ہو تریاک زہر اور زہر تریاک

علی کو مصطفیٰ نے جی کہا ہی
علی کو لحمک لحمی کہا ہی
علی کو جسمک جسمی کہا ہی
علی کو روحک روحی کہا ہی
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہی
جو اِن میں کچھ تفاوت جانتا ہی
برابر مصطفیٰ کے مانتا ہی
وہ اپنے خاک سر پہ چھانتا ہی
لگائی اُس نے دوزخ کی تگ تاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو
جو دے سبکی سے نامِ مرتضیٰ کو
وہ بیشک ہی سیہ دل اور سیہ رو
نہ جاوے اُس شقی کے مُنھ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبیٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علی کا
حواس اُڑ جاے ہر اک ناصبی کا
پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
دھڑک جاوے کلیجا مدعی کا

(میر) قلعۂ خیبر مرگ اژدر کھینچنا خورشید کا ÷ ہیں فنا نے زور کے تیرے جہاں میں یادگار۔
(میر) اُٹھا ہی دو انگشت سے دروازۂ خیبر ÷ چیرا ہی کس انداز سے گہوارے میں اژدر۔
گیا ہاتھ تھا جس سے کہ گیا جان سے عنتر ÷ ظاہر ہی کہ یاں تھا وہی ظاہر وہی مظہر۔
(نظیر) اگر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل تاڑ ÷ پگڑی کو اُس کی پھینک کے ڈاڑھی کو لوں اُکھاڑ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عدو کا دم میں ہو جاوے جگر چاک

اُسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشید انور نے — اُسی کو لافتےٰ ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اُسی کو لحمک لحمی کہا جانِ پیمبر نے — اُسی کو دلکہ دمی کہا اُس شاہِ برتر نے

خدا و مصطفےٰ سے ہم قرابت اِس کو کہتے ہیں

کیا مولا سے میرے گر کسی نے اک سُوال آکر — جو مانگا اک شتر اُس کو دلائے سیکڑوں اشتر
اگر کچھ زر کی خواہش کی تو بخشے اِس قدر گوہر — کہ اُس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر بارہ

کریم و اہل ہمت میں سخاوت اسکو کہتے ہیں

اسی نے ایک حملے میں گرایا باب خیبر کا — کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ ایک تن تنہا
چہ بیر العلم میں کو دکر دیووں کو جا مارا — ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منہ موڑا

بہادر بے بدل یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

کہا اُس شاہ نے روز قیامت میں جو آؤں گا — وہاں عرصات میں اپنے محبوں کو جو پاؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا — پلا کر جامِ کوثر سب کو جنت پہنچواؤں گا

علی کے دوستوں کو شفاعت اسکو کہتے ہیں

پنجتن کی تعریف میں ایک خاص نظم لکھی ہے جس میں خارجی کی پگڑی اور ڈاڑھی کی یوں خبر لی ہے

نعرہ کروں جو حیدری ہل جاویں سب پہاڑ — تھرا دیں خشمہ ساز لبیں ڈر سے بوٹے جھاڑ

سُمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

پنجتن کی تعریف کے یہ بند بہت ہی مرغوب ہیں:-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

محمد اور علی یاقوت احمر — در بحر خدا خاتون اطہر
زمرد و لعل ہیں شبیر شبر — جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنج تن پاک

انہی کے واسطے خلد عدن ہی — انہی کے واسطے نہر لبن ہی
جنھیں ان کی محبت کا چلن ہی — بہشتی حلہ اور ان کا بدن ہی
سدا سیر بہشت اور سایۂ پاک

حضرت عباس بن علی کا ایک معجزہ یوں لکھا ہی کہ آرکاٹ ایک شہر ہی- وہاں ایک ساہوکار تھا- جتنے زردار تھے سب میں اس کا رتبہ بڑا تھا- اس کے ایک بیٹا سعادت مند برخوردار تھا-

گل بدن گل پیرہن گل رنگ گل رو نام دار

چوں کہ دوسرا اس کے کوئی بیٹا بیٹی نہ تھا باپ اور ماں دونوں جی جان سے اس پہ فدا تھے — نہایت تکلف کی پوشاک پہناتے اور زر و جواہر سے لادے رہتے- ان دنوں اس کا سن و سال تیرہ برس کا تھا- جب اس کو ماہ محرم کا ہلال نظر آیا- یہ لڑکا چھپ چھپ کر تعزیہ خانوں میں جاتا اور مرثیوں میں شاہ کربلا کے غم کا حال سن کر سینے کو پیٹتا اور ماتم کرکے زار زار روتا- پھر تعزیے کے سامنے مودب ہو کے سر جھکا کر ضریح پر کھڑا مورچھل جھلتا- جب علم اٹھتے تو لڑکوں کے ساتھ یا حسین کہہ کر علم اٹھا لیتا- شام سے آکر قندیلیں جلاتا- قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا- عود سوزوں میں اگر لا کر ڈالتا- اہل مجلس کو دوڑ دوڑ کر شربت پلاتا- غرض جتنا وہاں کا کاروبار تھا سب کرتا- اب تک اس کے باپ کو اس کی خبر نہ تھی- جب اس نے سنا جھڑکا طمانچے مارے- خوب سی تنبیہ کی اور کہا- ای بے حیا بدبخت- موذی- مدعی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نابکار - کیا تو مجھے ذات سے نکالے گا - دن کو تو باپ نے یوں جھڑکا لیکن چونکہ شہیدِ کربلا کی محبت کا دل میں اُس کے جوش تھا وہ رات کو پھر تعزیہ خانوں میں دوڑ ہوا پہنچا - باپ اُس کا وہاں سے پھر پکڑ لایا - الغرض سو سو طرح کے اُس پہ عذاب کیے مگر اُس نے تعزیہ خانے کا جانا نہ چھوڑا -

رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا — تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

بند رقّت یہ ہے:

جب تو سب نے تنگ ہو کر مصلحت ٹھانی بہم — جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اُٹھاتا ہے عَلم
کیوں نہ اب اِس دم وہی ہاتھ اِس کا کر ڈالو قلم — کہ کے یہ آخر کو سب نے ہی قیامت ہے ستم
کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض اُس مظلوم کا ہاتھ تن سے جُدا کر کے اُس کو کوٹھری میں بند کر اُوپر سے قُفل جڑ دیا - اور کھانا پانی سب موقوف کر دیا - لڑکا بھوکا پیاسا شام تک کوٹھری میں پڑا تھا اور اپنے ہاتھ کو دیکھ ڈاڑھیں مار مار کر روتا تھا -

وہ اندھیری کوٹھری وہ بھوک وہ پانی کی پیاس — ہاتھ سے لوہو کی بوندیں بھی ٹپکتی آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گُل بدن زرّیں لباس — ہاتھ زخمی خون جاری دل پریشان جی اداس
کس سے مانگے داد اور کس کو پکارے بار بار

اپنی بے کسی درد میں رو رہا تھا - اِس میں اُس کوٹھری میں دیکھتا کیا ہے کہ ایک دفعہ ہی نور کی تجلّی ہوئی - اور اُس تجلّی میں اُس کو ایک نوجوان نظر آیا - کاندھے کے اوپر علم - پہلو میں آب دار تیغ - با

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دستانہ۔ پشت کے اوپر سپر۔ تن میں سیمیں زرہ۔ فرق پہ خود زریں۔ دائیں کو تیر و کماں۔ بائیں کو شمشیر و تیر	
جس طرح ابرِ سیہ میں برق ہووے جلوہ گر	اِس طرح اُس کوٹھری میں آگیا وہ شہسوار

یہ جوان خود حضرت عباس بن علیؓ تھے۔ آپ کی توجہ سے لڑکے کا ہاتھ درست ہوگیا۔ جب ہاتھ درست ہوگیا وہ سوار غائب ہوگیا۔ صبح کو اُس کوٹھری کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اب ماں باپ دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ملا ہوا ہی۔ پوچھا یہ کیا تھا۔ اُس نے جو کچھ دیکھا تھا جب بیان کیا۔ پھر تو سُنتے ہی دونوں نے صدقِ دل سے کلمہ پڑھا۔

جب اِس معجزے کی شہرت ہوئی تو تمام شہر کے لوگوں نے آکر اُس لڑکے کو گھیر لیا۔ جو دیکھتا تھا اُس کے ہاتھ چوم لیتا تھا اور آنکھوں سے لگا کر کہتا تھا کہ سُبحان اللہ دوستی کے پھول نے کیا بہار دکھلائی ہی۔

پھر ماں باپ اُس لڑکے کے لڑکے کو لے کر کربلا چلے گئے۔ اور وہاں بھی اُس لڑکے کی بڑی قدر ہوئی۔ روضے میں جب داخل ہوئے تو زیارت سے مشرف ہوکر کچھ مکان بنوانے کی تجویز کی۔ لڑکے کے اہتمام سے بہایت منقش اور زرنگار عمارت تعمیر کی۔

یہ معجزہ میں نے ایک دفعہ کسی مجلس عزا میں ایک حدیث خوان کی زبانی بھی سُنا تھا۔ عبارت نثر تھی۔ اور تکلف کے ساتھ لکھی گئی تھی۔ لیکن روانی جو نظیر کی اِس نظم میں ہی وہ کہاں۔ سلام کے یہ بند بھی نظیر کے عقائد پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

پہلے اُس ختمِ رسالت سے کہو عشق اللہ	صاحبِ خُلق و کرامت سے کہو عشق اللہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گلشن دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ	نور حق شافعِ اُمت سے کہو عشق اللہ
ہر دم اُس شاہِ ولایت سے کہو عشق اللہ	
اور وہ ہی جس سے ہرا باغِ امامت کا چمن	سبز پوشِ چمنِ جنتِ فردوس حسنؑ
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن	یاد کر مومنو اُس کا وہ ہرا پیراہن
سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ	
اور وہ گل جس سے ہی گلزار شہادت کا کھلا	لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہل جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا	لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہرِ درجِ شجاعت سے کہو عشق اللہ	
اور جس مرد کا ہی نام شہ زینِ عبا	کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا	پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا
اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ	
باقر و جعفر و کاظم و رضا شاہِ شہاں	اور تقی نور نبی اور وہ نقی قبلۂ جاں
عسکری مہدی ہادی وہ امامِ دوراں	ہیں زمانے میں یہی بارہ امام ای یاراں
سب ہر اک صاحبِ عزت سے کہو عشق اللہ	

آنحضرت حضرت علیؑ - امام حسنؑ - امام حسینؑ - امام زین العابدینؑ - امام باقرؑ - امام جعفرؑ امام کاظمؑ - امام موسیٰ رضا - امامؑ تقی - امامؑ نقی - امامؑ عسکری امام مہدیؑ - بارھوں امام کے نام اس نظم میں سلام بھیجا ہی -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ نورِ دیدۂ احمد کہ جس کے رُتبے کی		حدیث بضعۃ منّی ہی دو جہاں میں گواہ	

دو نظمیں حضرت سلیم چشتی[۵۱] کے جواہرِ صفات سے انتظام پاتی ہیں۔ ایک میں آپ کی صرف مدحت ہی۔ دوسری میں آپکے عُرسِ شریف کی کیفیت۔ حضرت سلیم چشتی یہ وہ بزرگ ہیں جن کی دُعا سے جہانگیر پیدا ہوا تھا۔ جیسا کہ اُس کے نام سلیم سے ظاہر ہی۔ اکبر کو اِن کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ فتح پور سیکری میں اِن کا مزار ہی۔ روضہ بڑی طیاری کا بنا ہوا ہی۔ شاہی انتظام سے بنا ہی۔ آگرے سے سات آٹھ کوس ہی۔ ہر سال حضرت کا عُرس ہوتا ہی دُور دُور سے خلقت جمع ہوتی ہی۔ بڑا میلا رہتا ہی۔

میاں نظیر کی مدحت کے خلوص آمیز انداز سے معلوم ہوتا ہی کہ اِن کو حضرت کے ساتھ خاص عقیدت تھی دو جہاں کے سُلطان۔ سردارِ ملکِ عِرفاں۔ مقبولِ خاصِ یزداں۔ عرشِ بریں کے تارے۔ اللہ کے سنوارے۔ قبلۂ صفا۔ کعبۂ ضیا۔ خلقت کے رہنما۔ محبوبِ کبریا۔ اِن القاب سے تو یاد کرتے ہی ہیں نہیں۔ ایک بڑی بات یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح شاہ بوعلی قلندر بخشی الاولیا تھے حضرت سلیم چشتی بیساریاں ہیں۔

	شاہا شرف تو بخشی خالق کی سلطنت کے اور تم ہو بیساریاں حضرت سلیم چشتی	

اِس بہار کا میلا اِس قدر قریب ہو اور آگرے کے شوقین جیوڑے چین سے بیٹھے رہیں۔ کوئی کہنے کی بات ہی۔ شوقین اپنے شوق کی رنگ میں اور خوشِ عقیدہ عقیدت کی جاں نواز اُمنگ میں میلے کی طیاریاں کر رہے ہیں۔ میاں نظیر بھی جا پہنچے ہیں۔ کبھی صحنِ درگاہ پر نظر کرتے۔ کبھی مزارِ پُر انوار کی طیاریوں سے آنکھوں کو اُجالتے ہیں۔ کبھی جھرنے پر کھڑے نہانے کی سیریں دیکھ رہے ہیں۔ آدمیوں کی بھیڑ ہی

۵۱ شیخ سلیم بن بہاء الدین چشتی۔ ۲۹۔ رمضان کو عُرس ہوتا ہی۔ فریدی ہیں۔ حضرت بابا کی اولاد۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سبز۔ سرخ۔ زرد ہر قسم کی پوشاکیں پہنے لوگ میلے میں پھر رہے ہیں۔ امیر۔ فقیر۔ بادشاہ زادے۔ نواب سب ہی قسم کے لوگ جمع ہیں۔ پھولوں سے تمام مکان رشکِ گلزار ہو رہا ہے۔ ایک طرف مجلس مشائخوں کی جمی ہوئی ہے۔ راگ گائے جا رہے ہیں۔ حال ہو رہے ہیں۔ عارف الحق میاں علی احمد سجادہ نشینِ درگاہ اس حلقے میں ایک خاص کیفیت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ مریدوں کو توجہ دے رہے ہیں۔ ہر میلے میں جس طرح عاشق مزاجوں کا بھی ایک جمگھٹا ہوتا ہے یہاں بھی ہے۔ حسینوں کو دل ربائی کا مشغلہ ہے۔ عاشقوں کو آہ و زاری سے کام ہے۔ دونوں کے باہمی معاملے نظیر کو اپنا عاشق بنائے ہوئے ہیں۔ وہ محویت کے ساتھ اُن کے حالات دیکھ رہا ہے اور مزے لے رہا ہے۔

یہ اُمید تو کسی طرح کی جا نہیں سکتی کہ نظیر نے حضرت سلیم چشتی کی اس قدر مدحت اہلِ دنیا کی خوشامد یا ظاہر داری کی راہ سے کی ہو۔ ہر چند شیعوں میں تقیہ ہے لیکن نظیر جس مزاج کا آدمی ہے وہ اس قسم کا تقیہ کر نہیں سکتا۔ وہ اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں بڑا آزاد ہے۔ وہ جس قدر دل میں سمجھتا ہے اُتنا ہی ظاہر کرتا ہے۔ اُس کے کلام کا کوئی حصہ اُس کی کوئی خیالی بزدلی کو نہیں دکھاتا۔

ہر چند اس سے یقینی طور پر مستنبط نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سُنّی تھا لیکن اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ اُس کو مشائخ اور فقرا کے ساتھ ایک خاص خوش عقیدگی تھی۔ جس زمانے میں کہ وہ تھا مسلمانوں پہ ادبار اپنا پورا قبضہ کر چکا تھا۔ اقبال کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ راگ رنگ کی شفق پھولی ہوئی تھی۔ مصائب کی شام تاریکی پھیلا رہی تھی۔ شامِ غربت کا عبرت ناک سماں ہر مسافرِ زندگی کے پیش نظر تھا۔ قلوب عبرت کے اُداس اثر سے قدرتی طور پر متاثر تھے۔ دُنیا کے جاہ و اجلال کی بے ثباتی ہر شخص کے دل پر نقش تھی۔ شامت زدہ اُمرا اپنی کوششوں کو بے حاصل اور ہمت کو قاصر پا کر بزرگوں کی ہمت سے مدد چاہتے تھے۔ افلاس زدہ غربا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خانقاہوں اور روضوں کی تسکین بار آب ہوا میں کسی قدر تسکین پاتے تھے۔ مشائخوں کا بازار گرم تھا۔ اور تصوف کے صبر و سکون بخش جنس کی بڑی دریا دلی کے ساتھ خریداری ہو رہی تھی۔ مجاذیب کی قوتِ جذب بہت بڑھ گئی تھی۔ ہزاروں آدمی بے اختیار کھنچے جا رہے ہیں۔ نوکری کی تلاش میں بہتیرا سر مارا۔ امیدواری کرتے کرتے ہار گئے۔ نہ ملی تو اب شاہ جھونپڑا کی خدمت میں دوڑے جا رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے جاگیر ضبط کر لی۔ عرضیاں دیں وکیل کے ذریعے سے بہتیرا غل مچایا۔ ایک نہ سنی گئی۔ اب کسی نے کان میں پھونک دیا ہی کہ ٹکیا شاہ بڑے روشن باطن ہیں۔ عالم کا سیاہ و سفید اُنھی کے ہاتھ میں ہی۔ دن رات اُنھی کے آستانے پر دھنی دیے پڑے ہیں۔ (انشا)

کر بیٹھے وہیں فضل خدا ساز پہ تکیہ
جب بن نہ پڑی بات کچھ اپنی تگ و دو سے

نظیر کوئی فرشتہ تو تھا نہیں کہ اپنے کو زمانے کے پُرزور اثر سے بچا لیتا۔ عبرت اور ہمدردی کی غیر معمولی قوت نے اُس کو اور کمزور کر دیا تھا۔ وہ اخلاق کا جویا تھا۔ لیکن لوگوں میں کج اخلاقیاں عام تھیں۔ یہ کیمیا اُس کو کہیں ملنے لگی تھی۔ صوفیوں کی گرویدہ کاروان اُس کو اس کیمیا کی کچھ اُمید دلاتی تھی۔ وہ اِس گروہ کے ساتھ ہو لیا اور تا دمِ مرگ لپٹا رہا۔ محبتِ اہلِ بیت تو صوفیوں کا بھی بڑا تمغا ہی چونکہ فیضِ رُوحانی کا سلسلہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی ذات سے قائم ہی یہ محبت ایک طبعی بات ہی بعضوں کو تو یہ محبت حدِ تفضیل تک لے گئی ہی اور اکثر متّہم بشیعیت بھی ہوئے ہیں۔ اِس اعتبار سے نظیر کو مذہب بھی اِس گروہ کے ساتھ عقیدت رکھنے میں مانع نہیں ہو سکتا تھا۔

صُوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اُس پر عام جلوۂ باری کی حقیقت روشن ہوئی۔ اُس نے دیکھا کہ وحدۃ الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرے کے مطلع سے چمک رہا ہی۔ اس یقین کے ساتھ بھی اُس کی زبان گستاخ نہیں۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہی منصور کی طرح انا الحق کے شور سے توحید کی روئی نہیں دُھنکتا۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غور کے تال ادب کی کمانی میں جھک رہے ہیں - نگاہیں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں - کہتا ہے -

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
بے رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان
نت روم میں، نت ہند میں، اورزنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں، ہر آہنگ میں پہچان

ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر دھوم میں، ہر صُلح میں، ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں، شاخ کہیں، پھول کہیں، بیل
آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل
کرتا ہے کوئی ظلم کو، لیتا ہے کوئی جھیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڑ پیل

نرگس کہیں، سوسن کہیں، بیلا کہیں، راجبیل
ملتا ہے کوئی راکھ، چنبیلی کا کوئی تیل
باندھے کہیں تلوار، اُٹھاتا ہے کہیں سیل[۱]
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
ہنستا ہے کوئی شاد، کسی کا ہے بُرا حال
ناچے ہے کوئی شوخ، بجاتا ہے کوئی تال
کرتا ہے کوئی ناز، دکھاتا ہے کوئی بال

پھانکے ہے کوئی خاک، اُڑاتا ہے کوئی مال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
پہنے ہے کوئی چیتھڑے، اوڑھے ہے کوئی شال
جب غور سے دیکھا تو اسی کی ہے یہ سب چال

۱ بھالا - برچھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار / کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار[1]
پہنچا ہے کوئی پار بھٹکتا ہے کوئی وار / بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس کوئی ظالم کوئی ٹھگ / مفلس کوئی ناچار تو انگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی اچھا کوئی بدکار / جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اطوار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

ہے کوئی دلی دوست کوئی جان کا دشمن / بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سمرن / چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کے کوئی پہن کے ابرن / لوٹے ہے کوئی خاک میں درد کے ملا تن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن / جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب فن

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات / دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سموات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات / اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں ربوات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات / شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں دن رات / جب غور سے دیکھا سب اسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

[1] روایات۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیچے ہی جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ
مارے کوئی پارے کو بنا دے کوئی مرگانگ[۱]
دیتا ہی کوئی ہاتھ سے لیتا ہی کوئی مانگ
محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہی کوئی دانگ
ٹھہرا ہی کوئی چور لگاتا ہی کوئی تھانگ[۲]
ملتا ہی کوئی پوست کو چھانے ہی کوئی بھانگ
گھنٹا ہی کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب سوانگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی
صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہی کتابی
پیتا ہی کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
مارے ہی نزل کوئی کہیں جیب ہی دابی
سچا کوئی جھوٹا ہی کوئی رند خرابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی
ہیں اُس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان الخ

کیا حُسن کہیں پایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا عشق کہیں چھایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا رنگ یہ رنگوایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا نُور یہ جھمکایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا دُھوپ ہی کیا سایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا مہر ہی کیا مایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہی اللہ ہی اللہ!
کیا بھید نظیر آیا ہی اللہ ہی اللہ!

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہی تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

[۱] کُشتہ [۲] چوری کا مال رکھتا ہی-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مصنوع میں صانع نظر آوے تو، نظیر آہ	نزدیک ہی کیا ہے کہ جہاں دُور کی سوجھی

توحید کے دلّی دروازے سے نکل کر صُلح کُل کے اجمیر کی طرف میاں نظیر کس آسانی سے جا رہے ہیں۔ حرم سے دیر تک اُن کو کوئی زیادہ فاصلہ نظر نہیں آتا۔ قرآن اور پوتھی دونوں کو وہ ایک ہی جزودان میں رکھتے ہیں۔ تسبیح اور سُمرن دونوں کو ایک ہی ہاتھ سے پھیرتے ہیں۔ صُوفی کو جوگی اور زاہد کو بھوگی سے بغل گیر دیکھتے ہیں۔ جھانجھ۔ گھنٹے۔ سنکھ۔ سب سے اذان کی آواز سُنتے ہیں۔

فقرا کے تکیوں پر سریع الاعتقادی اور عجائب پرستی نے اُن دنوں ہندوؤں کا بھی ایک بڑا بھاری میلا لگا رکھا تھا۔ یہی حال جوگیوں اور سناسیوں کے استھانوں میں مُسلمانوں کا تھا۔ حاضرین کے تقاضوں سے اسلام اور کُفر دونوں قُدرتی طور پر ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے کو بڑھ رہے تھے۔ شیخ و برہمن نے آپس میں صُلح کر لی تھی۔ عرفان کے محکمے میں توحید نے اِس صُلحنامے پر مُہر کی تھی۔ رام اور رحیم کا تفاوت اُٹھ گیا تھا! اوتار اور پیمبر مُرادف قرار پا چُکے تھے۔ گرو نانک۔ اور کبیر داس کے مقبول اسکولوں میں ہر مذہب کے افراد کیا کثرت سے داخل ہو رہے تھے۔ بہت سے تعلیم پا کر نکل بھی چُکے تھے جن میں سے بعض اپنی غیر معمولی ذہانت اور مناسبت طبع سے اعلےٰ درجے کے پروفیسر گنے جاتے تھے۔ نظیر بھی اُنھی مُمتاز لوگوں میں تھا۔

ہندو مسلمان دونوں کی نظر میں ایک خاص وقعت تھی۔ دونوں مذہب کے لوگ اُس کو اپنا رُوحانی پیشوا جانتے تھے۔ گھنٹوں آکر اُس کی صُحبت میں بیٹھتے۔ اور پہروں عرفان کے رنگ میں ڈوبی ہوئی باتوں سے اُس کی فائدہ اُٹھاتے۔ بہتیرے اُس سے دُعا کی درخوست کرتے اور اُس کی ہمّتِ درویشانہ کو نہایت درجے اپنی سعادت کا مُوجب سمجھتے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

میں نے میاں نظیر کی نواسی سے ایک خاص ملاقات کی۔ اُنھوں نے مذہب کے سوال پر فرمایا کہ میاں نظیر کا طریقہ امامیہ تھا۔ لیکن صلح کُل کے آدمی تھے۔ کسی سے جھگڑا نہیں۔ ہندؤں میں ہندو تھے مسلمانوں میں مسلمان تھے۔ تعزیہ داری اُنھی کے زمانے سے چلی آتی ہی۔ پچاس دن تک چہلم تک ہوتی ہی۔ پوچھا کہ کنھیا کا جنم۔ مہادیو کا بیاہ وغیرہ کیوں لکھا۔ کہا ہندوؤں کے ہاں نوکر تھے۔ کسی وقت میں اُن لوگوں کی فرمایش ہوئی تعصب تو مزاج میں تھا ہی نہیں۔ موج آئی لکھ دیا۔

پوچھا نمازیں پڑھتے تھے۔ کہا ہاں پڑھتے تھے۔ پنج وقتہ۔ لیکن وہی اپنے طریقے پر۔ پوچھا عید کی نماز کہاں پڑھتے تھے۔ کہا اپنے گھر میں۔ سب عید ملنے کو آتے تھے۔ پوچھا حج و زیارتِ کربلا وغیرہ کو تشریف لے گئے تھے۔ کہا نہیں۔ اُن دنوں ریل وغیرہ تو تھی نہیں۔ پوچھا کسی بزرگ سے ارادت تھی۔ کہا مُرید تو کسی کے نہ تھے۔ لیکن ہاں فقرا کے ساتھ اکثر اُٹھتے بیٹھتے رہتے تھے۔ اور اِن لوگوں کے ساتھ اُن کو ایک خاص عقیدت بھی تھی۔ مکان کے پاس ہی ایک مسجد تھی جو ابھی تک موجود ہی۔ اس میں غلام رسول ایک بزرگ رہتے تھے بہت بڑے مشائخ تھے پیری مُریدی کرتے تھے۔ اِن میں اُن میں بڑا ربط تھا۔ وہ بھی آتے تھے۔ یہ بھی اُن کے ہاں جاتے تھے اِنھی غلام رسول کو لوگ خواجہ معظم بھی کہتے تھے۔ اِن کی چار بیٹیاں تھیں۔ ایک میرن کو بیاہی تھیں۔ شاہ غلام رسول نے اپنے داماد میاں میرن ہی کو گدی دی۔ اِن کے بعد اُن کا نواسا نثار علی ہوا۔

مولوی وحید آلہ آبادی کے ارشدِ تلامذہ میں سے ایک بزرگ شاہ محمد اکبر صاحب ہیں۔ دانا پور میں اُن کا سجادہ ہی۔ ابوالعلائی طریقے میں اِن کو فیض ہی۔ چوں کہ حضرت میر ابوالعلا کا مزار متبرک (۱) اکبرآباد میں ہی یہ

(۱) عُرس نویں صفر کو ہوتا ہی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہر سال وہاں جاتے ہیں اور عرس کی مشاطگی سے شاہدِ عقیدت کو دُلھن بنا کرے آتے ہیں۔ مریدوں کی ان کے وہاں ایک بڑی جماعت ہی۔ ان کی عقیدت مندانہ مہمان نوازی کبھی کبھی ان کو چھ چھ مہینے بھی وہاں روک رکھتی ہی۔ غرض یوں اُن کی زندگی کا بہت بڑا زمانہ آگرے میں گزرا ہی۔ اور وہاں کے خانقاہی صوفیانہ قصص پر اُن کو غالباً زیادہ عبور حاصل ہی۔ ایک دوست کی وساطت سے نظیر کے مذاقِ تصوف کی نسبت انھی سے یہ حالات معلوم ہوئے۔

حضرت مولٰنا فخر الدین جو دہلی کے اکابر مشائخ میں تھے اور اکثر شہزادے اور اُمرا اُن کے مُرید تھے؛ ایک دفعہ اکبرآباد تشریف لائے اور حضرت سیدنا میر ابوالعلاے اکبرآبادی کے مزارِ مبارک پر چند ماہ معتکف رہے۔ اِسی زمانے میں حضرت مُلّا (کتابوں میں میر لکھا ہی) محمدی بدایونی المتخلص بہ بیدار جن کا مزار اکبرآباد کناری بازار دانت کے کٹرے میں واقع ہی۔ یہ نظیر کے بڑے دوست تھے۔ یہ اور نظیر دونوں حضرت سیدنا میر ابوالعلاے اکبرآبادی کے مزارِ مبارک کے حاضر باش تھے۔ وہیں مولٰنا سے ملاقات ہوئی اور اُن کے حلقۂ استرشاد میں آئے اور وہیں سے مذاقِ تصوف پیدا ہوا۔ میر محمدی بیدار کا حال باطن یوں تحریر کرتے ہیں۔ اصل اِن کی دہلی ہی۔ ذی علم آدمی تھے۔ عہدِ شباب کو عرب سرا میں بسر کیا جو شاہجہاں آباد سے تین کوس ہی۔ حضرت مولوی محمد فخر الدین صاحب کے آگے سرِ عقیدت جھکایا اور اُن کے انفاس متبرکہ سے فائدہ ظاہری و باطنی اُٹھایا۔ آغازِ صبح پیری میں اکبرآباد تشریف لائے۔ کٹرہ دندانِ فیل میں قیام کیا۔ دو دیوان کے مالک ہیں۔ اُردو میں خضرِ شعرا میر درد سے اِن کو فیضِ سخن حاصل تھا اور فارسی میں مرتضیٰ قلی بیگ فراق سے۔ جدِ امجدِ راقم سے اُخوت برتتے تھے۔

جب مولٰنا فخر الدین کا ذکر آہی گیا ہی تو کچھ اُن کے حالات اور کمالات بھی سُن لینے چاہییں۔ ڈاڑھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خشخشی پے کہتے تھے۔ مسی بھی لگاتے تھے۔ پان کی گلوری بھی ہر وقت مُنھ میں دبی رہتی تھی۔ کپڑے بھی نفیس پہنتے تھے۔ معمول اُن کا یہ تھا کہ ہر روز جامع مسجد نماز کو جاتے۔ ایک دن کسی شُہدے نے دیکھا کہ مولانا چھیلا بنے مسجد جا رہے ہیں۔ یہ کم بخت تو غضب ہی کے ہوتے ہیں۔ کڑک کر وہیں سے یوں آوازہ کسا کہ ابے او مخنّث کہاں جاتا ہے۔ یہ کیوں تو نے شہزادوں کو مکر کے جال میں پھانس رکھا ہے اور کیوں اپنے ساتھ اُن کی مٹّی بھی پلید کرتا ہے۔ مولانا سُن کر مسکرائے۔ اور آدمی سے کہا کہ اِس کو دو روپے دے دو۔ اب روز کا یہ معمول ہوا کہ شُہدا اِن پہ آوازے کسے اور وہ اِس کو دو روپیہ دلوا دیا کریں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر پھیلی تو لوگوں نے اُس شُہدے کو ڈرایا کہ کم بخت تو اتنے بڑے بزرگ کو یوں کہا کرتا ہے۔ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ بچّا کسی دن بد دعا کر دیں گے تو پھر کہیں ٹھکانا بھی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر شُہدا بھی جی میں ڈرا۔ دوسرے دن جو مولانا اُدھر سے گزرے تو اُس نے کچھ کہا سُنا نہیں۔ جب حضرت مسجد سے لوٹ چلے تو شُہدے نے کہا حضرت میرا معمول۔ آپ نے فرمایا اور میرا معمول۔ سبحان اللہ کیا لوگ تھے اور کیا نفوس تھے۔

نظیر کو اِس میں شک نہیں کہ گروہ صُوفیہ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ وہ چاہے کسی کا مُرید ہو یا نہ ہو لیکن اُس کا دل خوش عقیدگی کے نُور سے روشن تھا۔ مشایخ صوفیہ اُس کے کلام سے استنباط کرتے ہیں کہ وہ صاحب نسبت تھا۔ واقعی جب تک کوئی بات دل میں نہ ہو کلام اِس قدر پُر اثر ہو نہیں سکتا۔ تصوّف کے مذاق میں جو مضمون لکھتا ہے ایسا گہرا رنگ اُس کا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے تو ہر معمولی دل پہ اپنا رنگ جھمکا دیتا ہے[له]۔

مولوی عبدالعلی صاحب جائس کے رہنے والے جو کبھی پٹنے کے نارمل اسکول میں مدرس بھی تھے اُنھوں نے

[له] ہیں یہاں بَسے جو اہلِ دل اکثر یہ کہتے ہیں ✤ چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکِ پائے دل ✤

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان کے کمال کی نسبت یہ حکایت بیان کی کہ کسی دن میاں نظیر بازار میں چلے جا رہے تھے۔ کسی طرف سے سرکاری پیادہ آیا۔ ان کو مبتذل حال سمجھ کر پکڑا اور اپنی گٹھری ان کے سر پر رکھی اور کہا چل۔ انھوں نے دم نہ مارا۔ چپکے اٹھالی اور آگے آگے چلے۔ پیادہ اب جو نظر کرتا ہی تو عجب تماشا اس کے پیش نظر ہی۔ گٹھری سر سے بالشت بھر اونچی ہی۔ نہ زمین پر گرتی ہی نہ آسمان پر اڑتی ہی۔ میاں نظیر کے ساتھ معلق ہوا میں جا رہی ہی۔ یہ دیکھ کر پیادے کے تو ہوش اُڑے۔ قدموں پہ گر پڑا اور بہت معذرت کی۔

دوسری حکایت اتنی عجیب تو نہیں مگر صحیح اور جوہر طبع دکھانے میں اس سے زیادہ بلیغ ہی۔ خود ان کی نواسی نے مجھ سے بیان کیا کہ نانا جان روزانہ تاج گنج سے آگرے جاتے تھے۔ گھوڑے کی سواری ہوتی تھی ایاز خدمتگار اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ رستے میں جو کہیں گھوڑا کھڑا ہو جاتا تو نہ کوڑا مارتے نہ ایڑ کرتے نہ لگام کا جھٹکا دیتے۔ مرضی پر چھوڑ دیتے۔ خود چلا تو چلا نہیں میاں ایاز آئے اور باگ ڈور پکڑ کر بڑھا دیتے۔

میں نے پوچھا کہ اس اتنی احتیاط کا کیا سبب تھا۔ فرمایا اس کے متعلق کسی زمانے میں ایک واقعہ ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح چلتے چلتے ان کا گھوڑا اڑ کا۔ کوڑا جو مارتے ہیں تو پیچھے آ رہا تھا کوئی راہگیر اس کے لگا۔ یہ فوراً گھوڑے پر سے اُتر پڑے۔ اور قدموں پر گر پڑے۔ بہت معذرت کی۔ غضب تو یہ اِصرار تھا۔ کہ کوڑا حاضر ہی۔ تو بھی مجھے کوڑا مار لے۔ مجھ سے بے شک تقصیر ہوئی جب تک تو کوڑا نہ مارے گا میں کل نہیں پانے کا اور تیری جان نہیں چھوڑنے کا۔ یہ ادا دیکھ کر کسی کے دل میں غصہ کب رہ سکتا ہی۔ مارنا تو کُجا مگر اصرار جب حد سے بڑھا تو کچھ یوں ہی رسم اُس نے ادا کر دی۔ اُسی دن سے انھوں نے ہاتھ میں کوڑا رکھنے ہی سے توبہ کی۔

میر نوازش علی بیگ کہتے تھے کہ خلیفہ گلزار علی بھی میاں نظیر کی ولایت کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ جب تک ابا جان پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فالج نہیں گرا تھا۔ میں نہایت بدشوقی کے عالم میں پڑھتا رہا۔ اکثر پڑھنے سے جان چُراتا۔ ابّا نے مُجھ کو اپنے ساتھ لے لیا ہی۔ جا رہا ہوں چلتے چلتے کلیجہ تھام کر یک لخت چیخ اُٹھا۔ ابّا نے پُوچھا خیر ہی۔ کہا پیٹ میں شدت کا درد ہی۔ چھُریاں لگ رہی ہیں۔ وہیں سے واپس ہو گیا۔ یہ مُعاملہ ایک دو دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ ہوا۔ اِسی طرح کے اور سیکڑوں حیلے ایجاد ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب اُن پر فالج کا مادہ آ کر پڑا۔ تین روز تک بیہوش رہے۔ چوتھے روز اُن کو ہوش آیا۔ تو اُنھوں نے پُوچھا کوئی میری جگہ پڑھانے بھی گیا۔ میں نے کہا آپ کے سوا یہاں پڑھانے کی قابلیت کس کو ہی۔ میں نے ابھی گلستاں بھی تمام نہیں کی۔ وہ لوگ طُغرا ابو الفضل پڑھتے ہیں۔ کہا جاؤ بھی تو سہی۔ ارشاد سے اُن کے گیا اور اُن کی دُعا سے کچھ ایسا باہرہ کھُلا کہ پھر کوئی کتاب مُشکل ہی معلوم نہ دی۔ حقیقۃً یہ بھی اُن کا ایک تصرف تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کا مذاقِ موسیقی

نظیر کے ہر قصے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ بڑا کُن رسیا تھا۔ یوں تو شعرا کے لیے کچھ نہ کچھ مذاقِ موسیقی کا ہونا ضروری ہی لیکن ہم نظیر میں وہ خاص قدرتی مادہ پاتے ہیں جو اچھے موسیقی دانوں کے حصّے میں آتا ہی وہ آوازوں کی رُتبہ شناسی کا بڑا ماہر پروفیسر ہی۔ وہ اکثر اپنے کلام میں بعض خاص موقعوں پر بعض خاص اثر پیدا کرنے کی ضرورت سے الفاظ کو اِس انتظام سے ترکیب دیتا ہی کہ معانی اور صُورتِ عبارت میں ساز اور گویے کا سا دل حسبِ اتحاد پیدا ہوتا ہی۔ لڑائی یا زور آزمائی یا اسی قسم کے اور مضامین مردانہ وہ جب بیان کرتا ہی اکثر ٹے اور ڑ یا اسی قسم کے بعض خاص حروف کا اِس سلیقے کے ساتھ اہتمام کرتا ہی کہ معلوم ہوتا ہی واقعی چوٹیں چل رہی ہیں اور میدانِ معرکہ اپنی خاص آوازوں سے گُونج اُٹھا ہی۔ خیبر کی لڑائی میں ۔سنگھاڑا۔ کڑاڑا۔ کو قافیے میں ڈال کر نظم میں ایک حربی شان پیدا کر دی ہی۔

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا	للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے، گہ اُس نے پچھاڑا	اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کُشتی کا اکھاڑا

گر ہم بھی نہ ہارے، نہ ہٹا رجھپہ کا بچّا

جہاں گانے بجانے اور بزمِ نشاط کی دھوموں کا ذکر ہوتا ہی وہاں اسی فطری موسیقی خیز سلیقے سے وہ ایسے ایسے الفاظ اکٹھے کرتا ہی اور اِس ترکیب سے کہ صاف معلوم ہوتا ہی مجلس جمی ہوئی ہی۔ پکھاوج اور جوڑی[۱] کی جوش انگیز آوازیں صاف آ رہی ہیں۔

۱؎ جوڑی وہ منجیرے جو طبلے کے ساتھ بجائے جاتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن شعروں میں الفاظ سے ساز کا کام لیا گیا ہے وہ بکثرت ہیں، مگر چند ممتاز مثالیں تشریح کے لیے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑ بین بین رُبابوں کی، کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے، کچھ ڈھمڈھمی اور منھ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم، کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب نوک جھوکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے، کچھ بان اُدھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری، کچھ گھات لگاوٹ خوکی ہے
کچھ شور اہاہاہا کا، کچھ دھوم اُہو ہو ہو کی ہے
یہ عیش، یہ حظ، یہ کام، یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

بحر بھی اس نظم کی ہولی کے مضامین کے لیے کس قدر موزوں ہے۔

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا، بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی، کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے، کچھ عیش کے دم منھ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں، جب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منھ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو، ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو، بیہوشی ہو، بھڑوے کی منھ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں، جب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھوئیوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں، کچھ گھٹ گھٹ کے، کچھ بڑھ بڑھ کے

مصحفی۔ بزمِ سرودِ خوباں میں گو مردنگیاں شاہین بجیں ؎ ساتھ فقیر کی ڈھولک کے اب ڈھمڈھمیاں رنگین بجیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ تار جتا دیں لڑ لڑ کے، کچھ ہولی گا دیں اڑ اڑ کے	کچھ لچکے شوخ کمر پتلی، کچھ ہاتھ چلے، کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں، جب دیکھ بہاریں ہولی کی	

اسی طرح اور مقامات بھی ہیں جہاں لفظ باجے کا کام دیتے ہیں۔ چڑیوں کا اگر کہیں ذکر ہے تو معلوم ہوتا ہے اُن کا ایک جھنڈ پیش نظر ہے اور اُن کے چہچہے کی آوازیں پیہم آرہی ہیں۔ اگر وحوش کا کہیں مذکور ہے وہی اپنا شور زور وشور کے ساتھ سُنا رہے ہیں۔

یہ تعبیر صوت ایک خاص سلیقہ موسیقی دکھاتی ہے۔ جو بغیر اسکے کہ انسان میں فطرت کی طرف سے ودیعت ہوئی ہو آدمی کو میسر ہو نہیں سکتا۔

نظیر کی نواسی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں جب نانا جان کے پاس جاتی تھی تو وہ میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور مجھ کو دیکھ کر یہ گیت گانے لگتے تھے:۔

موہن میرے آئے۔ للن میرے آئے۔ کُنجن میرے آئے

موج جو ایک مشہور کلاونت تھا اُس کو نظیر ہی سے تلمذ تھا۔ اور اُس کا بیٹا لہر بھی انھی کی شاگردی کا دم بھرتا تھا۔ موج علاوہ اس کے کہ فن موسیقی میں بہت بڑی مہارت رکھتا تھا گیت تصنیف بھی کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی شعر بھی موزوں کرتا تھا۔ کیا گیت اور کیا غزل دونوں کو میاں نظیر کی اصلاح بے نظیر بناتی تھی۔ موج کے گیت یوں تو بہت مشہور ہیں مگر ایک گیت جو باعتبار مضمون کے بالکل نظیر کے صُوفیانہ مذاق سے مالا مال ہے اور یقیناً اُن کی اصلاح نے اس کی فصاحت کے لے قائم کی ہے اُس کا ذیل میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس گیت کی دُھن زیلف کی ہے۔

آستائی۔ بڑھیا سوچ سوچ من میں پچھتائی، اپنا اب کا کیجے چرکھا بھیا پُرانا۔ چلتا نہیں پھیر پھیر ہوں آری۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انترا - ڈگمگات پڑی - ہلنے لگی لاٹ مال، لرجت ہر گریا - نکل[51] بل پریو - چمرک[52] ٹوٹ دھکرا جھیو - بھلی نگی[53] نیناری -

ابھوگ - آوے گا اُگاہی[54] والا = مانگے گا جمع جب - سوت نہ کپاس، نہیں گدڑی کی آس - موج کہیں اب عمر گنوائی یوں ہی اپنی ساری -

نظم میں بھی اِس مضمون کو دوسرے پہلو سے ادا کیا ہی:-

نوچی جو وفادار کوئی پاس ہی آ	نور وٹی ملی ، ورنہ لگی کاتنے چرخا
جب کبڑی کمر ہو گئی اور سر ہوا گالا	مُنہ سوکھ کے چمرخ ہوا اور تن ہوا اکلا
پھر روٹی کو چرخے سے کما کھاتی ہی بڑھیا	

نظیر کی بہتیری غزلیں انھی میاں موج کی وجہ سے مشہور ہوئیں - کیوں کہ یہ خود اپنی طرف سے یا نظیر کے ارشاد کے مطابق اُن کی دھنیں قائم کرکے دل فریب طور سے گاتے تھے اور تمام شہر میں مشہور ہو جاتی تھیں - بہت سے دوہرے بھی یہ کہا کرتے تھے وہ بھی گانے کے مصرف میں آتے تھے - میاں ریاض ایک شخص ہیں - آگرے میں اُن سے مجھے ایک دوست نے ملایا - ان کو گانے کا شوق ہی - اور اچھا گاتے ہیں مجھے بھی اپنے گانے سے محظوظ کیا اور نظیر کا وہ ترکیب بند فارسی و ہندی سُنایا جو اِس طرح شروع ہوتا ہی

مجھے ای دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہی	کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہی

۵۱ نکل = نکلا -
۵۲ چمرک = چمرخ - وہ چمڑے یا مونج کی تپلی سی چیز جو چرخے کی لاٹھ اور دونوں گڑیاؤں میں رہتی ہی اور اُس کے اندر تکلا پھرتا ہی -
۵۳ پنکھڑی چرخے کے چکر کا وہ ہر ایک حصہ جو اُس کے منڈے میں ٹھکا ہوا ہوتا ہی -
۵۴ اُگاہی والا تحصیل دار ملک الموت نکیرین -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہی
اگر کچھ منھ سے بولوں تو مزا اُلفت کا جاتا ہی
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد

نہ دل لگتا ہی گھر میں اور نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہی
وگر چپکا ہی رہتا ہوں، کلیجا منھ کو آتا ہو
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سینہ کا کس بدھ کروں اوپاؤ

مانڈ کی دُھن میں اُنھوں نے گایا تھا- اُداسی کا سماں ایسا چھایا کہ دل لوگوں کے بے اختیار ہو ہو گئے-

ایک معزز دوست نے ڈھاکے کے مجھ سے کہا کہ اُس نے ایک رنڈی کو وہ غزل بھی گاتے سُنا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎ خرامِ ناز سے اُس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا: تو میری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا: نہیں گھٹا عبادت کا ترے ماتھے پہ ای زاہد: نشاں ہی یہ کسی معشوقِ بے پروا کی چوکھٹ کا: گا کر دُھن بھی بتائی- نہایت پیاری تھی-

نظیر کی عُمر کا بہت بڑا حصہ عیش و نشاط کی مجلسوں میں گزُرا تھا- اُس کی نظر سے بہت سی محفلیں گزُری تھیں جن میں عُمدہ سے عمدہ رنڈیاں اور کلاونت موسیقی میں اپنا جوہر دکھاتے تھے- کوئی اُستاد گویّا ایسا نہ تھا جس کو نظیر نے نہ سُنا ہو- رنڈیوں کے کوٹھوں پر بھی اِن کی آمد و رفت جاری تھی، اور وہاں یہ آتے جاتے خواہ مخواہ مذاقِ موسیقی سے آشنا ہو گئے تھے- غرض اُن کے دماغ میں موسیقی کے متعلق نہایت دلچسپ یادداشت پیدا ہو گئی تھی- جب کبھی کسی بزمِ عیش و نشاط کا وہ ذکر چھیڑتے ہیں اُن کے دل میں مضامین قدرتی جوش و خروش کے ساتھ اُبلنے لگتے ہیں اور ناظرین کے لیے ایک اچھی خاصی لفظی بزمِ طرب قائم ہو جاتی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس سے نہایت دل کش تانیں سنائی دیتی ہیں۔

جس شخص کو اس قدر گانے بجانے کی صحبتوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا اور گویّوں اور کلانوتوں سے سابقہ رہا ہو وہ اگر معمولی آدمی بھی ہو تو بہت سی اصطلاحوں سے واقف ہو جا سکتا ہے چہ جائیکہ کہ ایک ایسا مستند شاعر جس کی ذہانت کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر باایں ہمہ مجھ کو کلیات بھر میں گنتی کے چند شعر ملے ہیں جن میں نظیر نے کوئی موسیقی کی اصطلاح درج کی ہے۔

اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
پھر راگ سبتی کا ہوا آن کے کھٹکا
جھنکار تال کی ہے اور طبلے کی کھڑک ہے

گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھیاس
دھونے کی برابر وہ لگا باجنے مٹکا
گونڈ اور ملار کے ساتھ آواز کی ٹنک ہے

موسیقی سے لذت اٹھا اٹھا کر جو بعض پُر لطف بند لکھے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں:-

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں عیش کہیں رنگ زمیں پر
بجتے ہیں کہیں تال کہیں مردنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
طبلوں کے ٹھُکے طبل پہ سازوں کے بجے تار
سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
راگوں کے کہیں غل، کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکار سے ہے مردنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تال - رنگ - گھنگرو - سارنگی - بین - طنبورے - طبلہ - ڈھولک - مرونگ - سبھی پڑے بج رہے ہیں -

گاگا کے پچکاریں، کہیں رنگوں کی چھڑک ہے — مینا کی بھبک اور کہیں ساغر کی چھلک ہے
طبلوں کی صدائیں، کہیں تالوں کی جھنک ہے — تالی کی بہاریں، کہیں ٹھلیا کی کھڑک ہے

بجتا ہے کہیں دف کہیں مرچنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

چڑیوں کی موسیقی -

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینھ کی دھاریں — اور جس میں اڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں — اور مور مست ہو کر جوں کو کلا جھنگاریں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

وقت سحر کی رو چیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں عیں کرتی ہیں — ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکر کن اور فیکون کرتی ہیں
مرغے بولے ککڑوں کوںکوں، مرغیاں کوںکوں کرتی ہیں — طوطیاں بھی سب یا ویں اس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہ، بلبل بولے بسم اللہ — کبک ٹیٹری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ
دادر مور پپیہے کوئل کوک رہے اللہ اللہ — فاختہ کوکو، تیہو ہوہو، طوطے بولیں حق اللہ

لہ حق اللہ پاک ذات اللہ یہ جملہ اکثر طوطے کو یاد کراتے ہیں - ۵۲ دادر مینڈک گیتوں میں یہ لفظ مور کے ساتھ اکثر آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سانجھ سویرے الخ

ڈر کر جانوروں کے چیخنے چلّانے کی تصویر:-

سن سن وہ چیخیں ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں
سارو، بٹیر، مینا، چمگادڑیں بھی آئیں
کوّے پکارے غاں غاں، چیلیں بھی چلچلائیں
مرغوں نے ککڑوں کوں کی، کلکلیاں پھڑپھڑائیں
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

چلّائے مور سارس اور پھڑپھڑائے گھگو
کتے بھی بھونکے بھوں بھوں، گیدڑ پکارے ہو ہو
گدا ور چند دہاڑے اور پھڑپھڑائے الّو
بھڑوے گدھے بھی رینگے کر اپنی ڈھینچو ڈھینچو
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اسی طرح بہتیری مثالیں ہیں جن سے فصاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ نظیر کو مفہوم کو باعتبار آواز الفاظ کے ساتھ مطابق کرنے کا ایک خاص سلیقہ ہے۔ جہاں بھنگ کے گھٹنے کا ذکر کرتا ہے ٹ اور ڑ وغیرہ ثقیل حرفوں کی کثرت سے ایک ایسی ترکیب پیدا کر دیتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے واقعی کونڈی اور سونٹا کھڑک رہا ہے۔ اور یہ سلیقہ ایک فطری مادہ موسیقی کا اس کی ذات میں بتاتا ہے۔

۵۱ دہاڑنا۔ شیر کا گرجنا چنگھاڑنا۔ غل مچانا چلانا شور کرنا۔
۵۲ رینگنا۔ گدھے کا بولنا ہینچو ہینچو کرنا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(نظیر کے شاگرد)

نظیر کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک تو معلّم کی۔ دوسری شاعر کی۔ دونوں حیثیتوں سے اُن کے سیکڑوں شاگرد تھے۔ معلّمی کی تو اخیر عمر تک اُنھوں نے نوکری ہی کی۔ شاعری میں گو کسی کے نوکر نہ تھے۔ لیکن کمالِ شاعری کا کچھ یہ ٹیکس سا معلوم ہوتا ہو کہ آدمی اپنی بہت ساری اوقات نومشقوں کی اصلاح و تربیت میں صرف کرے۔ اِس ٹیکس کو نظیر نے بھی اپنی طبعی فیّاضی سے بڑی سیرچشمی کے ساتھ ادا کیا تھا۔ گو اُس زمانے میں آنے جانے کے سامان اس قدر کم خرچ بالانشین نہ تھے لیکن اس پر بھی لوگ دُور دُور سے آتے تھے اور شرفِ تلمّذ سے مشرف ہوتے تھے۔ شہر میں تو شاید بہت ہی کم طبّاع ہوں گے جو کھنچ کر اس کے حلقۂ شاگردی میں نہ آ گئے ہوں۔ جن بزرگوں کو کھلی کھلی شاگردی بعض وجوہ سے خلافِ شان معلوم ہوتی تھی وہ صحبت سراپا تربیت سے بالکنایہ کسبِ فیض کرتے تھے۔ اتنے تو شاگرد لیکن امتدادِ زمانہ کے سبب آغازِ تلاش میں تین چار سے زیادہ نام مجھ کو معلوم نہ ہو سکے۔ ایک تو خود اِن کے بیٹے خلیفہ گلزار علی اسیر۔ دوسرے میاں مداری ضمیر۔ اور دو ایک اَور یہ تو کسی طرح خیال ہوا نہیں کہ نظیر کے کُل یہی تین چار شاگرد ہوں گے۔ ہوا تو یہ افسوس ہوا کہ اتنے بڑے شاعر کے ساتھ اہلِ زمانہ نے کتنی بڑی بدسلوکی کی ہی۔ وہ تو خدا حکیم سیر قطب الدین باطن کا بھلا کرے جنھوں نے جوشِ غیرت میں آ کر گلشنِ بے خار کے جواب میں گلستانِ بے خزاں (المعروف بہ نغمۂ عندلیب) لکھی۔ اور پوری طرح نظیر کا حقِ شاگردی ادا کیا۔ گلشنِ بے خار کے مؤلف نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ حکیم مومن خاں کے ارشدِ تلامذہ میں داخل تھے۔ ایک تو خود نوابی مزاج اُوپر سے پڑی حکیم مومن خاں کی تعلیم جو دُنیا میں سوا اپنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی کو مال موجود ہی نہ سمجھتے تھے۔ ذوق کوئی چیز نہیں۔ شاہ نصیر کو کیا آتا ہے۔ فلاں مہمل گو ہے۔ فلاں جھک مارتا ہے۔ غرض اسی قسم کی باتیں اُن کی زبان پر رہتی تھیں۔ فارسی میں اپنے آپ کو ناصر علی کا ہم پلہ جانتے تھے اُردو میں بیدل تصور کرتے تھے۔ اتنے بڑے مغرور شاعر کی تعلیم ایک ذی استعداد و طباع نواب کے دل پر کیا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ اُس پر پہنچی میرزا غالب علیہ الرحمۃ کی شہ۔ بقولِ میر ع سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا۔ تذکرے کا نام تو رکھا گلشنِ بے خار مگر ع برعکس نہند نامِ زنگی کافور۔ لکھا نہایت پُرخار معدودے چند (۱) مرزا نوشہ غالب (۲) صاحبہ مومن خاں کی آشنا (۳) مولوی محمد صدرالدین آزردہ (۴) نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ (۵) رمجو نواب مصطفےٰ خاں کی آشنا تخلص نزاکت۔ (۶) غلام علی خاں وحشت (۷) مومن خاں کے سوا ہر ایک کے ساتھ خلش ہر ایک کے ساتھ چھیڑ۔ اس عام کاوش میں میاں نظیر کی بھی شامت آگئی۔ دہلی سے آگرہ اس قدر قریب۔ نظیر کی اُستادی اس قدر مشہور۔ لیکن وہاں تو کاوش نے کان میں منوں روئی بھر رکھی تھی کوئی نظیر کا حال سُناتا تو کیوں کر سُناتا اور وہ سُنتے تو کیوں کر سُنتے۔ نظیر کے حالات اس بے رخی سے لکھے ہیں جس کا کوئی پایاں نہیں۔ گویا وہ ایک محض گم نام شاعر تھا اور اُس کے شاگردوں بھی اچھی طرح یاد نہیں کیا۔

شیفتہ کا تذکرہ جب آگرے میں پہنچا تو اُن دنوں خلیفہ گلزار علی کی شاعری کی جوانی تھی۔ شاگردوں کا ایک جم غفیر ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ دعوے کے ہاتھ ہر وقت مونچھوں پر تاؤ پھیرا کرتے تھے۔ تذکرے کو دیکھ کر آگ ہو گئے۔ حکیم میر قطب الدین باطن اُن کے والد کے ارشدِ تلامذہ میں تھے۔ اور معقول استعداد رکھتے تھے۔ گو عمر نے اُن کی آگ کو کسی قدر افسردہ کر رکھا تھا لیکن خلیفہ صاحب کی زباں آوری نے پنکھا جھل دیا آگ بھڑکی اور غضب بھڑکی۔ اب گلستانِ بے خزاں میں یہ جو گیندے یا ہزارے ہیں غصے کے انگارے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غضب کے شرارے ہیں گلشنِ بے خار کی شدید البلیں چیخ اُٹھیں کہ شیفتہ کے گلشن میں باطن کی آتش بیانی سے پھول پڑا- آگ لگی- انشا کہتے ہیں- ع گلشن میں مگر پھول پڑا اُس گلِ رو سے ؛ کیوں ورنہ چلی آتی ہے یوں بادِ سحر گرم ؛-

جب گلشنِ بے خار چھپ کر شائع ہوئی تو اُس میں علی العموم یہ بات دیکھی گئی کہ نظیر اور اُس کے دوستوں اور شاگردوں کو نہایت بُری طرح یاد کیا گیا ہے- نظیر کے شاگردوں میں اُس کا چرچا ہوا- نظیر اُس زمانے سے بہت پیشتر مر چکے تھے- دلوں میں ایک ولی کی جگہ حاصل ہو چکی تھی- شیفتہ کی اُس مرحوم کے ساتھ گستاخی اُس کے شاگردوں اور معتقدوں کو ناگوار ہوئی اور آخر باطن کو لوگوں نے گھیرا اور ۱۲۶۱ھ میں اُن سے یہ تذکرہ لکھوایا-

ہرچند یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے تذکرہ نویسی کا حق اچھی طرح ادا کیا ہے اور شعرا کے حالات تحقیق و تلاش کے ساتھ کچھ زیادہ لکھے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ شیفتہ کے علے الرغم جن جن کو اُنھوں نے برا لکھا ہے چُن چُن کر اُنھی کو اُنھوں نے خوب سراہا ہے خصوصاً اپنے اُستاد اور اپنے اُستاد کے جرگے کے لوگوں کو بہت کچھ ظلمتِ گمنامی و معائب سے نکالا ہے- جس قدر بلا استحقاق و با استحقاق ہر ایک کی تعریف کی ہے اُسی قدر آزادی کے ساتھ شیفتہ- آزردہ- مومن- غالب- وغیرہ کی مذمت بھی کی ہے- باطن کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن چند شاعروں کو وہ بہت مانتے تھے- سوز جن کو طور الشُعَرا کہتے ہیں- درد جن کو خضر الشُعَرا کہتے ہیں میر جن کو مُرشد الشُعَرا کہتے ہیں- میرزا جن کو مسجود الشعرا کہتے ہیں- اور نظیر جن کو ہادی الشُعَرا کہتے ہیں- اِن شُعَرا کے ماننے کا غالباً زیادہ سبب یہ ہے کہ یہ اُن کو فقط شاعر ہی نہیں بلکہ اہلِ دل اور صاحبِ باطن اور مظہرِ کشف و کرامات بھی جانتے تھے- ولی کو والد الشُعَرا کا بزرگ خطاب دیا ہے-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عبارت گلشنِ بے خزاں کی اُردو ہی۔ اُردو اس کی کچھ نورتنِ مہجور کی وضع پر ہی۔ وہی التزام ضلع
کہیں جولاہوں کا ضلع ہی۔ کہیں صرف کا۔ کہیں نحو کا۔ کہیں فتوی فرائض کا۔ کہیں نجوم کا۔ رعایتِ لفظی
اکثر شاعروں کے حالات کو چمکایا ہی۔ دیباجہ بھی رعایتِ لفظی کا کُھڑ پات ہی۔ غزل۔ مخمس۔ ترکیب بند رباعی
کے گل بوٹے استعارے اور تشبیہ کے نور سے چمک رہے ہیں۔ اکثر جگہ عبارت اُکھڑی اُکھڑی سی ہی اور بیجا التزام
قافیہ کے سبب طرزِ بیان مضحک ہو گئی ہی۔ مثلاً قاسم کے حال میں لکھتے ہیں۔ قاسم ساکنِ بریلی۔ ان کی تقدیر
دیکھیے کہ بانٹ میں مجھ کو بھی ملی ایک بیت اکیلی۔ لیکن جہاں وہ روانی میں سیدھی سادی عبارت لکھ گئے ہیں
بُری نہیں ہی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اس شخص کو زبان پر قدرت ہی اگر یہ شخص قافیہ پیمائی اور ضلع جگت کا
بندہ نہ ہو گیا ہوتا تو تذکرہ بہت خاصہ رہتا۔

غالب اور آزردہ اور مومن خاں کی خوب خاک اُڑائی ہی۔ آزردہ کے ذکر میں حرکت کی رائے سکون
پر بہت اُلجھے ہیں۔ اور کسی قدر اپنی کم نظری کا ثبوت دیا ہی۔ اور اس بات کو بھول گئے کہ خود اُن کے
اُستاد کے کلام میں اس قسم کا سکون کس قدر ہی۔ مومن خاں کا ذکر ایک صفحے تک جولاہوں کے لوازمات
بافندگی کے ضلع میں ہی اور نہایت ہی مضحک ہی۔ اگر کہیں ضلع خوبی کے ساتھ چمکا ہی تو مومن خاں ہی کے
تذکرے میں۔ اس خاص ضلع کی سفارش غالباً مومن خاں کے نام نے کی ہو گی۔ غالب کے بھی لتے لیے ہیں خصوصاً
اُن کی شراب خواری قمار بازی غرور اور مشیخت کا خوب خاکا اُڑایا ہی۔

یہ ایک عجیب بات ہی کہ وہ لکھتے ہیں غالب جن دنوں اکبر آباد میں تھے ہادی الشعرا یعنی میاں نظیر سے
استفادہ کرتے تھے۔ باطن کی عبارت اس مقام پر بلفظہٖ یوں ہی۔

غالب و اسد تخلص۔ اسد اللہ خاں نام۔ ملقب بمرزا نوشہ۔ آپ دو تخلص کرتے ہیں۔ کچھ تو سبب ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ دو تخلص کرنے پر دل دھرتے ہیں۔ از بنائر غلام حسین خاں کیدان۔ قبل اس سے جد دہلی (اکبر آباد) میں اِن کی سکونت کا مکان۔ اُستادانِ باشعور مثل خلیفہ معظم جو بڑے معلّم و مکرّم اور ہادی شعرا جو بے نظیر روزگار تھے جن سے تعلیم پائی۔ ایّام صبا سے ببرکتِ انفاس متبرکہ ان اوستادوں کے مرتبۂ علم پہنچے تب اُن کی فکر رسا نے یہ صُورت دکھائی۔ کیوں نہ خوش گو ہوں۔ جن کے ایسے اوستاد ہوں۔ چوں کہ وہ اُستاد مر گئے۔ یہ جدِ دہلی سے اُدھر گئے۔ اب خواہ شاگردی سے انکار کریں۔ یا شاید اقرار کریں۔

چوں کہ بے خزاں کے سوا میں نے کہیں اور نہیں دیکھا تھا کہ غالب میاں نظیر کے شاگرد تھے مگر ہم وطنی اور میاں نظیر کا ایک مشہور مُلّا ئے مکتبی ہونا یہ دو باتیں ایسی تھیں جو باطن کے بیان کو کسی قدر قرینِ قیاس دکھاتی تھیں میں نے اِس کی میرزا غالب کے شاگردوں سے تحقیق کرنی چاہی۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک نیاز نامہ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی کو لکھا جو میرزا کے سربرآوردہ شاگردوں میں ہیں۔ اُن کے ہاں سے یہ جواب آیا۔

تذکرۂ گلستانِ بے خزاں میں نے خود نہیں دیکھا۔ مگر سُنا ہی کہ اُس میں شیفتہ۔ غالب اور دیگر شُعرائے دہلی کا خوب خاکہ اُڑایا ہی اِس کی وجہ یہ سُنی گئی ہی کہ نواب مصطفٰے خانِ مرحوم شیفتہ تخلص نے اپنے تذکرۂ گُلشن بے خار میں میاں نظیر کا صرف ایک شعر لکھا ہی۔ اور اُن کے ترجمے میں بھی ایک آدھ لفظ ایسا لکھ دیا ہی جو میاں نظیر کی اولاد یا معتقدین کو شاق گزرتا ہی۔ اسی بنا پر صاحبِ گُلستانِ بے خزاں نے شُعرائے دہلی کی خوب خبر لی ہی۔ غالبًا میرزا غالب کو جو اکبر آبادی مولد ہیں اور اُن کی طرف میاں نظیر کے تلمّذ کی نسبت اِس وجہ سے کہ دونوں اکبر آبادی اور دونوں معاصرِ یکدگر ہیں قریں قیاس بھی ہی۔ اُن کا شاگرد لکھ دیا ہو۔ مگر اِس کا منشا وہی رنجش و ناخوشی اور شُعرائے دہلی پر میاں نظیر کو ترجیح دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر بالفرض بچپن میں مرزا کو ایسا اتّفاق ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔ اِس سے نظیر کی عزّت زیادہ ہوتی ہی اور مرزا کی عزت کم نہیں ہوتی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گو حالی کو شاگردی کا اقرار کرتے ہوئے کسی قدر تامل نظر آتا ہی مگر صاف انکار بھی نہیں کیا۔ اس سے تو بحث نہیں کہ شاگردی آیا اُستاد کے لیے موجب عزت ہی یا شاگرد کے لیے۔ اگر واقع میں غالب نظیر کے شاگرد تھے تو اس قدر پیچ و تاب کی ضرورت نہیں۔ شاگردی بھی ہزار طرح کی ہوتی ہی۔ ایک اوستاد وہ بھی ہوتے ہیں جو ابجد اور دوسری ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ اور ایک وہ جو سُلّم صدرا شمس بازغہ کا درس دیتے ہیں طرفہ جس طرح اَور اُمور میں محال ہی تعلیم میں بھی ہی۔ غالب کو جو کمال حاصل تھا وہ دفعتہً تو ہو گیا تھا نہیں تیرھویں صدی کے بڑے اذکیا میں عبدالرحیم دہری ہو گزرا ہی لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس نے انگریزی بغیر مدد اُستاد حاصل کی۔ لیکن ابجد میں وہ بھی کسی کا شاگرد تھا۔ یہ کون کہہ سکتا ہی کہ غالب نے ابجد بھی کسی سے نہ پڑھی ہو۔ ابتدائی کتابیں اگر نظیر سے اُنھوں نے پڑھی ہوں تو کون سی قباحت ہی اور اس میں غالب کی کون سی شان گھٹی جاتی ہی۔

حکیم غلام رضا خان دہلوی جن سے مجھ کو فن طب میں تلمذ حاصل ہی یہ گویا غالب کے متبنّے ہیں۔ اُردوئے معلّےٰ کے دونوں حصے انھی کے نام ہبہ ہیں۔ چوں کہ یہ بھی میرزا غالب کے حالات سے بہت واقف ہیں میں نے ان کو بھی اس مسئلۂ تلمذ کے باب میں لکھا۔ اُن کے ہاں سے یہ مضمون لکھا ہوا آیا:

بابت میرزا غالب و نظیر کے جو دریافت فرمایا ہی اس کی مطلقاً اصلیت نہیں صحیح امر تو یہ ہی کہ مرزا نے نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا نہ اُردو۔ یہ جو مرزا صاحب ہرمزد عبدالصمد کو اپنا اوستاد لکھتے ہیں اس شخص کا وجود ذہن میں تھا۔ خارج میں نہ تھا۔ چودہ برس کی عمر میں مرزا صاحب دہلی میں آئے۔ پھر یہیں رہے۔ اس زمانے میں دہلی میں شاہ نصیر کا بہت شُہرہ تھا بلکہ مرزا صاحب کے خسر الٰہی بخش خان معروف بھی اُنھی کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحب نے اپنا کلام نصیر تک کو تو دکھایا نہیں۔ مجھے جو اصلی حقیقت اس معاملے میں معلوم تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

...ya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حوالۂ قلم ہوئی۔

یہ خط پاکر میں نے اُن کو یہ مضمون لکھا کہ آپ لکھتے ہیں تو مجھ کو یقین ہی لیکن میرے پاس خواجہ حالی کا ایک خط آیا ہی اُس میں تو وہ کچھ اقرار سا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں مخدومی مولوی سید محمود صاحب آزاد جہانگیر نگری نے یہ روایت بیان کی جو اُنھوں نے غالبًا مولوی عبد الغفور خان نساخ سے سُنی کہ مشہور ہی غالب جن دنوں اکبر آباد میں تھے۔ وہاں دو اوستاد تھے۔ میاں نظیر۔ اور میر۔ میرزا نے پہلے دو چار غزلیں میاں نظیر کو دکھائیں لیکن اِتنے ہی میں اُن کی اصلاح سے سیر ہوگئے۔ تب ڈرتے ڈرتے ایک غزل میر صاحب کی خدمت میں بھیج دی اور بہ نہایت ادب اصلاح کی درخوست کی۔ وہاں سے اصلاح کی دولت تو حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن میر نے غزل دیکھ کر جو رائے ظاہر کی اُس کو غالب فخر کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ یا تو یہ شخص بہت ہی بڑا شاعر ہوگا یا بالکل مہمل گو ہوگا۔

اِس کے جواب میں جو خط آیا اُس کا مضمون یہ ہی۔

معاملۂ غالب و نظیر۔ اُس کی اصل یہ ہی کہ غالب نے کوئی غزل نظیر کو نہیں دکھائی۔ مولوی عبد الغفور خان مرحوم کا وہ قول کہ میر تقی کو مرزا صاحب نے غزل بھیجی تھی اور میر نے یہ جواب دیا صحیح ہی مگر نظیر کی یہ اصلاح دینا بالکل غلط ہی۔ نہ مجھے یہ معلوم ہوا اور نہ منشی ہیرا سنگھ جو میرے دوست تھے اور ہر وقت مرزا صاحب مرحوم کے ہاں نشست رکھتے اُن سے میں نے سُنا اور نہ کسی اور ارباب جلسۂ مرزا صاحب سے یہ سُنا۔ مولوی حالی تو گاہ گاہ مرزا صاحب کے ہاں آیا کرتے تھے۔ اُن کی وہاں نشست کچھ زیادہ نہ تھی۔ رہا تذکرہ حکیم میر قطب الدین باطن میں اس کا لکھنا اس کی اصل آپ کو شاید معلوم نہیں۔ لہذا اُس کی توضیح کرتا ہوں چوں کہ نواب مصطفٰی خان شیفتہ نے تذکرۂ گلشنِ بے خار میں نظیر کی نسبت الفاظِ رکیکہ لکھ دیے ہیں لہذا اُس کے کسی شاگرد کو ناگوار ہوا۔ اُس نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گو حالی کو شاگردی کا اقرار کرتے ہوئے کسی قدر تامل نظر آتا ہے مگر صاف انکار بھی نہیں کیا۔ اس سے تو بحث نہیں کہ شاگردی آیا اُستاد کے لیے موجب عزت ہے یا شاگرد کے لیے۔ اگر واقع میں غالب نظیر کے شاگرد تھے تو اس قدر پیچ و تاب کی ضرورت نہیں۔ شاگردی بھی ہزار طرح کی ہوتی ہے۔ ایک اوستاد وہ بھی ہوتے ہیں جو ابجد اور دوسری ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ اور ایک وہ جو سُلّم صدرا شمس بازغہ کا درس دیتے ہیں طُرفہ جس طرح اُور اُمور میں محال ہے تعلیم میں بھی ہے۔ غالب کو جو کمال حاصل تھا وہ دفعۃً تو ہو گیا تھا نہیں تیرھویں صدی کے بڑے اذکیا میں عبدالرحیم دہری ہو گزرا ہے لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس نے انگریزی بغیر مدد اُستاد حاصل کی۔ لیکن ابجد میں وہ بھی کسی کا شاگرد تھا۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ غالب نے ابجد بھی کسی سے نہ پڑھی ہو۔ ابتدائی کتابیں اگر نظیر سے اُنھوں نے پڑھی ہوں تو کون سی قباحت ہے اور اس میں غالب کی کون سی شان گھٹی جاتی ہے۔

حکیم غلام رضا خان دہلوی جن سے مجھ کو فن طب میں تلمذ حاصل ہے یہ گویا غالب کے متبنّے ہیں۔ اُردو معلّٰی کے دونوں حصے انھی کے نام ہبہ ہیں۔ چوں کہ یہ بھی میرزا غالب کے حالات سے بہت واقف ہیں میں نے ان کو بھی اس مسئلۂ تلمذ کے باب میں لکھا۔ اُن کے ہاں سے یہ مضمون لکھا ہوا آیا:

بابت میرزا غالب و نظیر کے جو دریافت فرمایا ہے اس کی مطلقاً اصلیت نہیں صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا نہ اُردو۔ یہ جو مرزا صاحب ہرمزثم عبدالصمد کو اپنا اوستاد لکھتے ہیں اس شخص کا وجود ذہن میں تھا۔ خارج میں نہ تھا۔ چودہ برس کی عمر میں مرزا صاحب دہلی میں آئے۔ پھر یہیں رہے۔ اُس زمانے میں دہلی میں شاہ نصیر کا بہت شُہرہ تھا بلکہ مرزا صاحب کے خسر الٰہی بخش خان معروف بھی اُنھی کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحب نے اپنا کلام "نصیر تک کو تو دکھایا نہیں۔ مجھے جو اصلی حقیقت اس معاملے میں معلوم تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حوالۂ قلم ہوئی۔

یہ خط پاکر میں نے اُن کو یہ مضمون لکھا کہ آپ لکھتے ہیں تو مجھ کو یقین ہی لیکن میرے پاس خواجہ حالی کا ایک خط آیا ہی اُس میں تو وہ کچھ اقرار سا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں مخدومی مولوی سید محمود صاحب آزاد جہانگیر نگری نے یہ روایت بیان کی جو اُنھوں نے غالبًا مولوی عبد الغفور خان نسّاخ سے سُنی کہ مشہور ہی غالب جن دنوں اکبر آباد میں تھے۔ وہاں دو اُستاد تھے۔ میاں نظیر۔ اور میر۔ میرزا نے پہلے دو چار غزلیں میاں نظیر کو دکھائیں لیکن اتنے ہی میں اُن کی اصلاح سے سیر ہو گئے۔ تب ڈرتے ڈرتے ایک غزل میر صاحب کی خدمت میں بھیج دی اور بہایت ادب سے اصلاح کی درخوست کی۔ وہاں سے اصلاح کی دولت تو حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن میر نے غزل دیکھ کر جو رائے ظاہر کی اُس کو غالب فخر کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ یا تو یہ شخص بہت ہی بڑا شاعر ہوگا یا بالکل مہمل گو ہوگا۔

اس کے جواب میں جو خط آیا اُس کا مضمون یہ ہی۔

معاملۂ غالب و نظیر۔ اُس کی اصل یہ ہی کہ غالب نے کوئی غزل نظیر کو نہیں دکھائی۔ مولوی عبد الغفور خان مرحوم کا وہ قول کہ میر تقی کو مرزا صاحب نے غزل بھیجی تھی اور میر نے یہ جواب دیا صحیح ہی مگر نظیر کی یہ اصلاح دینا بالکل غلط ہی۔ نہ مجھے یہ معلوم ہوا اور نہ منشی ہیرا سنگھ جو میرے دوست تھے اور ہر وقت مرزا صاحب مرحوم کے ہاں نشست رکھتے اُن سے میں نے سُنا اور نہ کسی اور ارباب جلسۂ مرزا صاحب سے یہ سُنا۔ مولوی حالی تو گاہ گاہ مرزا صاحب کے ہاں آیا کرتے تھے۔ اُن کی وہاں نشست کچھ زیادہ نہ تھی۔ رہا تذکرہ حکیم میر قطب الدین باطن اس کا لکھنا اس کی اصل آپ کو شاید معلوم نہیں۔ لہذا اُس کی توضیح کرتا ہوں چوں کہ نواب مصطفٰے خان شیفتہ نے تذکرۂ گلشن بے خار میں نظیر کی نسبت الفاظ رکیکہ لکھ دیے ہیں لہذا اُس کے کسی شاگرد کو ناگوار ہوا۔ اُس نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تذکرہ دوسرا لکھا۔ اُس میں پُوری پُوری عداوت کو صرف کیا۔ جن شُعرا کی شیفتہ نے تعریف میں مُبالغہ کیا تھا خواہ بوجہِ دوستی یا بوجہِ اعتقاد اُن کی باطن نے جہاں تک مُمکن ہو سکا ہجو کی۔ چونکہ اُنھیں ممدوحین شیفتہ میں غالب بھی تھے اور اِن کی پیدایش آگرہ کی تھی اِس لیے اِن کی نسبت یہ زیادہ اتہام لگایا کہ وہ نظیر و معظم کے شاگرد ہیں۔ ورنہ اِس کی مُطلق اصلیت نہیں۔

اِن مضامین کے بعد اس کی تجویز مُشکل ہو کہ غالب کو نظیر سے تلمّذ حاصل تھا یا نہیں۔ تلمّذ کے خلاف میں دو شاہد ہیں۔ حکیم غلام رِضا خاں اور خواجہ الطاف حسین حالی۔ اور موافقت میں دو حکیم میر قطب الدین باطن اور مولوی سید محمود صاحب آزاد (یا مولوی عبد الغفور خان نسّاخ) خواجہ حالی تو کوئی بات یقینی نہیں کہتے۔ قیاس سے کام لیتے ہیں اور قیاس شہادت میں مُعتبر نہیں۔ حکیم غلام رضا خاں نظیر کے اصلاح دینے کو بالکل غلط بتاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ کسی موقع پر غالب نے اِس مضمون سے صراحتہً انکار کیا ہو۔ پس اِن کی باتیں بھی قیاسی ہیں۔ ہرمز اور عبد الصمد کے وجود فرضی کی نسبت جو اُنھوں نے ایک مضمون لکھا ہو اگر صحیح ہو تو میرزا کا خاص عنوانِ طبیعت اُس سے ظاہر ہوتا ہو۔ اُس کے دل میں بڑی مشیخت سمائی ہوئی تھی اُس نے اپنی عظمتِ شاعرانہ کے مناسب حالت خلافِ واقعہ ایک فرضی اُستاد تراشا تو اپنی شان کے خلاف کسی واقعی اُستاد کے تلمّذ سے انکار کرتے اُس کو کتنی دیر لگتی۔ اگر اُس نے اپنی کسرِ شان کے لحاظ سے نظیر کی شاگردی سے قصداً سکوت کیا ہو تو اُس کی طبیعت سے کوئی بعید نہیں۔ باطن کے قول کو یہ کہہ کر ٹال دینا کہ اُس نے محض عداوت سے یہ مضمونِ تلمّذ دل سے اختراع کیا ہو کچھ بہت ٹھیک نہیں ہو۔ اُس کے قول کی تائید مولوی سید محمود صاحب آزاد کی روایت سے آزادانہ طور پر نکلتی ہو۔ باطن کے بیان میں لفظِ تعلیم عام ہو اُس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تعلیمِ رسمی یا تعلیمِ سخن۔ روایت آزاد اُس کی شرح تعلیمِ سخن کے ساتھ کرتی ہو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

y Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میری خاص رائے اِس بارے میں یہ ہی کہ غالب کا زمانۂ قیامِ اکبرآباد ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا۔ اس کی زیادہ اوقات رسمی تعلیم کے حاصل کرنے میں بسر ہوتی تھی۔ خلیفہ معظم اور میاں نظیر اُن دنوں سر برآوردہ اور ممتاز مُلاؤں میں تھے۔ غالب کی تعلیم کو عرش پر سے فرشتے تو آسکتے نہ تھے۔ اُنہی دونوں کی طرف اُسے رجوع کرنی پڑی۔ مُدت تک اِن دونوں حضرات سے تعلیم پائی۔ آدمی تھا طباع اور ذہین۔ شاعر اُستاد کی صحبت نے قدرتی طور پر اُس میں شعر و سخن کا ذوق پیدا کیا۔ طبیعت میں زور بھرے ہوے تھے۔ جب اُڑتا تھا اونچا اُڑتا تھا اور جب ڈوبتا تھا تہ ہی تک پہنچنے کا قصد کرتا تھا۔

نومشقی اور اُس پر یہ گاوزوریاں ٹھوکریں کیوں کر نہ لگتیں۔ لڑکا اور بے دل کا نال اُٹھانے کی فکر منھ کی کیوں کر نہ کھاتا۔ لوگوں کے اعتراض ہونے لگے تو اوستاد کی تلاش ہوئی۔ دو چار غزلیں مکتب کے مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے کی گاوزوریاں دیکھ کر ہنسی تو اُن کو آئی مگر دل شکنی اُن کا شعار نہ تھا۔ واد دے کر جی بھی بڑھایا اور صلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔ غالب کا زور یہ کہ اُردو کو بے دل کی فارسی بنادیں۔ نظیر کا طور یہ کہ بے دل کو سعدی بنادیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سلسلۂ اصلاح منقطع۔ باطن کے فحوائے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اسد کا خطاب بھی نظیر ہی کے ہاں سے اِس کو ملا۔

نظیر کے بعد غالب کی نظر میر پر پڑی لیکن اُن میں بد دماغی وہ تھی کہ وہاں جاتے ہوے بڑے بڑے تھراتے تھے۔ غالب تو بیچارہ لڑکا ہی تھا۔ جانے کی تو ہمت نہ ہوئی۔ کسی طرح غزل وہاں تک پہنچا دی ہر چند وہاں سے کسی قدر سخت اور دل شکن جواب ملا لیکن اعتقاد میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ اپنی ایک غزل کے مقطع میں اِس واقعے کے بہت دنوں بعد کہا ہی:-

غالب اپنا یہ عقیدہ ہی بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہی جو معتقدِ میر نہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذیل میں نظیر کے شاگردوں کی فہرست درج ہے۔

خلیفہ گلزار علی اسیر۔ حکیم میر قطب الدین باطن۔ میرزا اسد اللہ غالب۔ مہاراجہ بلونت سنگھ راجہ
لالہ بدھ سین صافی۔ شیخ مداری ضمیر۔ حکیم میر محمدی ظاہر۔ شیخ نبی بخش عاشق۔ منشی حسین علی خان محو۔
سیدا بخش لہر۔ شیخ حسین بخش بخشی۔

خلیفہ گلزار علی اسیر میاں نظیر کے بیٹے تھے۔ ۱۲۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ میں کوئی نواسی برس زندہ رہ کر وفات پائی۔ اُن کے شاگرد غلام محمد خاں رہا نے اُن کی تاریخ لکھی۔ قطعۂ تاریخ لوح مزار پر کندہ ہے۔ تاریخ کا اخیر مصرعہ یہ ہے۔

	گفت اسیر دام ہستی شد رہا۔	

مادّے سے چھ کا تخرجہ ہے۔

میرزا نوازش علی بیگ کی زبانی یہ روایت ہے۔ خلیفہ گلزار علی کاشی والے کے ہاں نوکر تھے۔ کاشی والا مہاراجہ بلونت سنگھ کو کہتے تھے۔ یہ کاشی والا اس لیے کہلاتا تھا کہ اس کا باپ چیت سنگھ اصل میں بنارس کا راجہ تھا۔ وارن ہیسٹنگز کے ظلم سے بھاگ کر آگرے میں پناہ لی تھی۔ کاشی والے نے چاہا کہ یہ اُس کو کوئی غزل مشاعرے کے لیے کہہ دیں۔ اُنھوں نے کہا میں اس لیے نوکر نہیں کہ اپنی غزل تمھیں بخشا کروں۔ تم خود کچھ کہو جہاں کہیں خامی یا نشیب و فراز ہوگا درست کر دوں گا۔ چوں کہ استعداد اُن میں چنداں نہ تھی اور شعر گوئی کا شوق بھی تھا ناچار میرزا حاتم علی مہر (شاگرد ناسخ) کو اپنا اُستاد بنایا اور اُن کا جو مقصد تھا اُن کی اُستادی سے پورا پورا حاصل ہوا۔ پھر بھی جب مشاعرہ ہوتا خلیفہ گلزار علی کو بھی بلاتے۔ چوں کہ قدیم اُستاد تھے۔ خلیفہ گلزار علی داہنی طرف بیٹھتے اور میرزا حاتم علی مہر بائیں طرف۔ دونوں صاحبوں کے آگے چاندی کا حقہ لگایا جاتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱

خلیفہ صاحب بھنگ اور افیم دونوں سے ذوق رکھتے تھے۔ اُن کو یہ چھوٹی مُہنال کا حُقّہ کیا بھلا معلوم دے۔ ساقن جو اَور حُضّار کے حُقّہ پلانے کو مقرر تھی اُس کو بُلا لیتے اور اُسی کے گرما گرم دھواندھار حقّے سے اپنی خواہش کی آگ کو بُجھاتے۔ پہلے پہل جب یہ حرکت ان سے ظہور میں آئی تو میرزا نے کنایتہً کہا حضرت کیا خُوب اب تو آپ کی طبیعت کچھ اَور ہی طرف مائل ہی۔ خلیفہ صاحب نے چھوٹتے ہی یہ شعر پڑھا۔ دل میں اُلفت ہی جو اک سانولی متوالی کی ÷ گو مسلمان ہوں پہ بول اُٹھتا ہوں جے کالی کی ÷ میرزا نے اِس پہ دو مطلع پڑھے۔ خلیفہ جی نے بھی اُن کے جواب میں ویسے ہی برجستہ دو مطلع فی البدیہہ ارشاد کیے۔ تب تو میرزا مان گئے کہ حضرت واقعی آپ اوستاد ہیں۔

مُشاعرہ جس کا اس حکایت میں مذکور ہی ۱۲۴۵ھ میں قائم ہوا تھا۔ چوں کہ راجہ حوصلہ مند تھا اور فراغت نے بے فکری کی بساط بچھا رکھی تھی مشاعرہ تقریباً ربع صدی تک برسوں ایک طور سے قائم رہا۔ بڑے بڑے نامی شعرا اپنے جوہر طبع دکھانے وہاں تشریف لاتے تھے اور فرش سے عرش تک اپنے کلام کا غلغلہ بلند کرتے تھے۔ جو اوستاد ہوتے تھے اُن کی راجہ کی طرف سے کچھ نقدی قدردانی بھی ہوتی تھی۔

ایک مولوی گُلزار علی آگرے میں وہ بھی تھے جو سینٹ جمیس کالج میں نوکر تھے۔ اِن کو اُس کالج سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نظیر نے جب قضا کی تو اُن کی خلافت ان کو ملی۔ کاشی والے راجہ اور رائی بھان والوں کے پڑھانے کو مقرر ہوے۔ ستّر روپے ماہوار آتے تھے۔ گوالیار میں بھی خلیفہ جی کے دو گھوڑے تھے۔ بیس اُن کے آتے تھے۔ فی گھوڑا بائیس روپیہ مقرر تھا۔ جس میں سے بارہ دہیں کٹ جاتے تھے۔

خلیفہ گُلزار علی صاحب کے دو دیوان ہیں۔ ایک تو اکبر آباد ہی میں چھپ بھی گیا ہی۔ دوسرا قلمی غیر مرتب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یوں ہی پڑا ہوا ہی۔ مسودے کے اجزا میرزا نوازش علی نے مجھ کو دکھائے۔ گل چین انتخاب نے اُن کے گلزار سے یہ پھول چُنے ہیں:-

ثبوت ہی اپنے اُجلے پن کا صفائی دست تیغ زن کا
نہ عضو مٹی ہوا بدن کا نہ تار میلا ہوا کفن کا

یہ کیا کہ بچنا خار سے اور گل کو دیکھنا
جب صلح گل سے ٹھہری تو پھر گل کو دیکھنا

کیا سیدھی سی زلفوں کے لکھوں شعر اسیر اب
اٹکے ہی کہیں دل نہ اُلجھتی ہی کہیں طبع

ساقی کا کیا میٹھا ہی
کڑوا پیالہ پیجے کیوں

یا علی بخت سیہ میرے کو روشن کر دو
تم کو شمع حرم لم یزلی کہتے ہیں

دُنیا میں انسان کی اور آنسو کی قدر برابر ہی
خاک میں ملتے جاتے ہیں آنکھوں سے گرتے جاتے ہیں

عجب کچھ تفرقے سے شہر آب دگل میں پھرتا ہوں
مجھے ڈھونڈے ہی دل میں جستجوے دل میں پھرتا ہوں

شمع ساں بزم میں مارے ہوے تن من میں ہوں
جب کوئی آگ لگا دے مجھے روشن میں ہوں

داغ تو دل میں ہوا ای چرخ کہن چھوٹا سا
ہی بڑا لطف جو گھر میں ہو چمن چھوٹا سا

مجھے رعشہ تو ہی چنچل مصوّر سے کھچے کیوں کر
مری تصویر پیری میں تری تصویر طفلی میں

ترا رکھا جو اشکوں نے عصاے بغلی کو
شاخوں میں جریدوں کی لگے بیر لحد میں

افسردہ دل جو ہووے تو شور فغاں نہو
مٹی کو لاکھ طرح جلائیں دُھواں نہ ہو

آنکھوں میں اس کو رکھیے کہ دامن میں پالیئے
طفل سرشک لاکھ برس میں جواں نہ ہو

ایک گرزو فاختہ کی یہ پھبتی کہی اسیر
تھی سرو پر جو فاختہ، بالاے فاختہ

خار پیاس ایک چھوڑیں گے نہ تن میں آبلے
ہیں پکھالیں پانی کی دیوانہ پن میں آبلے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشک یاں چشم میں غم دل میں ہی جاں ہاتھ میں ہی
غصہ بھی آئے تو بے جا نہ سخن سے رہو

اپنے قاتل کی بہار اور خزاں ہاتھ میں ہی
جس کے کہنے میں ہی گویا وہ زباں ہاتھ میں ہی

کس نیند چڑھا پھرتا ہی ہشیار ہو غافل
مال رہ جای کسی پاس نہ دولت رہ جاے
تن میں ہوا جو ہی کوئی دم کی بندھی ہوئی
توشہ مسافران عدم کو ضرور رہی

جو بھلا کرے کا ہی یہ گھر کا نہیں ہی
یہ بڑی چیز ہی دنیا میں جو عزت رہ جای
گٹھری یہ غافلو ہی بھرم کی بندھی ہوئی
ٹکیا رہے کلیجے پہ غم کی بندھی ہوئی

حکیم میر محمدی ظاہر صاحب تذکرہ کے والد تھے اور حضرت میر ضیاء الدین جھبوری سے ان کو بیعت حاصل تھی جو خلیفہ خاص مولنا محمد فخر الدین کے تھے۔ اصل میں ان کے اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ عرب سرا میں رہتے تھے۔ جو شاہجہاں سے تین کوس کے فاصلے پر ہی۔ محاربات شاہ گردی میں ان کے دادا حکیم میر واجد علی جو مولنا کے عمائدِ خلفا میں تھے پریشان ہوکر اکبرآباد آئے۔ اور تلج گنج میں عمر خاں کے کٹرے میں ممتاز محل کے روضے کے زیرِ دیوار قیام پذیر ہوئے۔ طبابت سے اوقات بسری کرتے تھے۔ فخر الدولہ نواب احمد بخش خانِ مرحوم جو نواب مرزا الٰہی بخش خانِ مرحوم کے بڑے بھائی اور عارف خان برادر شرف الدولہ قاسم جان کے بڑے بیٹے تھے وہ ان کی خدمت سے سعادت اور توقیر حاصل کرتے تھے۔

ظاہر نے میاں نظیر سے فیضِ سخن حاصل کیا اور اپنے تئیں شاگردوں کے زمرے میں داخل کیا۔
۶۔ صفر ۱۲۵۹ھ روز چہارشنبہ کو پہر رات گئے ہوے سفرِ آخرت کیا۔ ایک مختصر دیوان اِن کا ہی۔

حمد میں لکھتا ہوں نام اُس خالقِ غفار کا
خیال اُس زلف کا دل سے مرا اصلا نہیں جاتا

نعت میں دم مارتا ہوں احمد مختار کا
بہت اپنی سی کی پر آہ یہ سودا نہیں جاتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نہ بھاتی تھی جس شخص بن دل کو سیر — سو آیا ہی لے لو وہ یا دشمن بخیر
چشم اور لبِ لعل اُس کے ظاہر — بولے کہ جو دل کو پائیں گے ہم
آنکھوں نے کہا کریں گے ہم قتل — لب بولے کہ پھر جلائیں گے ہم
غبارِ خاکِ راہِ دل بہ چالاک آنکھوں میں — سمجھ کحل البصر گر ہم نہ ویں تو خاک آنکھوں میں
گو خلدِ بریں کی تو صبا اور ہی کچھ ہی — پر یار کے کوچے کی ہوا اور ہی کچھ ہی

حکیم میر محمد مہدی طاہر کے بیٹے حکیم میر قطب الدین باطن جنھوں نے تذکرہ گلستانِ بے خزاں جمع کیا، اپنے آپ کو پابند سلسلۂ شاگردیِ میاں نظیر لکھا ہی۔ لیکن شاید اُنھوں نے میاں نظیر کا بہت زمانہ نہیں پایا۔ اسی لیے اُنھوں نے بعد میں خلیفہ گلزار علی سے بھی استفادۂ سخن کیا۔

اپنے حالات میں اپنی شاگردی کو اِن لفظوں میں لکھا ہی:۔

پابند سلسلۂ شاگردی میاں نظیر صاحب اور خواہانِ فیضِ صحبت بدل و جان۔ اِن کی تعلیم کے استفادہ سے حرف شناسِ سخن ہو جاے گا۔ گلِ سخن اس کا رنگین تر از چمن ہو جاے گا۔ اور اسیر کے حالات میں یوں:۔

درختِ سخن راقم آثم کا فیضِ شگفتگی گلہاے تلطفِ ہادیِ شُعرا حضرت نظیر سے بارور ہوا۔ گلِ مراد احقر کا نسیمِ الطاف اُن کی سے شاخِ مضارع بر برنگِ بوقلموں ثمر بر لایا۔ نخلِ ابیاتِ ناقصہ اپنا دستِ صنعتِ باغبان طبع اِن کے سے پیوند ہوا اور رہ نظارگیِ باغِ سخن نے اِن کے سلسلۂ کلام میں سراسر دل شوریدہ کو پابند کیا۔

ذو بحرین

واسطے سر کے مرے تھپّر بنا — واسطے تھپتر کے میرا سر بنا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شرمِ گنہ پہ دھیان گیا جب خیال کا
کیا اعتمادِ خواب کا کیوں ہو گئی یہ محو
وہ ظرف ہر خُم وحدت کو میں چڑھا جاتا
قفس میں آتی چمن کی مجھے جو یاد کبھی
گُنہ سے توبہ کرا ہی دل سمجھتا ہی نہیں اللہ
چاند پہ شیشہ شیشے پہ پنجہ پنجے میں قطرہ زیب فزا
تیرے در سے خالقِ اِنس و جاں جو ملے تو لوں میں بلا طلب
طرح طرح کے دکھاتا ہی اب زمانہ رُوپ
حضرتِ یعقوب کی خدمت میں یُوسف کو بگاڑ
یہ دیر کے رستے سے وہ کعبہ کی گیا راہ
روش پہ قُمری و بُلبُل میں بحث ڈلوا کر
ذقن کو دل گیا ہر گز نہ رکھا کان بیچ پر
تمھارا حسن ہر عالم میں اک دورِ قیامت ہی
اُنھیں رونا مچلنا بس کلیدِ قفلِ مطلب ہی
نسیم حال خزاں کا جو سن گئی ہوگی
عروسِ گور سے ہونے کو ہم کنار آئے
طلب بھی بوسے کی دشنام کا سوال بھی ہی

دریا بہا دیا عرقِ انفعال کا
بچہ نہ کچھ زُلیخا تھی یُوسف جواں نہ تھا
ذرا جمال جو اِس جام میں سما جاتا
وہ نالہ کرتا کہ صیاد بلبلا جاتا
ہما اور عنقا کا جزا، اور وفا کا کیا
تکیے پہ زانو زانو پہ ہاتھ اور ہاتھ میں دانہ سُمرن کا
نہ چلے یہ پاے ہوس طلب نہ بڑھے یہ دستِ دعا طلب
بدل رہا ہی یہ بہروپیا بھی کیا کیا رُوپ
سا تار وہمن بن گئے ہیں گرگ پیراہن سمیت
اِن برہمن و شیخ میں اک راہ کا تھا پیچ
یہ لال بن کے لڑاتا ہی چڑیاں صیاد
گرا اندھے کنوئیں میں خضر اک بوسے کے لالچ پر
جو لُٹنے تھے تو فتنے تھے ہوئے آفت جواں ہو کر
زباں بوڑھوں کی کھلواتے ہیں بچے بے زباں ہو کر
وہ بادلی سی تو ہی، تنکے چُن گئی ہوگی
اکیلے چار پیادوں پہ ہم سوار آئے
جواب دے ارے مُمسک، تو کچھ دوال بھی ہی؟

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خیال آیا جو باطن کو وفورِ عشق کا اپنے	تو یکسر شرم کا یاں بلبلوں سر سے بڑھا پانی
گزشت از سر چو آبِ غم چہ یک دست و چہ یک نیزہ	بلائے جاں ہوا جب سر سے اونچا ہو گیا پانی
راحتِ ہستی موہوم ہوا خوابِ عدم	نیند آئی مجھے لیلین کے افسانے سے
جو ایک اشک بھی آ میری چشمِ تر سے بھرے	تو پانی اتنا ہو اونچا کہ عرش پر سے بھرے
پائینتی سے بھی چلے بچ کے سرہانے والے	کاندھی دے جاتے ہیں نعشے کے اٹھانے والے
خیالِ کاکلِ پیچاں میں چرخِ کج رو کے	دھوئیں اڑا دیے ہونگے جو آہ کی ہوگی
عقلِ کل طفلِ دبستاں ہر وہ کیا سمجھے گا	جو کچھ اس خاک کے پتلے میں بھی حکمت ہوگی
نہ پوچھو کچھ ہماری کس طرح اوقات کٹتی ہی	غضب میں دن گزرتا ہی قیامت رات کٹتی ہی
خدا کی حمد ہی وصفِ بتاں ہی	بس اک دو کام کو منھ میں زباں ہی
ہزاروں رنگ سے کرتے ہیں نغمہ	ہمارے منھ میں بلبل کی زباں ہی
بڑی دقت سے گزرا رستمِ دل	ترا کوچہ بھی راہِ ہفتخواں ہی
بنایا تو نے حکمت سے ایسے موتی اسے انساں	گہر اور آدمی دونوں کی اصل اک بوند پانی ہی

محو تخلص منشی حسین علیخان مولد و منشا اکبر آباد۔ اصل کشمیر۔ برادرِ حقیقی قاضی واجد علیخاں۔ توقیر کے آدمی تھے سرکارِ انگریزی میں جلیل القدر عہدے پہ سرفراز تھے۔ باطن کے وال سے ازبس یک جہتی تھی۔ عرصہ دراز تک بسرکارِ مہاراجہ گوالیار مختار رہے۔ ۱۲۸۵ھ میں قضا کی۔ آدمی خوش فکر ہیں ہادیِ شعرا مرحوم کی صلاحِ سخن کے ذکر ہیں

آج آیا مجھے اس رشکِ قمر کا پرزہ	میں بھی بھیجوں گا جواب اپنے جگر کا پرزہ
ترا تیرِ نگہ ظالم سپر سورج کی چھاتی ہی	مجھے خورشید کے احوال پر ابِ مہر آتی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(انشا نظیر کا تتبع ہی)

میں نے جب شروع شروع کلیات نظیر دیکھنا شروع کیا اور ان اشعار پر پہنچا تو چھوٹتے ہی خیال آیا کہ یہ طرز انشا کی ہی۔

کہا جو تم نے کہ منکا ڈھلا تو آؤں گا	ہر بات کچھ نہ کچھ اس میں بھی مکر دفن کی سی
وگرنہ سچ ہی تو ای جان اتنی مدت میں	یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی
وہ دیکھ شیخ کو لاحول پڑھ کے کہتا ہی	یہ آئے دیکھیے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی

غور کر کے دیکھا تو پہلی غزل کلیات کی بھی انشا ہی کی طرز میں نظر آئی۔

سحر اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا	کہ خور اس کے حسن رخ کو لگا تکنے ذرہ آسا

پھر ان غزلوں پر بھی یہی خیال بڑے زور سے پیدا ہوا تھا جن کے مطلع کے اشعار یہ ہیں۔

کہتے ہیں یاں کہ مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں	پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں
زاہد و شحنۂ رضواں سے کہو عشق اللہ	عاشقو کوچۂ جاناں سے کہو عشق اللہ
ای شوخ ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ	ایسا ہی چھیڑنا ہی تو اہل وفا کو چھیڑ

چنانچہ حاشیہ پر بطور نوٹ کے لکھ بھی دیا تھا کہ ان اشعار سے طرز انشا جھلکتی ہی۔ لیکن اُس وقت تک اچھی طرح یہ امر متحقق نہ تھا کہ نظیر کا زمانہ کیا ہی۔ آیا انشا سے متقدم یا متاخر۔ تحقیق سے اب ظاہر ہو گیا ہی کہ نظیر گو باعتبار موت کسی قدر متاخر ہیں مگر باعتبار ولادت و سنین عمر یقیناً انشا سے متقدم۔ بس خاصی طرح کہا جا سکتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ اس طرز خاص میں انشا نظیر کا پیرو ہی۔ جب انشا کا دیوان دیکھا گیا تو اُس میں کئی غزلیں نظیر کی طرح میں پائی گئیں۔ نظیر کا مطلع ہی:-

عشق کا دُور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ	اِس دھڑاکے کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

انشا کہتے ہیں:-

لکھ دو آخون جی صاحب کوئی ایسا تعویذ	کہ مرے مُنھ سے لگے اُس کے گلے کا تعویذ
دل دھڑکنا ترے عاشق کا نہ جاوے ہرگز	گرچہ سو لاکھ طرح لکھ دے مسیحا تعویذ

نظیر کا مطلع ہی:-

دیکھ عقد ثریا ہمیں انگور کی سوجھی	کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دُور کی سوجھی؟

انشا فرماتے ہیں:-

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حُور کی سُوجھی	لا ہاتھ اِدھر دے کہ بڑی دُور کی سُوجھی

اس طرح میں جرأت کی بھی غزل ہی۔ نقل مشہور ہی کہ جرأت نے انشا کے سامنے اپنا ایک شعر پڑھنا شروع کیا۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ۔ اُس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سُوجھی۔ کہ انشا نے چھوٹتے ہی کہا۔ تاریکی میں اندھے کو بڑی دُور کی سُوجھی۔ اِس پر جرأت مارنے کو اُٹھے۔ نظیر کا مطلع ہی:-

دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی	دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

انشا کا مطلع ہی:-

بندگی ہم نے تو جی سے اپنے ٹھانی آپ کی	بندہ پرور خیر آگے قدر دانی آپ کی
اپنی آنکھوں میں تراوٹ آ گئی یک بارگی	دیکھ کر یہ لہلہی پوشاک دھانی آپ کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھیڑ کی طرح میں انشا کی غزل یوں شروع ہوتی ہے:-

	ای دل سمجھ کے اُس کی تو زلفِ رسا کو چھیڑ	کم بخت کیا کرے ہے نہ کافر بلا کو چھیڑنا

نظیر زلف کے مضمون کو یوں لہراتے ہیں:-

	بپھرے گا جب تو پیش نہ جاوے گا کچھ فسوں	ای دل نہ اُس کی افعیِ زلفِ دوتا کو چھیڑ

ازار بند والی طرح میں بھی دونوں کا کلام ہے:-

(انشا)	جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھ کو لحاف میں	پاجامہ یخ ہے۔ برف ہے۔ اولا ازار بند

فقط یہی نہیں کہ اتفاق سے یہ چند طرحیں دونوں کے دیوان میں واقع ہوئی ہیں۔ نہیں بہت سی باتیں دونوں شعرا کے کلام میں یکساں اور متحد ہیں۔ بعض سخت قافیوں پر دونوں طبیعت آزمائی کرتے ہیں اور اِس قسم کے قافیوں سے دونوں کو ایک قسم کا عشق معلوم ہوتا ہے۔ کلام میں چوچلے کو دونوں شعرا شریک کرتے ہیں۔ دونوں شعرا آزادوں کے لہجے میں اکثر خیالات ظاہر کرتے ہیں ظرافت کے مضامین دونوں کے کلام میں بڑے زور سے دخل پاتے ہیں۔ شاعر کو اکثر دونوں کے کلام میں ایک بہروپیے کا کیرکٹر دیا گیا ہے۔ عبارتِ عربی اقتباساً دونوں اپنے کلام میں ایک لطیف پیرایے میں داخل کرتے ہیں۔

(انشا)	ای عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذاتِ مولا	والسابحات سبحا فالسابقات سبقا
	سبزا اگرچہ رہا نامنظور صبح دم ہو	تو لیجیے برگ کوئی والناشطات نشطا

ہندوستانی تیوہاروں اور تقریبوں کو شاعرانہ رنگ آمیزیوں سے لطف اُٹھا اُٹھا کر دونوں بیان کرتے ہیں۔ ہنود کے الفاظ و اصطلاحات بھی دونوں کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ مختلف زبانوں اور لہجوں سے دونوں کام لیتے ہیں۔ صوفیانہ مذاق کو دونوں دخل دیتے ہیں۔ چوں کہ ذہین مقلد اکثر اپنے امام پر سبقت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لے جاتا ہے اس لیے ان امور میں سے بعض میں انشا نے کسی قدر نظیر پر فضیلت حاصل کی ہے۔ مثلاً اُس کے کلام میں عربی کی عبارتیں اقتباساً نظیر سے زیادہ برجستہ طور پہ واقع ہوئی ہیں۔ یا آزادوں کے لہجے کو وہ ایک خاص لطافت سے ادا کرتا ہے۔ یا مختلف محاورات اُس کے ہاں زیادہ شوخی کے ساتھ ہیں۔ لیکن دیکھنے والے پر صاف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کسی کا مقلد ہے۔ نظیر سے پہلے غزلوں اور اشعار میں اس قسم کے خیالات کسی نے ظاہر نہیں کیے تھے۔ اس طرز کا نظیر امام ہے۔ اس نے احاطۂ شاعری کو وسعت دی۔ انشا نے اس طرز جدید کی تقلید کی اور عمدہ طرز پہ تتبع کر کے بعض باتوں میں کچھ اُس کو ترقی دی۔ بعض کلام دونوں شاعر کے ایسے ہم رنگ ہیں کہ مجھ کو اکثر ایک پر دوسرے کے کلام کا دھوکا ہوا ہے۔ مثلاً وہ غزل:-

نظر پڑا اک بُتِ پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا

انشا کہتے ہیں:-

آئی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی	دانتوں کے نیچے داب زباں چٹ پلٹ گئی
آہٹ کو میری تاڑ کے چوکھٹ سے جھٹ اُچک	جھٹ پٹ وہ ہٹ کو آڑ کے پٹ سے چمٹ گئی

اس پر صاف نظیر کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔

انشا کہتے ہیں:-

میں دبے پاؤں اور ہی چھپکے سے جو پہنچا بیٹھے تھے جہاں وہ	سُن کہنے لگے میرے دبے پاؤں کی آہٹ ہی ایک تو نٹ کھٹ

اس پہ بھی نظیر کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔

تین غزلیں جو ذیل کے مطلعوں سے شروع ہوتی ہیں وہ بھی طرز نظیر میں ہیں:-

کو دولتِ اسکندر و کو حشمتِ دارا ہے صاحبِ فطرت	پڑھ فاعتبروا یا اولی الابصار کا آیا تو تجھے عبرت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

…ized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو نام خدا وا چھڑے کچھ زور تماشا یہ آپ کی رنگت — گات ایسی غضب قہر بھبھیں اور جھمکڑا اللہ کی قدرت
لینے جو بلائیں لگے ہم آپ کی چٹ چٹ تو بول اٹھی جھٹ — چل جا لبے رے وا دز برو ہو پرے ہٹ اری سب یہ بناوٹ

انشا کو متبع ماننے کی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ زبان انشا کی کسی قدر نظیر سے شستہ اور تہذیب یافتہ ہی۔ اور معلوم ہوتا ہی کہ ایک زینہ وہ نظیر سے نیچے ہی۔ نظیر کے ہاں وہ عیوب جو میرا ور سودا کے کلام میں متعلق لغت یا عروض کے ہیں بعینہ ہیں۔ انشا کے ہاں وہ عیوب نہیں ہیں۔ انشا نے کسی قدر زبان کی اصلاح شروع کردی ہی۔ وہ الفاظ کی صحت کی رعایت بہت کرتا ہی غلطی بسکون لام اُس کے نزدیک بڑی رکیک غلطی ہی۔ گو موٹے موٹے رکیک ہندی الفاظ کو آزادی کے ساتھ داخلِ کلام کرتا ہی لیکن فارسی اور عربی لغات کی صحت شعراء فارس کے معیارِ صحت کے مطابق کرتا ہی۔

متاخرین اگر بعض خاص امور کی تہذیب کریں تو متقدمین کے کلام کو ان متاخرین کے نصاب سے ناپ کر خراب اور کم رتبہ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن بعض خاص قسم کی غلطیِ خیالی سے لوگ بعض متقدمین پر غلط الزام لگاتے ہیں۔ نظیر اُنھی بے جا الزام یابوں میں ہی۔ انشا کے قوانین اصلاح و تہذیب کا نظیر کیوں کر پابند ہو سکتا تھا۔

(نظیر اور انشا کی ظرافت میں فرق کیا ہی)

ظرافت دونوں کے کلام میں ہی۔ لیکن نظیر کی ظرافت اُس وضع کی ہی جیسے کوئی رئیس کسی سے مزاح کرے اور انشا کی ظرافت کا ڈھنگ وہ ہی کہ جو مصاحبوں اور بعض اربابِ نشاط کا ہوتا ہی۔ وہ جس کو چھیڑتا ہی اُس کی نسبت فقط زبان سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ ہاتھ پانوں سے بھی بعض حرکات اُن کی تضحیک کی کرتا جاتا ہی اُس کو مُنھ چڑا دینے میں کوئی باک نہیں۔ اُس کو تضحیک میں ڈالے ہوئے شخص کی ناراضی و خوشنودی کا کچھ خیال نہیں وہ چاہے بیزار ہو کر خودکشی کیوں نہ کرے مگر اُس کو چھیڑے جانا۔ اُس کو مقصود ہی صرف اپنے مربی کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خوش کرنا۔ نظیر کا کوئی مُربّی نہیں ہے وہ اپنے کلامِ ظرافت التیام میں مُصاحبت نہیں خرچ کرتا۔ وہ چٹکی لیتا
مگر اُس کے دل میں ہمدردی بھی جوش مار رہی ہے۔ جیسے بعض رُؤسا کہ بعض تفریح طلب لوگوں سے تفریح
کرتے ہیں۔ چپت مارتے ہیں۔ ناک میں تیّی کر دیتے ہیں۔ مُنھ میں کالک لگا دیتے ہیں۔ جوتے کا ہار گلے
میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن اخیر میں کچھ دے بھی نکلتے ہیں۔ غرض نظیر کی ظرافت خود مُختار اور آزاد ہے اور آزادی
کی تمام فضیلتوں سے مالامال۔ اور انشا کی ظرافت بھانڈوں اور مُصاحبوں کی ظرافت کی طرح پابند
نظیر کی ظرافت کا مقصودِ اعظم نوعِ انسانی کی اصلاح اور انشا کی ظرافت کا مقصود فقط چند لوگوں کو ہنسا
دینا اور بس۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی تشبیہ برن سے

میرے ایک نہایت قابل اور خوش طبع دوست نے اثنائے گفتگو میں نظیر کو برن سے تشبیہ دی۔ میں جب اُن سے مل کر گھر آیا تو اوقاتِ فرصت میں اس تشبیہ کے نکات پر وقتاً فوقتاً غور کرتا رہا۔ اس اعتبار سے کہ برن بہت ہی کم عمری میں مر گیا۔ کوئی مشابہت نہیں۔ اس اعتبار سے کہ وہ بہت شراب پیتا تھا کوئی مناسبت نہیں۔ اس اعتبار سے کہ وہ ارادے کا مستقل اور عادت پر قابو رکھنے والا نہ تھا کوئی مماثلت نہیں۔ مناسبت کی وجہیں شاید یہ ہوں کہ اولاً تو دونوں کا زمانہ ایک ہی۔ گو برن پہلے مر گیا[۱]۔ جن دنوں برن کی شاعری ممالکِ فرنگ میں اپنے خاص رنگ میں دلوں کو رنگ رہی تھی نظیر کی شاعری وہی رنگ یہاں ہندوستان میں جھکا رہی تھی۔ برن نے اپنے ملک کی خاص زبان اختیار کی تھی۔ نظیر گو اس خصوص میں اُس کی پوری نظیر تو پیش نہیں کر سکتا مگر اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں کہ اُس نے بھی زبان کو بہت کچھ آزادی دی۔ شعراء عوام کے بازاری محاورات اور روزمرہ استعمال کرتے ڈرتے ہیں۔ اس نے نہ فقط بازاری محاورات استعمال کیے بلکہ اُن محاورات کے جادو سے ایک بولتا چالتا اچھا خاصا بازار بسا دیا۔ اُس کو کسی لفظ کے استعمال میں عذر نہیں اور ہو بھی تو کیوں ہو۔ وہ شاعری نہیں کرتا بلکہ خیالی طور پر خاص خاص روپ بھرتا ہے جس طرح برن نے زبانِ انگریزی کو خاص خاص الفاظ اور خاص خاص محاورات دیے ہیں اُسی طرح نظیر نے زبانِ اردو کو دیے ہیں۔ الفاظ و لغات کی کثرت جدّتِ استعمال کے ساتھ اُس کے کلام میں اس قدر ہے کہ اس خصوص میں حالی نے اُس کو میر انیس پر ترجیح دی ہے۔

[۱] ۲۱ جولائی ۱۷۹۶ء برن کی وفات کی تاریخ ہے اور ۲۹ جنوری ۱۷۵۹ء تاریخ ولادت ۱۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میرے خیال میں بعض فرہنگ نویس کے لیے یہ ایک عُمدہ منصوبہ ہے کہ وہ صرف نظیر کے لُغات سے اور مترادف الفاظ اور ہم معنی محاورات کا التزام کرکے اُردو کی ایک جامع فرہنگ طیار کرے جس طرح میرے ایک نہایت بلند خیال کامل العلوم دوست نے مقاماتِ حریری کے متعلق التزام کیا تھا۔ میں جانتا ہوں زبانِ اُردو میں کسی شاعر کا کُلیات ایسا نہیں ہے جس میں اس قدر مختلف صیغوں کے الفاظ اس کثرت سے پائے جاتے ہوں سیکڑوں الفاظ ایسے ہیں جن کا پہلے پہل اُس کے ہاں استعمال ہوا ہے۔ اور اگر پہلے پہل استعمال نہیں ہوا تو یہ تو یقیناً ہے کہ اس خوبی اور اس پہلو سے پہلے ہی پہل ہوا ہے۔

مختلف مضامین کے اعتبار سے بھی برن اور نظیر مماثل ہیں۔ برن کے ہاں بھی اسی طرح ہر طبقے اور درجے کے خیالات ہیں جس طرح نظیر کے ہاں۔ مضمون چاہے کتنا ہی پست کیوں نہ ہو مگر شاعرانہ نقّاشی کے لیے دونوں کے سے قلم یکساں طور پر تُلے ہوئے ہیں۔ برن سہمے ہوئے زندہ چوہے کو ہمدردی بڑھانے کے لیے پیش کرتے ہیں تو نظیر مُردہ چوہوں کی ایک مظلوم جماعت کو خوان میں لگا کر لاتے ہیں اور ہنستے ہنستے رُلا دیتے ہیں۔ برن کُتّے کی دوڑ بھاگ دکھاتے ہیں تو نظیر اُچھلتا کودتا ہرن سامنے لاتے ہیں۔ برن کے فوجی مذاق کی نظموں کے مقابل میں نظیر کا جنگ نامہ خیبر اور اسی وضع کی اور نظمیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ برن کے اگر سونگ ہیں تو نظیر کے بھی گیت ہیں جو موج اور لہر کے گلے سے ادا ہو رہے ہیں۔ برن کے جام میں اگر بادۂ ارغوانی (اسکاچ ڈرنک) ہے تو نظیر نے بھی ادھر سبزی چھانی ہے۔ برن کا ونٹر ہے تو نظیر کا جاڑا۔ برن کی صفائی کے ساتھ مرنے والی ڈیون ہے تو نظیر کی مینڈھا بھنورا اُچھالن چکّہ سمیٹ مالا والی جمنا۔ برن کو اگر مضامینِ اڈیسن کا وظیفہ ہے تو نظیر کو مقالات سعدی کا۔ برن کو رسمی پادریوں سے انحراف ہے تو نظیر معمولی عالموں اور عالموں کو بھٹکا اور بھٹکا ہوا جانتا ہے۔

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے * جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی قدر شوخیِ طبیعت میں بھی دونوں کو شرکت ہی۔ سب سے بڑی بات یہ ہی کہ ہمدردی دونوں کی گھری
ہی۔ گھری ہمدردی کا اثر ہی کہ نظیر اور برن دونوں کا کلام ہر گھر میں پڑھا جاتا ہی اور ہر شخص کی زبان پر ہی۔
اونچے محلوں میں بھی یہ راگ اُسی طرح بلند ہی جس طرح ذلیل جھونپڑوں میں۔ مسجد اور گرجوں میں بھی یہ آوازہ اسی طرح
گونجتی ہی جس طرح مندر اور میکدوں میں بڑے بازاروں میں بھی اس سودے کا اُسی طرح رواج ہی جس طرح
چھوٹی دُکانوں میں۔ شاعری پہلے بہت بلندی پر تھی۔ جو لوگ سوسائٹی کی پستی میں تھے اُن کا ہاتھ اس تک
پہنچ نہیں سکتا تھا وہ دُور ہی سے درشن کر کے چلے جاتے تھے۔ برن اور نظیر دونوں کی کوشش سے وہ اپنا سنگھاسن
چھوڑ کر جھروکے سے نیچے آئی اور اکبر اور شاہ جہاں نہیں بلکہ ہماری ملکۂ معظمہ کوئین وکٹوریا کی طرح اخلاق کے
ساتھ ہر سوبجر اور سپاہی اور ہر سپاہی اور خلاصی سے باتیں کرنے لگی۔ ہر ایک شخص کا حال پوچھا اور ہر ایک کے
ساتھ اُس کے مناسبِ حالت سلوک کیا۔ جو روتے تھے اُن کے آنسو پونچھ دیے۔ جو اداس تھے اُن کی
باچھیں کھلا دیں۔ جو مسکراتے تھے اُن سے قہقہے سنوا دیے۔ غرض ایک آن کی آن میں سارے مجمع میں ہنسی
خوشی پھیل گئی۔ اب وہ جھروکہ درشن پر بھی جا کر کیوں نہ بیٹھے۔ یہ خوشی جوں کی توں پھیلی رہے گی جس طرح
برن کی نسبت کہا گیا ہی۔ عام انسانی قلب کی گہرائی میں اُس کی قوّت رہ کر زور دکھاتی ہی اُسی قوت اور اتنی ہی
سچائی کے ساتھ نظیر کے حق میں بھی کہا جا سکتا ہی برن کی ہمدردی پہلے گھر اور کنبے میں ظاہر ہوئی پھر رفتہ
رفتہ عالم گیر ہو گئی۔ اسی طرح نظیر کی ہمدردی بال بچوں سے شروع ہوئی اور پھر تمام بنی نوع پر پھیل گئی۔ دونوں
اپنے گھر کے روح پرور حلقے میں ہمدردی کی ایک جان بخش اور دل نواز گرمی پھیلاتے ہیں اور جب نظر اٹھا کر
فلک کو دیکھتے ہیں تو پرتوِ آفتاب کا کام کرتے ہیں۔ دونوں کے اشعار دل سے نکلتے ہیں اور پھر سیدھے
دل ہی میں جا کر ٹھہرتے ہیں۔ دونوں ہر ماں باپ کے دل کو چھوتے ہیں۔ نہیں بلکہ دونوں کے ہاں کچھ نہ کچھ ہر شخص کے

...main. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیے ہی۔ کیڑوں کے لیے بھی دونوں کے دل ویسے ہی دُکھتے ہیں جس طرح آدمیوں کے لیے۔ بقولِ حالی:۔

تُو نے دل ایسا دُکھایا ہی کہ دُکھ جاتا ہی
چیونٹی کا بھی اگر دل ہی دُکھایا جاتا

بُرے سے بُرے آدمی حتےٰ کہ شیطان اور شیطان کی خالہ کے لیے بھی دونوں کے دل میں رحم ہی اسی عام ہمدردی کا نتیجہ ہی کہ دونوں کا کلامِ منفعت نظام ایک ذخیرۂ عام ہی جس میں ہر شخص اپنی حاجت کی چیز پا سکتا ہی مرحلۂ زندگی کا ہر مسافر اثنائے سفر میں اس سے استقلال اور ہمت حاصل کر سکتا ہی۔ چور تھکا ماندہ زخمی ہر ایک کوئی نہ کوئی تریاق اس سے لے سکتا ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(نظیر اُردو کے شیراز کا سعدی ہی)

نظیر شیکسپیر تھا بالقوہ۔ برن تھا بالفعل من غیر ارادہ۔ سعدی تھا بالقوہ۔ بالفعل۔ بالارادہ جیسا کہ مختلف مواقع پہ بیان ہو چکا ہی پیشہ اُس کا معلمی تھا اور سلسلہ تعلیم و تعلم دونوں میں حضرت سعدی سے ملاقات ایک ضروری۔ مناسبتِ فطری سعدی سے نظیر کو ایک عشق کا مرتبہ بخشتی ہی۔ مکتب میں جب وہ گلستاں بوستاں کا درس دیتا ہی تو وہ اپنے آپے میں نہیں رہتا۔ اُس پر قریب قریب وہ کیفیت طاری ہوتی ہی جو صوفیوں کو عالمِ وجد و حال میں۔ اُس پر سعدی کے کلام کا سماں چھا جاتا ہی۔ وہ اُس کی شرح نہیں کرتا۔ بلکہ خود شرح ہو جاتا ہی۔ وہ زبان سے حلِ مطلب نہیں کرتا بلکہ سر سے پا تک مطلب ہو جاتا ہی۔ اُس کے چہرے پر پسندیدگی کی چمک ہی اُس کی بھنوؤں پر عظمت کی کشش۔ اُس کے ہاتھوں کو نکتہ فہمانہ حرکت۔ اُس کے جسم کو متواجدانہ جنبش اُس کی نگاہوں میں کیفیتِ استغراق۔ وہ ایک خاص خانقاہ میں پہنچا ہوا ہی اور ایک خاص شیخ سے فیض لے رہا ہی اُس کی کیفیت پھیل رہی ہی اور مستفیضوں کو اپنے رنگ میں رنگ رہی ہی۔

غور کر کے دیکھیے تو نظیر اور سعدی میں علاوہ مناسبتِ فطری کے اور بھی بہت سی باتیں مشترک تھیں گو نظیر نے سعدی کی طرح مختلف دیار کی سیر نہیں کی مگر بالکل گھر میں بھی بیٹھا نہیں رہا۔ دہلی سے آگرے آنا تو ایک امرِ اضطراری تھا مگر وہ متھرا گیا۔ بھرت پور گیا۔ اکثر فرخ آباد جاتا تھا بعض الفاظ سے اُس کے حیدرآباد کی بو بھی پائی جاتی ہی۔ اُس نے سعدی ہی کی طرح عمر بھی بہت پائی ہی۔ گو سعدی کی طرح سو سے تو متجاوز نہیں ہوا مگر عشرہ قتالہ سے قریب قریب ربع صدی آگے نکل گیا تھا۔ سعدی جس طرح شیراز میں اپنی ظرافتوں سے نقلِ محفل ہی

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آگرے میں ہی جس طرح اُن کی خوش طبعی نے سیکڑوں لطائف ایران میں پھیلائے ہیں اُس کی زندہ دلی نے ہندوستان میں۔ ایک بڑی سلطنتِ اسلامی کا چراغ اُن کے وقت میں بھی گُل ہوا اس کے وقت میں بھی بڑے بڑے انقلاباتِ تمدنی سے جس طرح اُن کو عبرت کا موقع ہاتھ آیا تھا اُسی طرح اس کو بھی۔ اُنھوں نے سلاطینِ عبّاسیہ کی تباہی کا مرثیہ لکھا ہی تو اس نے بھی شہر آشوب کے پردے میں سلاطینِ مغولیہ کی بربادی پر اشک حسرت بہائے ہیں۔ وہ جس طرح کمالِ فارسی کے ساتھ اعلیٰ درجے کے ادیبِ عربی مانے جاتے ہیں یہ کمالِ اُردو کے ساتھ اعلیٰ درجے کا ماہرِ ہندی خیال کیا جاتا ہی۔ نصیحت و ظرافت جس طرح اُن کے کلام میں شیر و شکر اُسی طرح اِس کے کلام میں۔

وہ قطعہ جو مشہور ہی۔

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

اِس میں سعدی کو صرف غزل کا اُستاد مانا گیا ہی۔ اِس اعتبار سے ہند میں دو شخص سعدی قرار دیے جاتے ہیں۔ متقدّمین میں امیر حسن سجزی معاصرِ حضرت امیر خسرو دہلوی اور متاخّرین میں میر تقی۔

نظیر کو سعدی کہلانے کا صرف اسی قدر استحقاق ہی کہ اُس کے اکثر اشعار پر میر کے اشعار کا دھوکا ہوتا ہی چوں کہ وہ میر کا معاصر بھی تھا اور آگرے کے تعلق سے ہم وطن بھی لہٰذا اِس قسم کا تشابہ کوئی امرِ مستبعد بھی نہیں ہے مبصّر جانتے ہیں کہ نظیر کی سُلجھی ہوئی باضابطہ غزلوں کی تشبیہ سوا میر کے اور کسی کے کلام سے ہو نہیں سکتی سچے عاشقانہ خیالات ایک خاص درد کے ساتھ سیدھے سادے بولوں میں ادا کر دیتا ہی جس سے سامع بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ یہی حال سعدی کا ہی اور یہی حال میر کا۔ تصوّف کی چاشنی بھی ایک خاص کیفیت کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

استادوں کے کلام میں شریک ہی۔

لیکن حقیقت میں نظیر ہندوستان کا سعدی نہ اِس لحاظ سے ہی کہ وہ غزلوں میں شیخ کا مقلّد ہی بلکہ اِس لحاظ سے کہ وہ اُس کے نصائح کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہی اور کچھ اُسی طرح کے سرچشمے سے سیراب بھی کرتا ہی۔ اردو کے شعرا میں سعدیِ دکنی سے لے کر حالیِ پانی پتی تک کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کا کلام نظیر کی طرح نصائح کا مقبول اور پُر تاثیر اور بیش بہا ذخیرہ ہو۔ متقدّمین میں خاص نصیحت کو تو اولاً کسی نے لیا ہی نہیں اور جس نے لیا بھی تو اِس بے دلی سے کہ اُس کی نصیحت کا رنگ نہ جما۔ غزلوں کو دیکھیے تو اُس میں عشق۔ مثنویوں کو دیکھیے تو اُس میں عشق۔ قصائد میں کچھ تفنّن ہی۔ تشبیب سے کچھ اشعار پند و نصیحت شاید نکل سکیں۔ مگر وہ شخص پند و نصیحت کیا کرے گا جس کو آگے چل کر شدّت سے خوش آمد کرنی ہی۔ وہ زیادہ تر بہار پر لٹو ہی تاکہ ہتھیلی پر سرسوں جما کر خوشامد کے سبز باغ دکھانے کا پُر بہار موقع ملے۔ مسدس کے جہاتِ ستّہ بھی اسی آفتِ عشق سے گھرے ہوئے ہیں۔ لکھنؤ کے مرثیہ گویوں نے البتّہ کچھ اِس روش میں عقیدت کے ہاتھوں سے نصیحت و پند کے پھول لگائے ہیں مگر غم و ہم کی سموم وہاں اس شدّت سے چلی ہی کہ پھولوں سے آئی ہوئی شگفتگی رخصت ہو گئی ہی اکثر کیاریوں پر طوفانِ گریہ نے پانی پھیر دیا ہی۔ جہاں گرم ہوا کا جھونکا زم ہی وہاں لفاظی کے خس و خاشاک اِس قدر پھیلے ہیں کہ پھول نظر نہیں آتے۔ گل چیں کانٹوں کے ڈر سے دامن سمیٹے الگ بیٹھے ہیں۔

اُردو کے شعرا میں نظیر ہی ایک شاعر ہی جس نے خاص نصیحت پر اپنی نظر جمائی ہی۔ اُس کے نصائح بلند پروازی کے پر لگا کر نہیں اُڑتے بلکہ تجربے کی گہرائی سے اُبلتے ہیں اور خوش نما طرز پر اُبلتے ہیں۔ اُس کے لفظوں میں قطراتِ باراں کی لطافت چمک صفائی اور شیرینی ہی۔ اُس کے فقروں میں آبشار کی سی روانی اور شور ہی۔ اُس کی نظموں میں جھرنے کا سا قدرتی جوش ہی۔ مثنوی تو اُس نے بہت کم لکھی ہی۔ میری نظر سے اُردو میں صرف ایک گزری قصیدہ بھی

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علیٰ ہذا - مگر مسدس اور مخمس اس کے اکثر عقیدت حکمت اور نصیحت کے رنگ ڈھنگ سے جواہرات کی بیچ لڑیاں ہیں۔ افسوس ہر کہ اس کا کُل کلام میسّر نہیں ہر ورنہ سعدی کی ہر نصیحت کے مقابلے میں اس کی ایک نصیحت پیش کی جاسکتی - ناصحانہ مجموعوں کے جمع کرنے والے مجبوری اس کے باغِ طبع سے گُل چینی کرتے ہیں - اولاً تو ایسے مجموعے کم ہیں مگر جو چند ہیں اُن میں کوئی مجموعہ میری نظر سے ایسا نہیں گزرا جس میں کثرت سے نظیر کے اشعار نہ لیے گئے ہوں - غرض یہی نصیحت ہر جو نظیر کو اُردو کا سعدی بناتی ہر - جب تک نصیحت کا شیراز آباد ہر اس کو اس خطاب سے کوئی اتابکِ سخن محروم نہیں کرسکتا -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُردو کے شعرا میں شیکسپیر ہونے کی صلاحیت کس میں ہی

شمس العلما مولوی امداد امام صاحب ایک دن مجمع احباب میں اپنے زمانۂ گزشتہ کا ذکر کر رہے تھے۔ جب وہ ممالکِ مغربی و شمالی میں کسی مقام پر پیشۂ وکالت کرتے تھے کسی انگریز سے اُن سے بہت ربط بڑھ گیا تھا۔ اُس کو چوں کہ اُردو فارسی کا بہت شوق تھا اور یہ ایک مستعد آدمی تھے اکثر ان سے علمی مذاکرہ کیا کرتا اور فائدہ اُٹھاتا۔ ایک دن اُن سے اُس نے یہ سوال کیا کہ کیوں مولوی۔ تمھارے اُردو کے شاعروں میں شیکسپیر کا ہم پلہ بھی کوئی ہی۔ یہ سوال ایسا تھا کہ جس کا جواب بہت آسان نہ تھا۔ غور میں آئے اور تھوڑی دیر کے بعد یہ جواب دیا کہ ہماری زبان میں ڈرامہ کا رواج نہ تھا۔ اِس سبب سے واقع میں تو کوئی بھی شیکسپیر کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن باعتبارِ قوّۃ ہم سودا میں شیکسپیر کا سا مادہ پاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہی کہ بعض نظموں میں اُس کی اعلیٰ درجہ کی زبان دانی کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ فیضو+ چیک باز کی ہجو جو لکھی ہی اُس میں میر شکاروں کی اصطلاحیں اور قوش خانے کی تفصیلات اِس کثرت سے ہیں کہ اُس کی وسیع النظری اور کامل

+ سودا کا قوش خانہ دیکھا گیا۔ باز۔ شاہیں۔ جُرّہ۔ باشہ۔ باشین (مادہ باشہ) شکرہ۔ تُرمتی۔ کُہی۔ بسیرا۔ چیک۔ دھوبی۔ کوئی گیارہ جانور ہیں اور اِن کی زد پر یہ طیُور نظر آئے:۔ پدڑی۔ چڑیاں (مادہ لال) سارو۔ ڈھڈھو۔ تیتر۔ پنگ (ایک چڑیا کا نام) لٹک۔ غوغائی۔ ڈہیڑ۔ بٹیر۔ سبزک۔ بگلا۔ کبوتر۔ ٹیٹری۔ بُزے۔ قُمری۔ تیتر۔ لوے۔ ابلقے۔ قاز۔ قرقرے۔ کلنگ۔ سارس۔ حواصل۔ بیمرغ۔ کوّے۔ مینا۔ طوطے۔ چوہے مار۔ گد۔ پودنی۔ شکاری غیر شکاری دونوں ملا کر کوئی بیالیس ہیں۔ نظیر کے ہاں اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ سودا کے ہاں تُرمتی۔ کُہی۔ بسیرا۔ چیک۔ دھوبی۔ پنگ۔ چڑیاں۔ چوہے مار۔ یہ سات وہ ہیں جو نظیر کے ہاں نہیں ورنہ سب ہیں۔

Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

معلوماتِ لسانی پر دلیل کافی ہوسکتی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ سودا کی معلوماتِ لسانی واقع میں بہت وسیع ہے۔

وہ ہر طبقے اور گروہ کی اصطلاحوں سے اس طرح واقف ہے جیسے وہ مدتوں اُنھی میں رہا اور اُنھی میں پلا پرورش پایا ہو۔ وہ جب کسی پتنگ† باز لونڈے کی ہجو کرتا ہے تو خود ایک چھنٹا ہوا پتنگ باز ہے۔ کبھی کسی کی پینڈی میں پھندنا لٹکاتا ہے کبھی کسی کو کسی کے پیچھے پیچھا لا بناتا ہے۔ کہیں کسی کو سو سو بار گھر نہیں کھلاتا ہے۔ کہیں نئی ترکیب سے ارگجی مل کر زرد دوباز بناتا ہے۔

مونڈھوں پہ ارگجا ملے ہے یہ جب	زرد اُس کو دوبازہ کہتے ہیں سب

کبھی کسی کے ہاتھ میں شیشہ دے کر مانجھا چڑھاتا ہے۔

رگڑا شیشے کا دو جو اُس کے ہات	پھیر مانجھا چڑھاؤ ساری رات

کبھی کسی کے کنّے ڈھیلے کرتا ہے۔

پاس کے آدمی کا یہ جی سے	خوب کنّے نہ ہوئیں تا ڈھیلے

اصطلاحوں کی کثرت سے نظم میں وہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک وسیع میدان ہے اس میں پتنگ بازی کا میلا ہے۔ آسمان کنکوؤں سے چھایا ہوا ہے۔ کوئی یہ کٹا وہ کٹا کر رہا ہے۔ کوئی ڈھیل دے رہا

+ ٹھڈا۔ پٹیا۔ ڈھیل۔ لوہائی۔ ہوا نہ پانا۔ لوٹ لینا۔ یہ کٹا وہ کٹا۔ کنیانا۔ پیچ میں لانا۔ کاٹ دینا۔ بیچ میں آنا۔ ٹوپی لنگوٹیا۔ بوند ہونا۔ سپولیا۔ پیچ دُہرم کرنا۔ بدھی دار۔ چوٹی دار۔ کنّے ڈھیلے ہونا۔ ڈھلنا۔ کھڑا تنا ہونا۔ لولنگر۔ پھٹی پینڈی کو جوڑنا۔ موڑنا۔ اُتارنا۔ چڑھانا۔ بگلا۔ چکر۔ جھپ کھانا۔ مانجھا چڑھانا۔ کنکوا۔ شہ دینا۔ گرہ پڑ جانا۔ لڑنا۔ دودھارا۔ کھپنا۔ بڑھانا۔ تکل۔ کلسرا۔ پتنگ۔

پنبھار۔ دُم چھالہ۔ کنکوے یا پتنگ کی دُم ...

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہیں پیچ دُہرم ہو گیا ہی۔ کوئی غوطہ دے رہا ہی کسی کا کنکوہ چنچل ہو رہا ہی اور سر دُھن رہا ہی۔ کوئی اُتار رہا ہی کوئی بڑھاتا ہی۔ کسی نے ڈھیل دے کر کاٹ دیا ہی۔ کھینچے آ رہا ہی۔ کنکوہ بُوند ہو رہا ہی۔

جب کسی بقّال اصل شاعر کی خدمت میں مصروف ہوتا ہی تو پورا بنیا نظر آتا ہی۔ وہی پرکھا۔ وہی رام وہی گھنا۔ وہی پیچ گیر۔ وہی نکد۔ وہی مُبھت۔

ہنس کے لگا پوچھنے "کی ہی جی یہ جانور
سُن کے کہا بنیے نے "مرگ ہی یہ اپنی بھاؤن
پھر وہ لگا پوچھنے "کہ یہ تو جینوے ہی کیا"
"سانچ بتاؤ مجھے باج کا کی بھاؤ ہی
سنتے ہی پر بھاؤنی اس میں ہی کیا تیری مت
پیسے مرے کرج ہیں ایک سپاہی کے پاس
باج بڑا ہی سا ایک دیکھا میں اُس کے کنے
ٹھینی۔ بولی ٹھینی یہ سُن "اُدِت مجھے کھیر ہی
ٹھنیا۔ سُن کے کہا بنیے نے "کی کہی یہ تیں نے بات

پرکھا ہم سے کہو لے چلے اس کو کدھر"
سانچ کہو پرکھا باج اسی کا ہی ناؤں"
\+ \+ \+
ایک کھریدار کو اس کا گھنا چاؤ ہی"
\+ \+ \+
اس سے نکد ملنے کی مجھکو نہیں ہی اب آس
اس کو کھریدوں میں اب کال کو جو وہ بنے"
اس کی رسوئی ہی ماس، اس سے ہمیں بیر ہی"
تاہ ری پر بھاوتی، رام کی سوں دود بھات"

کنکوا۔ تُکّل۔ چنگ۔ پتنگ۔ لنگوٹیا۔ سپولیا۔ بگلا۔ بدھی دار۔ چوٹی دار۔ کلسرا۔ دوباز۔ توپی والی۔ دودھارا۔ بھمنا۔
سات قانوں میں گور کھوا سے مُوند ÷ یہ بھمنا ہو اُس جگہہ سے بھی بُوند۔
بوگھڑا۔ شوق ہی گھر گھر کے جانے کا ÷ جامہ پہنے ہی چار خانے کا۔
بوہائی۔ ٹھڈّا۔ پیٹیا۔ لونگر۔ ڈھیل۔ یہ کٹا وہ کٹا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔
لہ اُدت۔ (۱) بن بیاہا۔ کُنوارا۔ وہ مرد جو بیاہ ہونے سے پہلے مر گیا ہو۔ (۲) بے وقوف۔ احمق (۳) نامراد۔ لاولد۔ بے اولادا۔

Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ٹھنٹی بولی "جو یہ سانچ ہی، لالے کے لیے تو سویہ
بنیا۔ آ کے سیٹھ ہی کے گھر بولا کہ "مرجا جی آؤ
بنیا۔ بنیے نے سن کر کہا" کرج میں کچھ ہیر ہی
سیانے تھے مرجا جی تم ہم سے کرج لینے میں
ہو جو چکو تا مرا باج کے سکنے ہی پہ
بنیا۔ بول ام اٹھا بنیا یہ سن" پرکھا کی کھیر ہی
بنیا۔ "دیکھ تو یہ بھاوتی، پرکھا، کی باج ہی
ٹھنٹی۔ دیکھ کے اُن نے کہا" اوت تجھے ہی ملوم
ناؤں نہیں لیویں ہیں یہ تھی میں اس کا سویہ
بنیا۔ کہنے لگا" ہائے وہ کیا یہ دگا دے گیا
بنیا۔ "سانچ تھا میری بات، لینے پہ کچھ تو بھی ہی

تھوڑے گئے کو نہ سوچ، جوں بکے توں بیچ گیر"
کر کے حساب آج تم کہنے کو میرے چکاؤ"
پھیر جو بتلاؤ ہو، آج تمھیں کھیر ہی
تھے ہوئے جاتے ہو کاہے کو اب دینے میں
باج کو ہی دو مجھے سانچ کا کچھ بھاؤ کر"
کرج کسو کا نہ دے کوئی عجب شیر ہی"
رام جی کے ہیچل سے آج ہمیں راج ہی
یہ تو جنا ور ہی وہ، ترک کہیں جس کو بوم
کھویا کرج ساتھ تیں نکد روپیوں کا ڈھیر"
سونگہ اور دو کی جنس گھر سے مُپھت لے گیا"
سب ہی دیا رام کی، یہ بھی ہی آلو بھی ہی"

جب کسی ضائع روزگار لکڑی باز لونڈے کے ساتھ ہاتھ ملاتا ہی تو پورا پہلوان ہی۔ مرزا مُفت بر جی بن کر آتا ہی اور یوں اکھاڑے میں ڈنڈ پیلتا ہی:-

دیکھ کر دست بوس ہی میں سُبھاؤ
رکھ کے گردن پہ ہاتھ، مارے اڑے
کر کے یک دستی اور تیچھے جاے
کسے ہفتہ پا چڑھا دیے گھٹے

اکڑ گئے مرزا پور پور یہ داؤ
کیا کہوں کس طرح سے کشتی لڑے
گرہ دکھنے سے اس کو پیچھے بلائے
اور کیا کیا گیا، کہوں کس سے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کس چکا کاچھ کے تئیں جس دم	پھر ہوا سامنے بجا کر خم[۵۱]
مرزا نے وہیں بنا قدم گاڑا	لونڈے کو ڈھاک پر چڑھا مارا
نیچے سے لینے کا مرزا نے کر ٹھاٹ	کیا لونڈے پہ دوں ہی دھوبی پاٹ[۵۲]
چاہے تھا رانوں میں اسے جکڑا	لونڈے نے دوڑ نا لکھم پکڑا
کر کلا زنگ سے بغل کے بیچ	کیا کیا اس کو دکھائے اونچ اور نیچ
دے لنگوٹے میں ہاتھ چیرنا پھاڑ	کیا کہوں کیسی کی اکھاڑ پچھاڑ
دھس کے ٹھٹھوں میں پھر اٹھا لے چٹ	کہا "گہ اب کے چت کروں یا پٹ"
کشتی کا لونڈے کو پڑا جو مزا	کہا "ہو جس طرح سے تیری رضا"
غرض اس رم میں اس کو پیچ کیا	ٹنگڑیاں کھینچ زور بھیچ لیا
دے کے آسن بہت دو دم میں کلا	ٹانگیں جب دیکھیں مور چال چلا
الغرض اس طرح سے کشتی لڑ	ڈال ٹپکا گلے میں ہا پاؤں پٹر
بولے مرزا، "برا نہ مانو گے	اپنا اوستاد مجھ کو جانو گے"

جب لغر ابن حسین کی ماں کی زبان سے بین کرتا ہی ایک دکھیاری عورت نظر آتا ہی۔

ٹک تو پیارے لب کو کھول	نعوں غاں کر ما در سے بول
ہی ہی میرے لال انمول	جی ماں کا ہی ڈانواں ڈول

۵۱ خم ٹھوکنا: پٹھے ٹھوکنا، ڈنڈ بجانا۔

۵۲ دھوبی پاٹ کشتی کا ایک پیچ جس میں حریف کو کمر پکڑ کر دے مارتے ہیں۔

Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اِس دل کو چین

روتا ہیں کِس کو بہلاؤں
چھاتی آگے کِس کو سُلاؤں

دودھا پھینک کر کِس کو پلاؤں
جھولے میں اب کِس کو جھلاؤں

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اِس دل کو چین

بچے کو چڑیا جو گنوائے
دانا پانی اُس کو نہ بھائے

جنگل جنگل ڈھونڈنے جائے
رین بسیرے[1]، نیند نہ آئے

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اِس دل کو چین

گائے بھی تب اڑاتی ہے
آٹھ پہر دُکھ پاتی ہے

بچھڑے جو چھوٹ جاتی ہے
میری تو کیا چھاتی ہے

تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اِس دل کو چین

جاگ پیارے، ہوئی اویر
مجھ ماں سے مت آنکھیں پھیر

سومت، لالا، اتنی دیر
زیست سے مجھ کو مت کر سیر

[1] رین بسیرا رات کاٹنا۔ شب باشی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محمد بن میرے نور العین
کیوں کر ہو اِس دل کو چین

لیکن اِس امر میں کچھ سودا ہی مختص نہیں ہی۔ میر صاحب کی زباں دانی اعلیٰ درجے کی تھی۔ اِس میں کسی طرح کا شک نہیں۔ لیکن اُن کا کلام جس قدر موجود ہی اُس سے اُس قدر گہری واقفیت کا اُن کے ثبوت نہیں ملتا۔ عام زباں دانی اُن کی بہت خاصی ہی۔ لیکن وہ زباں دانی کہ جس گروہ کے خیالات ظاہر کیے جائیں معلوم ہو کہ خود اُسی گروہ کا آدمی بول رہا ہی اُن کے موجودہ کُلیات سے مستنبط نہیں ہوتی۔ اُن کی زبان ایک ثقہ شاعر کی زبان ہی۔ شُستہ ترکیبیں اُن کے مزاج کا خمیر ہو گئی ہیں۔ وہ شاعری کے بلند زینے سے بہ مُشکل نیچے اُترتے ہیں۔ چوں کہ بے دماغی بڑھی ہوئی تھی۔ مزاج میں ایک خاص خلوت پسندی تھی۔ سوسائٹی میں کثرت سے اُن کو ملنے جُلنے کا کم اتفاق ہوتا تھا۔ ہر طرح کی صُحبت میں شریک ہونا اُن کے نفس پر کسی قدر شاق ہوتا تھا۔ ثقاہت اتنی تو اجازت دیتی ہی نہ تھی کہ رقص و سرود کی محفل میں گھڑی دو گھڑی کو شریک ہو کر غم غلط کر لیں۔ با ایں ہمہ اِس سے انکار کرنا کہ وہ ہر طبقے کی زبان سے واقف تھے اور اگر چاہتے تو ہر طبقے کی زبان خاصی طرح نہایت فصاحت اور برجستگی کے ساتھ لکھ سکتے تھے اُن کی زباں دانی پر بہت بڑا نقص عائد کرتا ہی۔ اُن کی شُستہ اور متین ہی عبارت میں کہیں کہیں ہم اُن کی مفصّل معلوماتِ زبان کی جھلک دیکھتے ہیں۔ مثنوی تو مثنوی غزل کی تنگ وُسعت میں بھی اُن کی تفصیلی زباں دانی اکثر اپنا جلوہ دکھاتی ہی۔ آصف الدّولہ کے شکار نامے میں شکاری معلومات کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر آتی ہی۔ مُرغ بازوں کی مثنوی میں زبان دانی کی پالی میں تحقیق کے مرغ اچھے لڑے ہیں۔

پرہ دُپرزہ درست و یکساں ہی
مرغ تصویر کا بھی حیراں ہی

Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لات کی گھات کر جو مُڑ جاوے | نسرِ طائر کا رنگ اُڑ جاوے
ٹینی کے سر پہ آج ٹیکا[۱] ہے | اس کے آگے کینل پھیکا ہے
مُرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں | سیکڑوں ان سفیہوں کی باتیں
ان نے پر جھاڑے یہ پھڑکنے لگے | ان نے کی نوک یہ کڑکنے لگے
وہ جو سیدھا ہوا تو یہ ہیں کج | ساتھ اُس کے بدلتے ہیں سج دھج
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ | ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
جھکتے ہیں آپ کو چُراتے ہیں | لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہیں

ہولی کی مثنوی بھی اس رنگ سے رنگین ہے۔ سانگ بھی خاصے ہیں۔ آتشبازیاں بھی اچھی ہیں۔

گل فشاں ہیں پڑیں جو پھلجھڑیاں | کھلیتاں ہیں دلوں کی گلجھڑیاں
باد سے دو دیے ہوے گر ماند | دنیں مہتابیاں کہ نکلے چاند

میر صاحب کی زباں دانی واقع میں کتنی ہی ہو مگر سودا کے مقابلے میں ہم اُن کو کھڑا نہیں کر سکتے سودا کے مقابلے کے لیے ہماری تحویل میں دو شاعر ہیں۔ ایک تو نظیر۔ دوسرا انشاء اللہ خاں۔ اب میر اور سودا اور نظیر اور انشاء اللہ خاں میں جو فرق ہے اس کو ملاحظہ کیجیے۔ سودا کے مزاج میں بالخلقہ معرکہ آرائی ہے۔ وہ مزاج کا لڑاکا واقع ہوا ہے۔ اس کو جب غصہ آتا ہے کسی طرح اپنے مزاج پر قابو نہیں رہتا ہے۔ جو کچھ اُس کے منھ میں آتا ہے بک دیتا ہے۔ وہ تعلّی کے مضامین کو اپنے کلام میں خوب چمکاتا ہے۔ وہ رسمی مشائخ اور خشک زہّاد پر اچھی پھبتی جماتا ہے۔ ہجو کی کڑی کمان کو شعرائے اردو میں

[۱] ٹیکا خصوصیت کا نشان جیسے اُڑد کے میرے ماتھے ٹیکا + مجھ بن بیاہ نہ ہونیکا۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلے پہل اسی نے زہ کیا۔ جس قسم کی کمان اُس نے اپنے لیے تجویز کی تھی۔ اُس کے زہ کرنے
درکار تھی۔ لوگوں کو ہنساتا ہی مگر آپ نہیں ہنستا۔ جس قدر زیادہ ہنسانا چاہتا ہی اُسی قدر زیادہ
تیوری چڑھا لیتا ہی۔ جس کے ذریعے سے وہ اپنے مخاطب پر خوش دلی کا اثر پیدا کرتا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اُس
اس کو ایک خاص کاوش ہو گئی ہی۔ بھانڈوں کی طرح وہ نقلی جوتے گدّے پر نہیں جاتا۔ وہ سچ مچ کا پکا
سولھواں سر پہ لے کر مستعد ہو جاتا ہی۔ وہ بھانڈوں کی طرح اُن کو مہلت نہیں دیتا۔ جب تک چاند گنجی نہ ہو لے
وہ ہاتھ نہیں روکتا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اُس کی طبیعت میں کس قدر زور تھا۔ اس غیر معمولی زور کے
نکلنے کے لیے ڈراما سے بہتر کوئی رستا نہ تھا۔ اُس میں یہ زور مختلف اشخاص پر تقسیم ہو کر ایک اچھا خاصا اثر پیدا
کرتا۔ اس کی زباں دانی مختلف فرضی اشخاص کے مُنھ میں فصاحت کے لب و لہجے سے مناسب تقریر
کرتی اور عمدہ طور سے پھولتی پھلتی۔ اِس کی کاوش پسند خوش مزاجی اور کینہ کش زندہ دلی خیالی مسخروں پر
دل کش اور مفید طور پر اپنا مسرت بار بخار نکال سکتی۔ غرض میری رائے میں وہ ایک عُمدہ کمک رائٹر (ظریف
انشا پرداز) ہو سکتا تھا جس کے قلم سے شاید اعلیٰ درجے کے ناٹک نکل سکتے تھے۔ رُلانے کی قابلیت اُس میں
میر سے زیادہ نہ تھی۔ میر کی طرح وہ دل برشتہ کہاں سے لاتا۔ یہ برشتگی میر صاحب کو فطرت سے ملی تھی۔
ایک آنچ کی کسر تھی وہ مصائب نے مٹا دی۔ زمانے کے مصائب نے اُن کے دل کو ایسا گداز کر دیا تھا کہ اُن کے
ہر شعر سے دل پر ایک چوٹ بیٹھتی ہی اور ہر نظم سے ایک خاص اُداس اثر قلب پر پیدا ہوتا ہی۔ اسی سے لوگ
کہتے ہیں کہ اُن کے کلام میں بہتر دو بہتر نشتر ہیں۔ دُنیا کی معلومات اِس شخص کی بھی کم نہ تھی۔ اگر اِس شخص کی
طبیعت ٹریجیڈی کے آتش فشاں سے اُبلتی تو آنکھوں سے اشک کے چشمے ایک خاص خوش نمائی سے
جاری ہوتے۔ ان کی آہِ سرد نسیم سحر کا کام نہیں دے سکتی تھی اور کسی طرح اِن کی ہوائے طبیعت کے جھونکے

Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے کیڈی کے گلزار میں پھول کھل نہیں سکتے۔ خلاصہ یہ کہ سودا ٹریجیڈی کے لیے ناموزوں تھے اور میر کیڈی کے لیے پورے شیکسپیر نہ یہ ہو سکتے تھے نہ وہ۔ ہاں کسی طرح دونوں وجوں کو قدرت ایک قالب میں پیدا کرتی تو شاید ہم شیکسپیر کا جواب ایک شخص کے ذریعے سے دے سکتے۔

اب انشا اور نظیر میں فرق سنیے۔ انشا کے مزاج میں ظرافت غایت درجے کی ہے وہ اخذِ زبان کا ایک خاص ملکہ رکھتا ہے۔ ابھی وہ پنجابی بولتا ہے۔ ابھی پشتو میں "ڈوڈے اوخرڑا" کر رہا ہے۔ پل میں وہ ایران پہنچا ہے اور شاہِ ایران کی زبان بن کر یوں سناتا ہے "بوکہ من ہم زعنایاتِ تو حظے ببرم" دم میں ترکستان پہنچا ہے اور والیِ ترکستان کی زبان سے یوں ہانک لگاتا ہے "شاہ سن ایلہ گدا دستنہ ای شاہ کرم" پھر عرب کا شاعر بنتا ہے اور یوں ارشاد کرتا ہے ؎ مثلہ لیس شجاعٌ وامیرٌ فی الدھر ❊ خصہ اللہ مغیثاً بجمیع العالم ❊ پھر اطرافِ خراسان سے یہ زمزمہ سناتا ہے:-

موکہ در عشق تو دوبا در مجہم — بزمیں دربلیم بعوا درمجہم
دلبر مو بنشا پور وحوالی بشد — تو ببیں موز کجا تا کجا اور بجہم
حلتہ عہد مرا یوسف او شاہ بداغ — مونمک خوردہ رلار مطبخہ منظر بدرم

کبھی رجپوت کا روپ بھرتا ہے اور دشمن کے چھریاں مارتا ہے:-

کائیں باندھا چھری بیری جو ہو جائے بھسم

کبھی زمان شاہ کی زبان سے کابل سے یہ لہجہ سناتا ہے:-

ترزماراں زمادوار تباصدتے کرشم

کبھی گنگ انگریز بن کر یوں گٹ پٹ کرتا ہے:-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

او مئی لارڈ یو نو آلمٹی یو ر سلیو

پیشوا بن کے کبھی یوں امام فصاحت بنتا ہی:-

دادا ری اکڑی آلہ نچہ سلہدار ری بوا

حاکم کشمیر بن کر کبھی یوں بندگی بجالاتا ہی:

یہ بندہ بھی فدوی تجھ کو ہے بے دام و درم

زری ل محلہ موں سکونت در زیدہ — یا نہں مجھکو دیا چاہے کاوساک کرم

برج کی گوپیوں کی زباں سے کبھی یوں بنتی کرتا ہی:-

ڈھونڈے درم کے پنگھٹ ہوں تبی آی جو — بھوم ے سیام بن کیس چھپے چھلکے تم

کبھی بھمی کی زبان سے یوں مژدۂ دولت سناتا ہی:-

تورے چرنوں لگی ہوں چھاڑو تے سگرو گم

کبھی کسی مغلے سے تمسخر کر رہا ہی:-

تمھارے ہاتھ سے ساقی جو شیشہ توت گئی — بلا ہوا کہ دگر تم بلا سے چوت گئی

چہ جوت جوت درونے کہ ناک میں دم ہی — مغل جو تم سے ملا قسمت اس کا پوت گئی (چھوٹ)

مثال ماہیِ بے آب میں ترپتی ہوں — نکل کے دلو سے آں سہ بہ برج حوت گئی

چہ چیز جالۂ مکری ہست زال محتالہ — جو لے کے تار سخن را چو عنکبوت گئی

عطا مہ نخرہ چوں فدائے نخرہ داد — اور اس کی زلف کی جوں آنکھ جب سے توت گئی

لہ بنتی عذر خواہی معذرت منت سماجت عرض التجا۔

Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو اُس پیری کو میں دیکھا یہی کہا انشا ۔ کہ فوج غلبہ آئی مغل کو لوٹ گئی

کبھی اہلِ خطہ کی خاک اُڑا رہا ہے:

ایک اہلِ خطہ مجھ سے ہو کر خفا یہ بولا ۔ ہیں نے جو اُس کو کانا پھوسو دیا چمن میں
چاہیئے اوقف پکڑتا تو وہ بے عقل شعر مست ۔ مجھ کو اندر خندہ کے گالی کیا چمن میں

مُغلوں کی نقل ایک اَور:

سُنکر اسیر بادبس آغا نے اک جریب ۔ دی پُشتِ برہمن پہ بہ زورِ تمام چھوڑ
کہنے لگا چرن جی چرن جی تو بولے آپ ۔ کر دی توبہ دعا م چپرا رام رام چھوڑ
این مردانِ ہند مرامی کنند اسیر ۔ ام بابا باگ جاویں گے بس این مقام چھوڑ

لہجہ برہمہ و ہنود:

مہاراج جی تم نے یہ سچ کہا ۔ جنھیں درشن ات ہیں اُنھیں درشن اُت
کہے ہیں اُنھیں دیکھ کر راجہ اندر ۔ یہ لجبیات ہیں تمتیں دامن کی دُت

انگریز کی نقل:

کر چلے کراہ کی کہتا ہی یوں دل چرخ سے ۔ تم سے ول بو گر بڑا صاحب لڑائی مانگتا

اہلِ عرب کی نقل:

عجب طرح کا یہ مضمون ہاتھ آیا تھا ۔ کسی عرب کی جو ضرب سیدہ تھی کفِ دست
تو اہلِ ہند کے سمجھانے کو یہ کہتا تھا ۔ ہنا ملاحظہ شف ان ہذہ الچوٹ است
چوٹ ۱۲

اسی طرح عربی ۔ فارسی ۔ اُردو ۔ کو بھی قیاس کر لیجیے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غرض اس کے منھ میں پندرہ سولہ زبانیں ہیں۔ ہر چند یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر زبان کو مصنفانہ قابلیت کے
ساتھ جانتا تھا لیکن اس میں کسی طرح کا شبہہ نہیں کہ وہ زبان سیکھنے کی ایک خاص صلاحیت ازل سے لے کر آیا
تھا۔ وہ ہر آدمی کا لہجہ اختیار کر لیتا تھا اور نہایت ہی عمدہ طور سے اس کی نمایش کرتا تھا۔ یہ ایک خاص
قدرت ہے جس کو ڈرامہ نویسی سے زیادہ ڈراما کے ایکٹ کرنے میں دخل ہے۔ خوش طبعی اور ظرافت کا مادہ
بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ سعادت علی خاں کے دربار میں جہاں یہ پہنچا معلوم ہوا کہ ایک طائفہ
بھانڈوں کا آگیا۔ کبھی نواب کی ڈھول گھما رہا ہے۔ کبھی کسی کشمیری کو بیٹھا چڑا رہا ہے۔ کبھی بیگم کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر
ناز نخرے کے ساتھ ریختی کے اشعار پڑھ رہا ہے۔ دلوں میں کمر کولے کی لچک اور مٹک چٹک دیکھ کر مردانہ
گدگدی پیدا ہو رہی ہے۔ حاملہ عورت بنا ہے۔ دردِ زہ کی بے اختیارانہ چیخیں دور دور تک پہنچ رہی ہیں۔ لوگ
سمجھتے ہیں واقعی کوئی نیک بخت بچہ جن رہی ہے۔ کبھی وہ بچہ ہے جو ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح رو رہا ہے۔ لوگ
ہیں کہ مارے ہنسی کے بے اختیار ہو رہے ہیں۔ نواب رزیڈنٹ سے ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ نواب کی
کرسی کے پیچھے رزیڈنٹ کو دکھا دکھا کر کھڑا چہرے کی لے رہا ہے۔ وہ جھینپ کر سر نیچا کر لیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ
اندر کے اسٹیج کا خورشید جی تھا۔ جو حرکت تھی مضحک، اور جو بات تھی ہنسانے والی۔ اگر اس کو کسی واقعی
اسٹیج پر باضابطہ تعلیم دی جاتی تو یقیناً اول درجے کا ایکٹر ہوتا۔ زبان کے اخذ کی غیر معمولی قدرت۔ مزاج
کی چلبلی شوخی۔ طبیعت کی طبعی شگفتگی۔ اعلیٰ درجے کا انتقالِ ذہن۔ کافی علمی استعداد۔ یہ باتیں اس کو ایک
عمدہ ڈرامہ نویس بنا سکتی تھیں۔ لیکن متانت کی اس میں بھی ایسی قلت تھی کہ شاید وہ عمدہ ٹریجیڈی نہیں
لکھ سکتا تھا۔ اس کے کلام میں کوئی ایسی مثال مجھ کو نہیں ملی جس سے دل پر کوئی گہرا اثر رقت کا پڑے
وہ انسان کے عادات و خصائل کو کوئی غائر نظر سے دیکھتا نظر نہیں آتا۔ وہ سرسری طور پر ہر مجمع پر نظر ڈال

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتا ہی- خیالات کی انجمنیں، اور اغراضِ متفرق کی کمیٹیاں جو دلوں میں جمی ہوئی ہیں اُن کی کارروائی اور رُوداد کی بہت کم پروا کرتا ہی- اِس لیے وہ اُس عالم کے متعلّق کبھی کوئی سنجیدہ اور فہمیدہ راے نہیں دے سکتا۔ ڈرامہ کے لکھنے میں سب سے بڑی چیز انسان کے اطوار اور اخلاق ہی کا پہچاننا ہی- جس کو مختلف اشخاص کی خصوصیاتِ خیالی کا زیادہ علم ہو وہی عمدہ طور سے اُن اشخاص کی تصویر بھی کھینچ سکتا ہی- آخند زبان میں نظیر کو بھی ہم کسی طرح کم رُتبہ نہیں پاتے- اُس نے ایک نظم لکھی ہی جس میں سات زبانیں ہیں-

(۱) فارسی

پری رخِ من، شکر لبِ من، دمے تو باز آ بہ پیشِ چشم	بیا دِ سروِ تو بے قرارم، نہالِ عشقت شدہ ست [illegible]

(۲) عربی

فداے وجھک عشی شرقک دُموع بنری من فراقک	کثیر حُسنی بمع الھموم ثقیل ہجرک کالجبال

(۳) پنجابی ہ

تُساڈے ملنے نوں دل ہے بے کل اِیہی وہ گلاں نت اکھدا ہے	سدا تُسینوں رے اپنے گھر وچ نہیں تُو اتی اسا دے [illegible]

(۴) ہندی (بھاشا)

تہاری آسا لگی ہی نس دن، تہارے درشن کو ترسین نیناں	دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، سُبھٹے دہن، اوکھے [illegible]

(۵) مارواڑی-

اپن کے من کو جو چھینوں نہیں اے یار کا ئیں لگائی اتنی	پھر اتیھیں آ کر کبھو مُوہانکی پلاک کنارا جو تھا نے گھا [illegible]

ہہ پنجابی زبان کے دو شعر باطن نے دیوان سے بھی نقل کیے ہیں۔ یہ حُسن دی بہاراں جبن دہلی آندیاں ہیں + کر کہ طرح جگر وچ دُھوس مچاندیاں ہیں کوئی نہ دیکھدا ہی، دیکھو ادھر تو پیارے + تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاندیاں ہیں-

ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی میں اپنی کہا نظیر + آپن نے جدگھا لی تھی نہیں بن مُٹھن ادہو کا بن چھے-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

(۶) پوربی

ارے سجیلے ارے چھبیلے، ارے ڈھبیلے، کبھی تو آنا ن — اگن ات ہی ہیا میں مورے رہ میں تیرے اے من موہنواں
تو برہے جو نینوں نے موہا جھکوں، نہ چینوں تنکو بھولا دکھالا

(۷) برج

جگت سبھا امت برہمہ اٹک کھسو امن کرن کھا — دوانی کینی تمن سیر سجن، نہ سدھ کی گر، پرنہ بدھ کی جھالا

ان سات زبانوں کے علاوہ آٹھویں زبان وہ اردو بھی جانتا تھا۔ اس زبان کے نکات جیسے اس کو معلوم تھے شاید کم کسی پر کھلے ہونگے۔ آزادوں کے لہجے میں جس وقت گفت گو کرتا تھا معلوم ہوتا تھا واقعی انھیں کے میل کا آدمی ہی۔ جوگیوں کی اصطلاحوں میں جب اپنے خیالات ظاہر کرتا تھا کوئی سن کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جوگی نہیں ہی۔ ہندوؤں کے مردانہ اور زنانہ خیالات کی تصویریں جو اس نے کھینچی ہیں ان کا کسی مسلمان کے قلم سے نکلنا ایک قسم کا تصرف معلوم ہوتا ہی۔ وہ گنواریوں کے روزمرے اس خوبی سے ادا کرتا ہی معلوم ہوتا ہی کبھی شہر میں اس کا گزر بھی نہ ہوا تھا۔ ریختی کو ان دنوں شروع شروع رواج ہو رہا تھا۔ ہنوز اس کو پوری مقبولیت حاصل نہ ہوئی تھی۔ اساتذۂ شعرا اس کی نسبت رکیک خیال ظاہر کرتے تھے۔

میر صاحب دیوان سوم میں فرماتے ہیں:-

خیروں نے ریختی کو ودن ریختہ بنایا — جوں ان دنوں میں بالے لڑکوں کی بالیاں ہیں

میر درد کے ایک شاگرد میر عنایت یعنی دیوانی نے کوچۂ بالاقی بیگم کی بی نورن سے جو ایک مشہور تقریر کی ہی اس میں انھوں نے بھی ریختی کے باب میں اپنے خیالات خلاف میں ظاہر کیے ہیں۔ اس سب سے زیادہ ایک اور سنیے کہ سعادت یار، طہماسپ کا بیٹا، انوری ریختے کا آپ کو جانتا ہی۔ رنگین تخلص ہی۔ ایک قصہ کہا ہی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُس مثنوی کا "دل پزیر" نام رکھا ہے۔ رنڈیوں کی بولی اُس میں باندھی ہے۔ میر حسن پر زہر کھایا ہے۔ ہرچند اُن کی مرحوم کو بھی کچھ شعور نہ تھا۔ بدرِ منیر کی مثنوی نہیں کہی گویا سانڈے کا تیل بیچتے ہیں۔ بھلا اس کو شعر کیوں کر کہیں سارے لوگ لکھنؤ کے اور دلی کے رنڈی سے مرد تک پڑھتے ہیں۔ بیت

چلی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی	کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

سو اس بچارے رنگین نے بھی اُسی کے طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی پُوچھے کہ بھائی تیرا باپ رسالدار مُسلم لیکن بچارا برچھے بھالے کا رکھنے والا، تیغے کا چلانے والا تھا، تو ایسا قابل کہاں سے ہوا۔ اور کرہائی پن (؟) جو بہت مزاج میں رنڈی بازی سے آگیا ہے تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ریختی ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں پڑھ کر مُشتاق ہوں اور ان کے ساتھ اپنا مُنہ کالا کریں۔ بھلا یہ کلام کیا ہے ع

یہاں سے ہے کپ پیسے ڈولی کہارو

اور نچوڑی انگیا۔ اور نگوڑی انگیا۔ اور مروڑی انگیا۔ اور مردھو کے یوں کہے ع

کہیں ایسا نہ ہو کم بخت میں ماری جاؤں

اور کتاب بنائی ہے اُس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے۔ اُو پر والیاں چیلیں۔ او پر والا چاند۔ اُجلی دھوبن۔ اندرائن دل۔ اور دوگانا[1] سہ گانا بیگانا زناخی[2] الاچی دوست۔ لیکن جس آدمی کو واقعی شاعرانہ مذاق ہو وہ عورتوں کی

ہو کرہائی = مردِ شبیہ بزنان در لباس و کلام و حرکات۔

[1] دُگانا۔ ہم عمر عورتوں کا ایک رشتہ جو دو مغز کا بادام کھا کر جوڑا جاتا ہے۔ گر دُگانا وہ نہیں ہے تری ہر دم تو یہ پھر چھیڑتی ہے تجھے کیوں آن کے سوسن کو کا(؟) (رنگین)

[2] زناخی قلعے کی عورتوں کا دستور تھا کہ وہ آپس میں اس طرح کے رشتے مقرر کر کے ایک دوسرے کو خطاب کیا کرتی تھیں جس طرح سہیلی بھنیلی کہتے ہیں اسی طرح وہ کسی کو دل جان کسی کو جان من کسی کو دشمن کسی کو زناخی کہا کرتی تھیں۔ زناخی کا رشتہ اور رشتوں سے زیادہ مضبوط اور قابلِ قدر گنا جاتا تھا جب انھیں کسی کو زناخی بنانا منظور ہوتا تھا تو وہ باہم مل کر زناخ یعنی کبوتر یا مُرغ کے سینے کی جُڑی ہوئی ہڈی کو توڑا کرتی تھیں۔ گویا اس طرح پکی یاری کی جایا کرتی تھی۔ ہے زناخی مری وہ لال پری ٭ ہو جسے دیکھ کر نڈھال پری (رنگین) بیگمات قلعہ جب کسی عورت سے بہنا پا کر کے الاچی کے دانے باہم کھاتی تھیں تو اُسے الاچی کہا کرتی تھیں۔ (طبق زنوں کی اصطلاح)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیاری بولی کو کیوں کرنا پسند کر سکتا ہے۔ عورتوں کی زبان مختلف اسباب کی وجہ سے آمیزش سے محفوظ رہتی ہے
اس میں زبردستی کے عربی فارسی الفاظ شریک نہیں ہو سکتے۔ اس میں غیر زبانوں کے محاوروں کا خام ترجمہ دخل نہیں
پاسکتا۔ تکلّف کے استعارے اور تشبیہیں اُس میں مائی نہیں رکھتیں۔ استعارے سیدھے سادے، اُلجھاؤ سے
دور، تشبیہیں برجستہ، قدرتی، تکلّف سے الگ۔ پھر آواز وہ کہ چڑیل بھی اگر پردے میں بول رہی ہو تو معلوم ہو
کوئل کوک رہی ہے یا بلبل چہک رہی ہے۔ دل میں اُن کے خیالات بھی ایسے ہی لطیف اور نازک اُٹھتے ہیں
کہ اُس کوثر کی دُھوئی ہوئی زبان کو زیب دیں۔ عشق و محبّت کے خیالات مردانہ دلوں میں اُتنے لطیف نہیں
ہیں جتنے زنانہ دلوں میں ہیں۔ عورتیں گویا قُدرت کی طرف سے خاص اُلفت و ہمدردی ہی کے لیے پیدا
کی گئی ہیں۔ اُن سے ایک زمانے تک بچّوں کا رکھ رکھاؤ متعلق رہتا ہے۔ وہ کیا کیا تکلیفیں اُن کی پرورش
کی اُٹھاتی ہیں اور پیشانی پر بل نہیں آتا۔ جب تک بچّے بے شعور رہتے ہیں راتوں کو اُن کی نیند حرام رہتی ہے۔
ذرا سی پلک لگی اور بچّہ رو دیا یا بے چین ہوا، آنکھ کھُل گئی۔ بہلانے کو گھنٹوں گود میں ٹہلا رہی ہیں۔ تھپک
رہی ہیں۔ لوریاں دے رہی ہیں۔ دُودھ پلانے کے زمانے میں بیسیوں قسم کے کھانے کے پرہیز کرنے پڑتے
ہیں۔ پرہیزی کھانا کس قدر بدمزہ ہوتا ہے لیکن اُن کو اُسی میں مزہ ملتا ہے۔ بچّہ آئے دن بیمار پڑا کرتا ہے دس دن
اچھا ہے تو پندرہ دن بیمار۔ مرد اگر ہو تو غضب میں جان آجائے۔ ایک ہی دو دفعہ کی بیماری میں بھاگ کھڑا
ہو۔ لیکن یہ کبھی نہیں اُکتاتیں۔ اور دن رات نہایت خوش دلی سے اُس کی تیمارداری میں مصروف رہتی ہیں۔
غرض ہمدردی و اُلفت جیسی عورتوں میں ہے واقعی مردوں میں نہیں۔ اسی لیے اُن کی زبان عاشقانہ اور
ہمدردی آمیز خیالات ظاہر کرنے کے لیے ایک قُدرتی ذریعہ ہے۔ لطیف جاذباتِ دلی۔ شوق۔ محبّت۔
اُلفت۔ ہمدردی۔ دل سوزی۔ رحم۔ شفقت۔ تاسّف۔ عورتوں ہی کی زبان میں کچھ خوب ادا ہوتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو مضمون وہ ایک فقرے میں ادا کردیں گی دفتر کا دفتر سیاہ کر دینے سے بھی ادا نہ ہوگا۔

نظیر اِس مضمون کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس کا تجربہ عورتوں کے باب میں بہت وسیع تھا۔ اس نے فقط اپنے گھر ہی میں اُن کی زبان نہیں سُنی تھی بلکہ اُس کی لطافت سے محظوظ ہونے کے لیے وہ مختلف جگھٹوں اور میلوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ بلدیو جی کا میلا ہے۔ گنواری عورتیں ایک جگہ جمع ہیں۔ اُن میں ایک کو کوئی دھکا مار کر شرارت سے نکل گیا۔ یہ گر کے یوں گالی دے رہی ہے:-

کیسوا اٹھلا چلے ہے داڑھی جار

نظیر کی نوٹ بک میں داخل۔

کاشی والے راجہ اور مائی تھان کی سرکار میں تعلق تھا۔ ان دونوں سرکاروں میں اکثر رنڈیاں اُونچی اُونچی آتی تھیں۔ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو۔ شیریں کلام۔ اپنی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کی خاص سُفارش سے اُن کی خدمت میں پہنچتا اور تقرب ہم کلامی حاصل کرتا۔

نجبتری محال کا بھی اُس کو کم تجربہ نہیں ہے۔ اکبرآباد میں رنڈیاں بکثرت آباد ہیں۔ شاید اِس قدر رنڈیاں دوسرے شہر میں کم ہوں گی۔ اکثر دُور سے اُن کی خوش کلامیوں سے فائدہ اُٹھاتا اور بعض وقت وہ اپنے شاعرانہ مقاصد سے اُن کے کوٹھوں پر جا کے گھڑیوں بیٹھا کتابِ ناز و نیاز اور دیوانِ حسن و جمال کی ورق گردانی کرتا۔ شرعی قانون نے ہمارے ہاں عورتوں کی سوسائٹی کو مردوں کے استعمال کے لائق نہیں رکھا۔ معمولی آدمیوں کو شاید اِس پُر لطف سوسائٹی کی ضرورت اور احتیاج چنداں محسوس نہ ہوتی ہو لیکن شاعر بعض وقت ایسی سوسائٹی کے نہ ہونے سے جی میں بہت کُڑھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اصلی خیالات ان کے دریافت کرے لیکن اُس کو عورتیں اس مطلب کے لیے کافی طور سے نہیں ملتیں۔ ہارے درجے طوائف کی دُنیا کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

طرف جھکتا ہے۔ گو باعصمت دُنیا کے خیالات سے یہ دُنیا کسی قدر الگ ہے لیکن پھر بھی بہت سے خیالات ملتے جلتے اور اکثر مُشترک ہیں، اِس سے اُس کی تلاش کی پیاس اور تفحص کی بھوک کچھ تسکین پاتی ہے۔ نظیر نے بھی اِسی مقصد سے اِن لوگوں کے ہاں اپنی آمدورفت جاری کی تھی۔ حقیقتہً یہ اُن کی رغبت اور نفرت سے بہت اچھی طرح واقف ہو گیا تھا اور اُن کے خیالات پر اُس کو کامل عبور تھا۔ اُن کی زبان کی معلومات بھی اُس کو اچھی خاصی تھی۔ ہمدردی، عام جو اُس کی فطرت کا خاصہ تھا اُس کو اِن عورتوں کی صحبت میں بیٹھتے بیٹھتے اور بھی ترقی ہوئی۔ شاید اسی ترقی دینے کا صلہ ہے کہ اُس نے اِس ناپاک طائفے کا بھی جہاں ذکر کیا ہے اپنی خاص ہمدردی سے محروم نہیں رکھا۔

عورتوں کی زبان کی معلومات اِن بندوں سے کسی قدر ظاہر ہوسکتی ہے جن میں ایک برہن[۱] کے عاشقانہ حسرت آلود خیالات کس خوبی کے ساتھ آگ بھڑکا رہے ہیں۔

بن دلبر اب کیوں کر پھولے میرے دل کی کلی کلی
گشت لگا کوتوال کا پھیرے، چوکی بیٹھی گلی گلی
قول بچن کر کر چھوٹا مجھ سے پھر جھوٹی خبر نہ لی
اُس بن جی گھبراتا ہے اور لگتی نہیں کچھ بات بھلی
شام گزر گئی، یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی

[۱] برہن برہوگن، برہ کی ماری فراق زدہ۔
حضرت عُمر کی خلافت کے زمانے میں ایک عفیفہ نے یہ شعر بتقاضائے فطرت پڑھے تھے جو نظیر کی نظم سے بہت مُناسبت رکھتے ہیں:۔

تطاول ہذا اللیل۔ تسری کواکبہ
وارقنی اَن لا ضجیعاً۔ اُلاعبہ
فواللہ لولا تخشیّ۔ عواقبہ
تزعزع من ہذا السریر جوانبہ
مخافتہ ربّی والحیاء یصدنی
واُکرم بعلی ان تنال مراتبہ

اُس چھوٹے کی راہ کو تکتے تکتے آنکھیں گئیں پتھرا	پھول پلنگ پر سیج کے میرے غم سے سوکھ گئے مرجھا
کاجل ڈھلکا، سُرمہ بگڑا، مُنھ میں پان ہوا پھیکا	جی اُکتاوے، دل گھبراوے آہ، بھلا اب کیجے کیا

شام گزر گئی، یار نہ آیا، رات بھی آدھی آن ڈھلی

کیا اُٹھ کر روؤں، رات کی میری مُفت گئی سب تیاری	کاجل مستی پھیکی پڑ گئی اور سنگھار ہوا بھاری
انگیا میں کچھ پھڑک پھڑک کر سست ہوئیں پیاری پیاری	سینہ پھڑکے، کلیجہ دھڑکے، جاؤں میں کیدھر ٹُری

شام گزر گئی، یار نہ آیا، رات بھی آدھی آن ڈھلی

نیند اُچٹ گئی، کروٹ جل گئی، کاٹے نہیں کٹتی ہے رات۔ کیا ہی برہ وگ کی آگ میں پڑا جل رہا ہے۔ برہ کی کوک ہے جو دل میں چھید کرتی ہے۔

عشق معشوق کے دل میں اثر کرتا ہے۔ اور اُس کے مُنھ سے بے اختیاری شوق میں یہ بول نکلواتا ہے۔

اب تجھ سے میں اک کوڑی بھی، پیارے نہیں لونگی	یاں کھول تجھے اپنی میں چھپا کلی دوں گی
جاوے گا جہاں تو، میں تیرے ساتھ چلوں گی	خدمت سے تری ٹک نہ ٹلی ہوں نہ ٹلوں گی

نائیکا نوچی کو نصیحت کر رہی ہے۔

نوچی مُنھ پیٹ کر ہمسائی سے کہتی ہے۔

بھینا!	ناحق کی لڑائی ہے، نہ لینا ہے نہ دینا

اک چار گھڑی سے مجھے پٹواتی ہے بڑھیا

ہمسائی کے دل میں سنتے ہی کٹاری لگی اور نوچی کی طرف دار ہو کر گھر میں سے پکاری۔

کیا بات ہوئی تجھ سے وہ کچھ مجھ کو بتا ری	جس بات پہ دوپہر سے لڑاتی ہے بڑھیا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نوچی

بھینا! یہ گزرتی نہیں ڈھیڈھو[1]
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھیڈھو
ایسا جو مرے پاس لگی جائے گی جھانپو[2]
سب کھا چکی، مجھ کو بھی یہ اب کھائے گی جھانپو

اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھیڈھو
کیا سخت غرابی ہی، یہ مرتی نہیں ڈھیڈھو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائے گی جھانپو
وہ کون سا دن ہوگا، جو مر جائے گی جھانپو

کیسے پورے پورے خیالات ہیں اور کیا ہی مناسب زبان۔ اسی کو کمال زباں دانی کہتے ہیں مختصر یہ ہی کہ نظیر نہ فقط مردانہ حصّہٴ زبان و خیالات سے واقف تھا، بلکہ اُس نے اپنی تحقیق کو عورتوں کی زبان سے بھی کافی مزہ اُٹھانے کا موقع دیا تھا، اور ان کے خیالات کے کمروں میں اُس کو آزادانہ آمد و رفت کی اجازت تھی۔ زباں دانی میں اُس کے مقابل کے بہت سے شعرا نکلیں گے لیکن خیالات کا عمق جو اُس کو حاصل تھا شاید بہت کم شُعَرا کو نصیب ہوا ہی۔ وہ جس مجمع میں کھڑا ہوتا تھا لوگوں کے خیالات ہی کی چھان بین میں مصروف رہتا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اشخاص کی صورت دیکھ رہا ہی لیکن وہ صورت سے معنی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ انسانی طبیعت کا طلسم بہت کم لوگوں پر کُھلا ہی۔ لیکن جن معدودے چند پر کُھلا ہی الحمد للہ کہ نظیر بھی اُنھیں میں ہی۔ اُس نے خوب خوب اس طلسم کی سیر کی ہی اور خوب خوب تماشے دیکھے ہیں اُن کا ایسا گہرا اثر اُس کے دماغ پر ہی کہ بے اختیار اُس کی زبان قلم سے اُن کا تذکرہ نکل ہی جاتا ہی۔ عجائبات

[1] ڈھیڈھو ایک مشہور شور مچانے والی مٹیالے رنگ کی چڑیا کا نام جو اکثر باغوں میں اپنے گروہ کے ساتھ پھرتی اور ڈومنی کہلاتی ہی بڑھیا عورت۔ زن فرتوت۔ بکواسی۔ بکّی۔ جھکّی۔

[2] جھانپو ایک چڑیا کا نام جو اکثر دُم اُٹھاتی اور دَھکتی ہی جسے دھوبن بھی کہتے ہیں۔ چھنال۔ اُچھال چھکّا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو وہ بیان کرتا ہی اُس کو پُرانی لکیر کے پیٹنے والے رسمی شُعرا گو حدیثِ خُرافہ کی پھبتی کہیں لیکن واقعی وہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور اس لائق کہ آبِ زر سے لکھ لی جائیں۔

آتی ہی یہ آواز خود اپنے سر سے	شایان ہی لکھ رکھیں گر آبِ زر سے
دنیا کے عجائبات مجھ میں ہیں بھرے	بہتر ہوں میں ہر ایک عجائب گھر سے

الغرض اس خصوص میں نظیر سے کسی طرح لگا نہیں کھا سکتا۔ وہ ایک محض معمولی ٹھٹھول تھا۔ دن رات اس کی اوقات ہنسی دل لگی، کھیل تماشے میں گُزرتی تھی۔ اُس نے کبھی کسی چیز کو متانت اور سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں۔ اگر وہ متانت سے کسی بات پر غور کرنا بھی چاہتا تو کر نہ سکتا۔ تو اب دن رات اس کو اپنے مشاغل تفریح میں لگائے رہتا تھا۔ اس تفریح کی حد یہاں تک پہنچی تھی کہ قواعدِ زبان اور عروض منطق کے رسالے لکھے جاتے ہیں اور اُس میں بھی دل لگی بازی چلی جاتی ہی۔ تعقید معنوی کی مثالیں یوں بیان ہوتی ہیں۔

(۱) کل گُنّا سبز دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی۔ مُجھے کہنے لگی کہ میری طرف دیکھا تو اندھا ہو جاوے گا میں نے کہا کہ میں کالا ناگ ہوں۔ مجھ سے ڈرو ہنس کر کہا کہ ڈوپٹے کا رنگ تو دیکھ۔ کس طرح اندھا نہ ہو جاوے گا۔

(۲) بنّو کی باتیں بھی لٹیمنے[ل] کی تلوار سے ہاتھی کے رینے پر کچھ کم نہیں۔

عروض میں شاید ارکان کو ظرافت نے یوں پشواز پہنائی ہی۔

پتری خانم = مفاعیلن۔ چنچل پری = مستفعلن۔ نور بائی = فاعلاتن = جت لگن = فاعلن۔ پیا زد

ل لٹیما ایک قوم رہزنوں کی ہی راجپوتوں کے ملک کی۔ جواہر سنگھ سورج مل جات کے بیٹے کو کسی لٹیما نے ہاتھی پر چڑھتے وقت مار ڈالا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ولن - صاحب بخش = مفعولات -

نوچیوں اور لونڈیوں کی بھی ایک بھیڑ ہی جو زخاف کا بناؤ سنگار کیے بیٹھی ہیں -

قلندرو - ملاگیر - گُجراتن - بی جان - پری - جان - جی - البیلی - نور بخش - انمول - جادی - بگیجان
بھی - سبھی جان - مال دہی - دیدار بخش - گوری پیارزو - مراد بخش - نور جہاں - بڑی پیارزو - راج دُلاری
شروع سے آخر تک جہاں نظر ڈالیے بس انھی کم بختوں کا ہجوم ہی - عروض کا رسالہ کیا ہی خاصی بختہ ری
محال کی ڈائرکٹری ہی -

منطق میں تحصیلِ حاصل کی مثالیں اس طرح ہیں :-

(۱) بابوجی، ہیں ہیں، مکھا، جسے ہم مکد کا لڈو کہیں ہیں - اسے، مکھا، لوگ کی کہیں ہیں - نارائن جانے
ہوروں کے کھانڑ ماں بھی آوبے ہی کہ ناہیں - بھلا، بابوجی، ہم لوگ تو سب مکد کا لڈو کہیں ہیں - معلوم نہیں
کہ ہم لوگ باسے اِس کا نانو کچھ اور بھی کہیں ہیں کہ یوئی کہیں ہیں -

(۲) یہ جو مُلّا صدر، میر باقر کبیر اعلمِ معقول ماں شاگرد رشید، آہ، کچھ بوجھی ناہیں پڑت، کہ معقول کیری
کتب کیسے پڑھے ہیں -

منطق کی اصطلاح بھی تمسخر سے خالی نہیں -

گُپت = نظری - پرگھٹ = بدیہی - اُلجھا سُوت = تسلسل - ایر پھیر = دور - جوڑ = حرفِ رابطہ - جون کا توں
تصدیق = دھیان - تصور = بول - موضوع = بھرپور - محمول - پورا جوڑ = موجبہ - پورا توڑ = سالبہ بولتی ہوئی = لفظی دلالت -
پتا = مُعرف - بت کہاؤ = حجت - چپ چپاتی - دلالت غیر لفظی - مراد کا گھر = معنی کُھلا کُھلا = مفرد - پھنسا ہوا = تقییدی
کُھلا ہوا = غیر تقییدی - اکہری اونچ نیچ = عموم و خصوص مطلق - دوہری اونچ نیچ = عموم و خصوص من وجہ -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دلالت کی مثال میں منطق میں بھی رنڈیوں نے ہجوم کیا ہی۔

(۱) گنّا کے چہرے سے پایا جاتا ہی کہ شبراتن نے کچھ اُس پہ غصّہ کیا ہی۔

(۲) وزیرن کے آج میلے میں نہ آنے سے یہ پایا جاتا ہی کہ حضور کے ہرکاروں کا پاس بہت منظور رکھتی ہی۔

(۳) کلّو کا آج مجرے میں نہ جانا ہی کہتا ہی کہ شام کو حضور میں جایا چاہتی ہی۔

(۴) بنّو کی درج یہی پکارے کہتی ہی کہ جناب عالی مجھے ایک مرتبہ دیکھیں تو اکثر یاد فرماویں۔

سوجبۂ جزئیہ کی مثال سُنیے

بعضے کبوتر گلی خال ہیں۔ دلیل۔ جو غٹ غوں غٹ غوں کرتا ہی وہ کبوتر ہی۔ اور سب گلی خال غٹ غوں غٹ غوں کرتے ہیں۔ نتیجہ۔ بعضے کبوتر گلی خال ہیں۔

سالبۂ کلیہ کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

جو بگلا ہی وہ کبوتر نہیں۔ دلیل۔ جو غٹ غوں غٹ غوں کرتا ہی وہ کبوتر ہی۔ اور جو بگلا ہی وہ غٹ غوں غٹ غوں نہیں کرتا۔ نتیجہ۔ جو بگلا ہی وہ کبوتر نہیں۔

جس کو ظرافت نے اس درجے اپنے بس میں کر لیا ہو وہ کب کسی دقیق مسئلے پر غور کر سکتا ہی اور کب وہ انسانی طبیعتوں کے باریک پہلوؤں سے آگاہ ہو سکتا ہی۔ اُس کے پاس ہنسانے کا سرمایہ بہت ہی۔ لیکن دل میں جن باتوں سے سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہو اُن کی اُسے خبر بھی نہیں۔ وہ معلومات کے تیز نشتر نہیں رکھتا کہ دل کو چھیڑ کر آنکھوں سے اشک کے فوارے جاری کر دے۔

انشا کے پاس اشخاص کے مختلف خیالات کی پوری پوری تصویریں نہ تھیں۔ وہ مختلف اشخاص کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُن کے خاص خیالی خصوصیات کے ساتھ دیکھنے کا موقع ہی نہ رکھتا تھا۔ بخلاف اِس کے میاں نظیر اِس خصوص میں یکتائے زمانہ تھے۔ میرے خیال میں اُردو کے شُعرا میں شاید ہی کسی کو انسانی طبیعت کا اِس قدر صحیح اور عمیق تجربہ ہو۔ اُس کی ہر نظم سے پایا جاتا ہی کہ اُس کی دن رات اسی کام کے لیے آنکھیں کھُلی رہتی تھیں۔ وہ دن رات انسان ہی کا تماشا دیکھا کرتا تھا۔ اور انسان ہی کے حالات کے دریافت کرنے کو مقصد اعظم جانتا تھا۔ میلے ٹھیلوں میں اگر وہ گیا ہی تو اسی کام کے لیے۔ رنڈیوں کی صحبت میں بیٹھا ہی تو اسی غرض سے۔ سیر و سیاحت کی ہی تو اسی مطلب سے۔

اُس کو مختلف اشخاص کی خُصوصیت خیالی کا اِس قدر گہرا علم ہی کہ جس کی تھاہ ہی نہیں ملتی۔ وہ ایسا اُن خیالات میں ڈوبا ہوا ہی کہ اُس کی ذاتی خصوصیتِ خیالی کا مُشکل سے پتا ملتا ہی۔ اُس کی طبیعت ایک ہموار بحر ہی جسمیں نہ مینڈھوں کی ٹکّر ہی نہ بھنور کا چکّر۔ کسی قوم کا جہاز ہو بہت آسانی سے گزر جاتا ہی اور کسی ملک کی کشتی ہو تیر کی طرح ساحلِ مقصد پر پہنچ جاتی ہی۔ کوئی کیسا ہی گنہگار ہو اُس کی وجہ سے کشتی چکر میں نہیں آتی۔ اور کوئی کسی قسم کا ظالم و سیہ کار ہو اُس کے سبب سے طوفان اُٹھ کر عالم کو تیرہ و تار نہیں کرتا۔

شیکسپیر کے حالات میں گرین نے کسی مقام پر لکھا ہی کہ "باوجودے کہ مُتاخرین مُحققین نے بڑی کوشش و جاں فشانی کی لیکن پھر بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کی بھی کوئی تفصیل اُن کو نہیں مل سکی جس سے اُس کے قبل موت گوشہ گزیں ہونے کے زمانے کے کچھ حالات روشن ہو سکتے۔ یہ جو ہم عصروں کے حافظے پر کوئی خاص مُمتاز خصوصیت کا نشان اس نے نہیں چھوڑا اُس کا باعث شاید یہ ہی کہ شیکسپیر کی طبیعت مُفرد اور یکتا واقع ہوئی تھی اور اُس کے خیالات میں نہایت مرتبے کا اعتدال تھا۔ اُس کی ذہانت کی عظمتِ شان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سے ظاہر ہوتی ہو کہ اُس کی تصنیفات میں ہم اُس کی ذاتی خصوصیّت مزاجی کا کوئی اثر نہیں پاتے یہ جو لوگ قیاس کرتے ہیں کہ سانٹ میں اُس نے کُچھ اپنے خیالاتِ خاص ظاہر کیے ہیں اُس کی حالت ایسی مشکوک ہو کہ زبردستی کے قیاسات سے بھی اُس کی حالاتِ زندگی کے مُتعلق صرف چند موٹی موٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں اپنے ڈراموں میں وہ ہمہ تن اشخاص قصہ ہو اور اُس کے اشخاص قصہ تمام قلم رو انسانیت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک شخص بھی اِن ڈراموں میں ایسا نہیں کہ اُس کو یا اُس کے اقوال و افعال کو خود شاعر کی ذات یا خیالات سے بخطِ مستقیم نسبت دے سکیں؛ یہ خصوصیت ہم نظیر میں بھی پاتے ہیں۔ اُس کی طباعی کے انٹرنیشنل اگزبیشن میں سیکڑوں اشخاص بھرے ہیں۔ مُختلف مذہب و ملّت کے لوگ خوش خوش پھر رہے ہیں۔ کوئی گپ کر رہا ہو۔ کوئی ہنس رہا ہو۔ کوئی اپنی تعلّی میں مصروف ہو۔ کوئی ڈونت دات ہانک رہا ہو۔ لیکن موسیو ڈبیر کا کہیں پتا ہی نہیں۔ وہ صُلحِ کُل کے آفس میں بیٹھا ہوا چُپ چاپ لوگوں کو ٹکٹ بانٹ رہا ہو۔

نظیر کے خیالات اور تجربوں کا ذخیرہ کسی طرح شیکسپیر سے کم نہ تھا۔ ظرافت اور شوخ طبعی بھی اُس میں اُسی مرتبے میں تھی۔ ذہانت کا حصہ بھی اُسی قدر ملا ہوا تھا۔ دل میں ہمدردی کا بھی ویسا ہی جوش تھا۔ ہرچند اُس نے ڈرامہ نہیں لکھا تو کیا ہوا۔ اُس کی اکثر نظمیں ڈرامے کا کام دیتی ہیں۔ جب نظم کو دیکھیے معلوم ہوتا ہو ڈرامے کا کوئی خاص سین ہو۔ خیال کے اسٹیج پر کبھی میاں قلندر اپنا ریچھ کا بچّا لے کر تشریف لاتے ہیں۔ وہی سوامن کا سونٹا جس پر لوہے کی کڑی کھڑکتی ہوئی۔ وہی کاندھے پر جھولنا[۱]۔ وہی ہاتھ میں پیالا وہی ڈھپلی[۲]۔ وہی لڑکوں کا ہجوم۔ وہی کشتی کے داؤ پیچ۔ وہی گھڑا ناچ۔ کبھی طوفان کا سماں دکھلائی دیتا ہی

[۱] جھولنا فقیروں کی وہ تھیلی جس میں روٹی اور آٹا ٹانگ کر رکھتے ہیں۔ [۲] ڈفلی ایک دائرے کی وضع کے باجے کا نام۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاروں طرف سے آندھی گھر آئی ہے۔ رستے میں کوئی معشوق مل گیا ہے۔ لگا کر گھر لیئے جا رہے ہیں۔ گھر پہنچ کر
اُن کی خاطر مدارات ہوتی ہے۔ رقیبا کو خبر لگتی ہے۔ آکر گھر کو گھیر لیتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کا گھر اپنی جگہ میں قلعہ ہے۔
کب اُن کی کوئی تدبیر چلتی ہے۔ طوفان کی زد میں بیٹھے بیٹھے صورت دیکھنے ہی کے قابل ہو گئی ہے۔

تلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے		بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کبھی ہولی کی مجلس کا رنگ جمتا ہے۔ رنڈیوں کی بھیڑ ہے۔ بھوّیوں کے لڑکون کا ہجوم ہے۔ ناچ ہو رہے ہیں
ہولیاں گائی جا رہی ہیں۔ پچکاری آتی ہے۔ رنگ کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ گالیوں کی اُس سے زیادہ بوچھاڑ ہے
پھر ہاتھا پائی ہاتھ پاؤں نکالتی ہے۔ اور ایک عجب پُر لطف بھاگ دوڑ مچتی ہے۔ پھر کبھی بنیواؤں کا رنگ
نکلتا ہے۔ جوگیوں کا قافلہ آتا ہے۔ کسی موقع پر پالی کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ شوقین اپنی بلبلیں لے کر پہنچے
ہیں۔ کھلاڑیوں نے اپنا اپنا پٹھا چھوڑا ہے۔ گھمسان لڑائی ہو رہی ہے۔ کہیں کوئی صاحب بایں ہیئت کذائی
کہ ڈاڑھی کے بال بڑھے ہوئے ہیں۔ منہ زرد ہے۔ آنکھوں میں آنسو سے بھر رہے ہیں۔ سر پر میلی پگڑی ہے۔
انگرکھے کے ٹکڑے اُڑے ہوئے ہیں۔ لڑکوں کے مجمع میں نمودار ہوئے ہیں۔ اور لڑکوں کے فریفتہ کرنے
کو ایک خاص ادا سے گلہری کا بچہ نکالتے ہیں۔

	کمر دیکھ، ڈھونڈی جیب۔ پگڑی کو ٹٹول اُس جا وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈھ کر بچا گلہری کا	

اشخاص خاص خاص مزاج اور خیالات کے ساتھ جو اُس کے مرقع میں اپنی تصویریں دکھا رہے ہیں
بہت ہیں۔ طوائف کی تصویر اس میں موجود ہے۔ نوچیاں اپنا جلوہ اس میں دکھا رہی ہیں۔ عاشق مزاج
تعلی باز بُوڑھے بہیں نکال رہے ہیں۔ "دیدبازی خدا راضی" کے پروفیسر یہیں بہروپ دکھا رہے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھنگڑ یہیں گاڑھی چھان رہے ہیں۔ نوجوانوں کی عیش و تفریح کی مجلسیں یہیں جمی ہوئی ہیں۔ سجیلوں کے سر پر یہیں ٹیپ جمائی جا رہی ہے۔ سیٹھوں کو یہیں اونچی کرسی دی گئی ہے۔ چھتیس پیشے والے اسی بازار میں اپنی دکانوں پر بیٹھے ہیں۔ پہلوان اسی اکھاڑے میں ڈنڈ پیل رہے ہیں۔ کبوتر باز اسی باغ میں کبوتر اڑا رہے ہیں۔ تیراک اسی دریا میں تیر رہے ہیں۔ بھکاری اسی دروازے پر بھیک مانگ رہے ہیں ٹھگوں کی مشکیں یہیں کسی گئی ہیں۔ جوگیوں نے یہیں بھبوت رمائی ہے۔ صوفی اسی مجلس میں حال قال کر رہے ہیں جوگی۔ اتیت۔ جنگم۔ سیوڑا۔ نانک شاہی۔ کبیر پنتھی۔ بھرتھری۔ ہندو۔ مسلمان۔ فاسق۔ عابد۔ امیر۔ فقیر۔ ہر مشرب اور ہر طریق اور ہر خیال اور ہر خصلت کے لوگ اس میں موجود ہیں۔

مختلف اشخاص کی تصویریں اس نے جس عنوان سے کھینچی ہیں بہت ہی قابلِ مدحت، بلکہ بعض اوقات میں موجبِ رشک ہے۔ وہ اشخاص کے خط و خال کو پورا پورا قائم رکھتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی زائد رنگ بھر کر ان کی تصویر کو بہت زیادہ دل فریب بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ نقص جتنے ہیں ان کو بھی نہایت ایمانداری سے تصویر میں دکھاتا ہے۔ وہ بدنیتی سے ان کے بدنما دکھانے کے لیے کوئی خراب تیور ان میں اپنے جی سے پیدا نہیں کرتا۔ یہ مصورانہ ایمان داری ایک ڈرامہ نویس کے لیے گویا اعظمِ صفات ہے۔

نظیر میں ہم متانت اور ظرافت دونوں بتا چکے ہیں۔ یہ دونوں صفتیں ایک خاص اعتدال کے ساتھ اس کے مزاج میں شریک ہوئی تھیں۔ نہ متانت ظرافت پر غالب آتی تھی اور نہ ظرافت متانت کو دباتی تھی۔ گویا دونوں کا پلّہ برابر تھا۔ وہ اگر کوئی کلام سنجیدگی سے کرتا تھا تو نہ اس وجہ سے کہ ظرافت پر وہ قادر نہیں بلکہ اس جہت سے کہ وہاں ظرافت کا موقع نہ ہوتا تھا۔ اور اگر کسی کلام کو شوخیٔ طبع کے رنگ میں رنگتا تھا

---

[1] ٹھگ ایک قوم جس کا پیشہ مسافروں کو زہر یا پھانسی دے کر مار ڈالنا اور طرح طرح سے چھلنا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہ اس لحاظ سے کہ اُس کے ہاتھ سے متانت کی باگ جاتی رہی ہی بلکہ صرف اِس نظر سے کہ وہ موقع ہی ظرافت کا ہی۔ کسی موقع پر وہ ظرافت اور متانت دونوں کو شیر وشکر بھی کردیتا ہی اور یہ بھی اُس کا ایک فعل اختیاری ہی۔ دونوں وضعِ کلام پر اس قسم کا قابو بہت شاذ لوگوں کو نصیب ہوتا ہی۔ نظیر کو واقع میں ایک بہت بڑی دولت حاصل تھی۔ یہ وہ دولت ہی کہ اگر اُس کے زمانے میں شیکسپیر کی طرزِ انشا پردازی کو رواج ہوتا تو اس کی بدولت ٹریجیڈی (غم کا ناٹک) اور کمیڈی (خوشی کا ناٹک) دونوں میں وہ پُوری شہرت حاصل کرسکتا۔ اُس نے کسی قدر اپنی ڈرامہ نویسی کی قابلیت کا اُن دو قصّوں میں جلوہ دکھایا ہی جو اُس کے کلّیات کے اوّل و آخر میں موجود ہیں۔ کلّیات کے آغاز ہی میں لیلی مجنوں کا قصہ ہی۔ اس کا انجام ٹریجک (غمناک) ہی۔ بحر جس میں اُنھوں نے اُس قصے کو نظم کیا ہی ایک خاص اثرِ غم رکھتی ہی۔ یہ بحر اب اُن چند بحروں میں داخل ہی جن میں مرثیہ کہنے کا معمول ہو گیا ہی۔ حمد ونعت ہی سے دل پر ایک اداسی چھانے لگتی ہی اور اخیرِ قصہ تک پہنچتے پہنچتے ایک خاص رقّت قلب میں پیدا ہوتی ہی جس کو انسان کسی طرح روک نہیں سکتا۔ بیان میں لکھنؤ کے مرثیہ گو اساتذہ کی طرح رُلانے کا کوئی اہتمام نہیں پایا جاتا۔ سیدھی سیدھی بندشیں ہیں۔ اور معمولی باتیں۔ لیکن نہیں معلوم کس دل سے لکھا ہی کہ آدمی جوں جوں پڑھتا جاتا ہی اثرِ غم بڑھتا جاتا ہی۔ انہی سیدھی سادی بندشوں میں نہیں معلوم کہاں کے گپتی نشتر چھپے ہوے ہیں کہ آدمی کا دل بے قرار ہو جاتا ہی۔ لیلی مجنوں تو ٹریجیڈی کی مثال ہوئی۔ اب کمیڈی کی مثال ملاحظہ فرمائیے گو کم تو دیکھتے ہیں مگر واقع میں دیکھنے ہی کی چیز ہی۔ مہادیو کا بیاہ کس خوبی سے لکھا ہی کہ سبحان اللہ۔ کلّیات میں کنھیاجی کی راس سب سے اخیر میں درج ہی۔ اس سے پہلے جو نظم ہی وہی مہادیو کا بیاہ ہی۔ تکلّف اس نظم میں یہ ہی کہ چوں کہ مہادیو کے بیاہ کا مذکور ہی اور وہ ہندوؤں کا ایک دیوتا ہی پوری نظم ہندوؤں کی زبان میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لکھی ہی۔ شروع سے آخر تک زبان کی لطافتوں اور باریکیوں کو اس خوبی سے قائم رکھا ہی کہ آدمی کے منہ [illegible] خواہ مخواہ واہ واہ نکل جاتی ہی۔ اس میں مختلف کیرکٹر (اشخاص) ہیں۔ ہماچل۔ ہماچل کی رانی، ہماچل کی بیٹی [illegible] کی ہیروین (مطلوبہ) ہماچل کا پردھان یعنی وزیر۔ ہماچل کا پروہت۔ مہادیو قصّہ کا ہیرو (طالب) [illegible] تمام اشخاص کے خیالات اُنہی کے خاص مُحاوروں میں نہایت عمدگی سے ظاہر کیئے ہیں اور واقعی اس نظم [illegible] کسی قدر ڈرامہ کا لطف حاصل ہوتا ہی۔ کمیڈی کی قوّت بڑھانے کو بعض خاص سین تفریح کے بھی دیئے ہیں [illegible]

مثلاً براتیوں کا بیان:-

پریت

پھر اور ہزاروں ساتھ چلے جو بھوت پری اور راچھس تھے	ڈیل اُونچے اُن کے برج سمن اور سیس بھی اُن کے گُمس [illegible]
ہر بگڑا اُن کا سومن کا اور موٹے رسّوں کے پٹکے	اور بگڑوں پر ٹھٹروں کی طرح نقّے ساکھو بڑ کے برسے [illegible]
کوئی ننگے سر وہ بال اُس کے جوں بانس بڑے دس دس گز کے	کوئی منڈ، کوئی رنڈ، اور کوئی بن پاؤں ناچے اچھلے کودے [illegible]
کوئی ہاتھی رکھّے کاندھے پر، کوئی اُونٹ بغل میں دبکائے	کوئی ارنا بھینسا گود لیے، کوئی گینڈا سر پر بٹھلائے [illegible]
کوئی سانپ گلے میں لپٹائے، پھن اُن کے دم پر دم چھوڑے	کچھ لمبے سونٹے لوہے کے کچھ ہاتھ لیے بھاری لکڑے [illegible]
کوئی اگاوے پھاڑ گلا اپنا، کوئی نرت کرے چک پھیری لے	کوئی شور کرے خوش حالی سے یوں جیسے ہاتھی چنگھاڑے [illegible]
کوئی ہاتھ نچاوے رہ رہ کر کوئی نین خوشی سے مٹکاوے	کوئی لمبے لمبے ڈگ رکھے، کوئی دس دس گز کی جست [illegible]

کچھ رنگ عجب، کچھ ڈھنگ نئے، سب ہنس ہنس دھج دکھلاتے تھے
تھے دھوم مچاتے رستے میں، ہر آن اُچھلتے جاتے تھے

اس نظم کی بحر بھی ایسی دھوم دھام کی ہی کہ معلوم ہوتا ہی ہر شعر میں بڑا شادیانہ بج رہا ہی۔ نظیر نے [illegible] قدرتِ تصویر کشی کو بھی اس میں ختم کر دیا ہی۔ ہر سین کو اس خوبی سے نقش کیا ہی کہ اصل سین سے مستغنی کر د[illegible]

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جہاں باجوں کا ذکر چھیڑا ہی معلوم ہوتا ہی واقعی باجے بج رہے ہیں۔ جس جگہ آتش بازی میں آتش بیانی دکھائی ہی صاف نظر آتا ہی کہ انار چھوٹ رہے ہیں۔ ہاتھی گھوڑے بھڑک رہے ہیں۔ غرض جس سین کو لکھا ہی تصویر کھینچ دی ہی۔ اتنی قوت کے ساتھ اُس نے بہت کم نظمیں لکھی ہیں۔ اِس سے اُس کی طبیعت کا اصلی زور ظاہر ہوتا ہی۔

یہ دو نمونے پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ اگر وہ ناٹک کے طور پر لکھتا تو یقیناً حزن اور عیش دونوں کی پوری پوری داد دیتا۔ پس پورے شیکسپیر ہونے کی صلاحیت اگر کسی میں تھی تو وہ میاں نظیر علیہ الرحمۃ تھے۔

زبان اُردو کے ڈاکٹر جانسن مُنشی سید احمد دہلوی بھی نظیر کو شیکسپیر کا مُعزز خطاب دینے میں میرے ہم زبان ہیں۔ اُن سے میں نے کسی موقع پر نظیر کی نسبت خیالات دریافت کیے تھے تو اُنھوں نے یہ مختصر مُفید مطلب عبارت لکھ بھیجی تھی:-

بعض دہلی کے تذکرہ شُعرا جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا ہی کہ وہ ایک مُلّا مکتبی۔ صحتِ الفاظ سے مُعرّا۔ پُرگو۔ اور عوام الناس کی بلکہ جُہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری رائے میں وہ ہندوستان کا شیکسپیر اور فطرتی و قُدرتی مضامین کے بیان کرنے میں یدِ طولیٰ رکھنے والا تھا۔ اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک مضمونوں کو اِس خوبی سے باندھا اور عُمدہ نتیجہ نکالا ہی کہ دوسرا نہیں نکال سکتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مضامین کے اعتبار سے نظیر کے کلام کی قسمیں

میں نے مضامین کے اعتبار سے نظیر کے کلام کو غور سے دیکھا تو اُس کی چودہ قسمیں نظر آئیں۔ اور وہ اُمورِ ذیل سے متعلق ہیں:-

(۱) تقریبات۔ (۲) موسم اور فصل۔ (۳) مختلف مراتبِ زندگی۔ (۴) لوازماتِ تمدّنی (۵) ایامِ لیالی اور نور و ظہورِ قدرت۔ (۶) مشاغلِ تفریح۔ (۷) عمارات۔ (۸) اشیائے قُدرتی۔ (۹) نادر امثال اور مفید حکایات۔ (۱۰) مذہب اور تصوّف۔ (۱۱) حُسن و عشق۔ (۱۲) اخلاق اور انقلاب و فنا۔ جہاں سے جو اثر عبرت کا دل پر مترتّب ہوتا ہے۔ (۱۳) بعض قصص۔ (۱۴) ہزل و ظرافت۔

اگر اُس کے کلام کو دوسری نظر سے دیکھیں اور کسی صفت سے متصف کریں تو یہ قسمیں پیدا ہوتی ہیں:-

حکیمانہ۔ ناصحانہ۔ عارفانہ۔ عبرت مندانہ۔ صوفیانہ۔ عاشقانہ۔ عقیدت مندانہ۔ رندانہ ظریفانہ وصّافانہ۔ ہزالانہ۔ مُوحّدانہ۔ شیعیانہ۔ واعظانہ۔ آزمودہ کارانہ۔ جُوانانہ۔ خوش طبعانہ۔ قلندرانہ مُصّورانہ۔ مترجمانہ۔ معاملہ بندانہ۔ ہندوانہ۔ سپاس مندانہ۔

(۱) عارفانہ۔ عبرت مندانہ۔ صوفیانہ۔ عقیدت مندانہ۔ موحّدانہ۔ واعظانہ۔ سپاس مندانہ۔ شیعیانہ ان آٹھ قسموں کو ایک دوسرے سے علاقہ ہے۔ یہ سب ایک ہی دل سے لکھے گئے ہیں۔ وہ دل جس کا رُخ عقبیٰ کی طرف مُڑا ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۲) آزمودہ کارانہ۔ ناصحانہ۔ حکیمانہ۔ یہ تینوں قسمیں بھی گویا ایک ہی دل سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں عقبیٰ کے خیالات کو بخطِ مستقیم دخل نہیں دیا گیا۔ معاملاتِ دُنیا کو جس طرح ایک حکیمانہ خیال آدمی دیکھ کر ان سے کھرے تجربے حاصل کرسکتا ہی اور نشیب و فراز زمانہ دیکھنے کے بعد آزمودہ کاری کے زینے سے جس طرح لوگوں کو خیر خواہانہ نصیحت کرسکتا ہی اُسی قسم کے مضامین کو اس قسم میں داخل کیا گیا ہی۔

(۳) رندانہ۔ قلندرانہ۔ خوش طبعانہ۔ ظریفانہ۔ ہزالانہ۔ یہ پانچ قسمیں ہمرنگ ہیں۔ یہ سب کچھ ایک ہی قسم کے خیالات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب اُن کو کوئی مذہبی رنگ میں نہیں رنگا گیا تو رندانہ ہیں۔ رندانہ کلام پر مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا قلندرانہ ہوگیا۔ عاشق نے وصل کی کامیابی میں خوش خوش اپنے خیالاتِ عشرت کسی قدر معمولی متانت کے احاطے سے نکل کر بیان کیے وہ خوش طبعانہ ہوگئے۔ خوش طبعی کچھ زیادہ بڑھی پوری ظرافت ہوگئی۔ ظرافت نے اور ہاتھ پاؤں نکالے ہزل ہوگئی۔

(۴) وصافانہ۔ معاملہ بندانہ۔ مصورانہ۔ یہ تینوں قسمیں بھی آپس میں دست بغل ہیں۔ کسی شی کی صفت عمدہ طور سے بیان کی گئی تو یہ وصافانہ ہوا۔ کسی واقعے کو عمدہ طور سے قلم بند کیا گیا تو یہ معاملہ بندانہ ہوا۔ اور کسی سمیں کو اس طرح بیان کیا گیا کہ وہ سماں آنکھوں کے تلے پھر جاے تو یہ مصورانہ ہی۔ وصافی اور معاملہ بندی کا مصوری گویا کمال ہی۔

(۵) عاشقانہ۔ جوانانہ۔ جوانانہ کلام عشق میں محدود نہیں۔ تعلّی اور دُوت دات بھی اُس کا حصّہ ہی۔ لیکن عاشقانہ کلام منحصر فی العشق ہی۔ ازبس کہ عشق نتیجہ جُوانی ہی جوانانہ اور عاشقانہ دونوں کلام میں ایک خاص تعلق ہی۔

(۶) مترجمانہ وہ کلام ہی جس میں فقط کسی مشہور قصّے کو معمولی طور پر نظم کردیا گیا ہو۔ ہرن اور گدھی کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوستی کا قصہ اِسی قسم میں داخل ہے۔

(۷) ہندوانہ وہ مضامین ہیں جن میں ہندوؤں کے عقائد- ہندوؤں کی تقریبات- ہندوؤں کے قصص- ہندوؤں کے مختلف پیشواؤں کا ذکر اُس دل سے کیا گیا ہے جو ایک ہندو کے لیے شایاں ہے اور کسی قسم کا تعصب کہیں دکھایا نہیں گیا-

اِس طور پر سات قسمیں نظیر کے کلام کی پیدا ہوتی ہیں- مُتفرقانہ کلام بہت کم ہے- دو تین نظموں سے زیادہ نہیں- لہٰذا اِس کو ساقط کرنا چاہیے- پس اصل میں اُس کے کلام کی مستقل اور قابلِ اعتبار چھ ہی قسمیں ہیں-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے کلام نظم کی قسمیں

اس میں شک نہیں کہ نظیر ایک بڑا ہی متفنن شاعر تھا جس صنفِ کلام کا ذکر کیجیے اُس کے ہاں موجود۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ رُباعی۔ مخمس۔ مسدس۔ مثمن۔ معشر۔ قطعہ بند۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ واسوخت بحرِ طویل۔ تضمین۔ اِن میں سے کون سا فن ہی جس میں وہ بند ہی۔

حکیم باطن اپنے تذکرہ میں یوں لکھتے ہیں۔

ہرگاہ عنصرِ لطیف سمتِ ترقیم نظم متوجّہ ہوا اور صیّادِ فکر نے دامِ طبع بچھایا مرغانِ مضمونِ لامکاں پرواز اُڑنے سے باز آ کر بخوشی صید ہوئے (ایک ہلکا سا اشارہ نظیر کے ہنس نامے کی طرف ہی) تو غزل۔ مستزاد مثلث مربع مخمس۔ مسدس مسبع مثمن۔ معشر رُباعی قطعہ بند۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ تضمین۔ واسوخت۔ بحرِ طویل وغیرہ ہر ایک کو متعدد تحریر فرمایا۔ یہ کچھ برائے گفتن و نوشتن نہیں۔ بلکہ فی الواقع بلا تصنّع۔ اور اُس میں کُل صنعتیں شاعری کی ختم کیں۔

غزل۔ نظیر کی غزلوں سے کون واقف نہیں۔ غزلیات کا دیوان ہی موجود ہی۔ اکثر غزلیں گائی بھی جاتی ہیں۔ باطن نے اپنے تذکرے میں غزلوں سے جو اشعار انتخاب کیے ہیں تو اُن میں اس بات کا خاص التزام کیا ہی کہ اکثر ردیف کے اشعار ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ دیوان اُس کا ردیف وار مرتب ہی۔ وہ ردیفیں جن کے اشعار نہیں ہیں یہ ہیں۔

ردیف ٹ۔ ردیف ث۔ ردیف ڑ۔ ردیف غ۔ ردیف ف۔ ردیف ق۔ ردیف ک۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ردیف گ:- اور علاوہ اِن کے ہائے مخلوط کے ساتھ جو ردیفیں ہیں جن میں غالباً کم شعرا طبع آزمائی کرتے ہیں۔

اِن متروک ردیفوں میں سے ردیف ڑ کی غزل کلیات مروجہ میں موجود ہی۔ پس ترک دلیل اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ اِن ردیفوں میں اُس کی غزلیں ہی نہ ہوں۔

قصیدہ۔ قصیدے کا ذکر حکیم باطن نہیں کرتے۔ شاید بالاستقلال کوئی بڑا مجموعہ اِن کے ہاں قصائد کا نہ ہو۔ لیکن خود باطن نے اپنے تذکرے میں جس قدر کلام نظیر کا دیا ہی اُس میں سے بعض صاف قصیدہ ہیں وہی شوکت الفاظ۔ وہی تسلسل۔ شاید قلتِ اشعار سے اُن کو داخل غزل کیا ہی۔ لیکن یہ قلت اشعار کی بھی ایک قصیدے میں ہی۔ دوسرے قصیدے میں وہ بھی نہیں۔ تو وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہی۔ کہ یہ قصائد دیوان غزلیات سے لیے ہیں اسی لیے اُن پر اطلاق قصیدے کا نہیں کیا۔ میں اِن قصائد کو اپنے موقع پر بصیرت ناظرین کے لیے نقل کردوں گا۔

مثنوی۔ مثنوی کا بھی باطن کوئی ذکر نہیں کرتے۔ لیکن آخر وغیرہ کس دن کے لیے ہی۔ میں نے پہلے پہل تذکرہ باطن ہی میں اُس کی مثنوی دیکھی۔ اِس میں نہایت عمدہ تمہید سے کشتی۔ دریا۔ شیرینیِ آب۔ خنکیِ آب۔ موج۔ حباب۔ گرداب۔ ماہی۔ صدف۔ ریگ اور ساحل کی تعریف کی گئی ہی۔ اِس مثنوی کو بھی اپنے موقع پر میں پیش کش کردونگا۔

رُباعی۔ رُباعی اُردو کی کوئی میری نظر سے نہیں گزری۔ کلیات میں کوئی رُباعی نہیں ہی۔ باطن نے بھی کو فہرست میں ذکر کیا ہی لیکن کوئی مثال پیش نہیں کی۔ اُردو میں جب نہیں ہی تو فارسی ذخیرے میں ڈھونڈھنا چاہیے۔ اُس میں چند رُباعیاں نہایت دل چسپ موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ رُباعی نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہی اُس کی طبیعت کو خاص مُناسبت تھی۔ اکثر مضمون آفرینی کی راہ میں مجدّدانہ قدم مارتے ہیں۔
مُربّع کی مثالیں مجھ کو نہ فارسی میں ملیں نہ اردو میں۔ شاید باطن نے کہیں دیکھی ہوں۔ کلیات کی فہرست میں اُس نظم کو مربّع لکھا ہی جس کی ترجیع کا بند یہ ہی ؎

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان	عاشق ہی تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

میرے خیال میں یہ ترجیع بند معشّر ہی۔ مخمس اور مسدّس کو نظیر کے نام کے ساتھ وہ نسبت ہی جو رباعی کو عمرِ خیام کے ساتھ، غزل کو سعدی کے ساتھ، قصیدے کو خاقانی کے ساتھ، مثنوی کو فردوسی کے ساتھ، قطعہ کو ابنِ یمین کے ساتھ۔ مخمس جتنے کلیات میں ہیں وہ نول کشوری میں تو (۹۸) ہیں اور مطبع احمدی والے میں پورے (۱۰۰) جوگی نامہ۔ جوگن نامہ۔ جنگ نامۂ خیبر۔ وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔ مُسدّس نول کشوری کلیات میں کوئی (۶۷) ہیں اور مطبعِ احمدی والے میں کوئی (۷۲)۔

مسبّع بھی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ باطن لکھتے ہیں تو شاید کوئی ہوگا۔ مثمّن (۳) سے زیادہ نہیں دو ترجیع بند ہیں اور ایک ترکیب بند (۱) چاندنی۔ صحنِ چمن میں واہ وا روز کھلی تھی چاندنی۔ ترجیع بند (۲) برسات۔ رات لگی تھی واہ وا کیا ہی بہار کی جھڑی۔ ترجیع بند (۳) واسوخت۔ ای گُلِ تازہ کہ بوئے زوفا نیست ترا۔ ترکیب بند مُعشّر بھی گنتی ہی کے ہیں۔ (۱) ایک تو لیلیٰ مجنوں۔ اِس کو ترکیب بند میں بھی شمار کر سکتے ہیں۔ (۲) دوسرے عالمِ بہار۔ شب کو چمن میں وہ وا کیا ہی بہار تھی مچی۔ یہ ترجیع بند ہی (۳) تیسرے تضمینِ فارسی۔ نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنین چنچل۔ اِس میں اُستادوں کے دوہرے اور اشعار تضمین کیے ہیں اس لیے یہ خاص تضمین کی مثال میں پیش کرنے کے قابل ہی۔ (۴) چوتھے وہ ترکیب بند۔ مجھے ای دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہی۔ اس ترکیب بند میں بھی دوہرے ہیں۔ (۵) پانچوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ہر کی تعریف - ہیں کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتارے کی - (۶) چھٹے بلدیو جی کا میلا - کیا وہ دل بر کوئی نویلا ہی - یہ ترجیع بند ہی -

دو ترکیب بند معشر سے زیادہ ہیں - ایک ہیں تو ہر بند میں بارہ مصرعے ہیں - اثنا عشری کہہ لیجے اور دوسرے میں سولہ مصرعے ستہ عشری - جس میں بارہ مصرعے ہیں وہ یوں شروع ہوتا ہی - ادھر کو جس گھڑی اے ہم نشیں وہ یار آیا - جس میں سولہ مصرعے ہیں اُس کو عرف میں مہادیو کا بیاہ کہتے ہیں -

واسوخت دو ہیں - لیکن ایک تو وحشی کا ہی جو نہیں معلوم کیوں درج دیوان ہو گیا ہی - اور دوسرا خاص میاں نظیر کا - یہ واسوخت آٹھ مصرعوں کا ہی مثمن - سودا کے ہاں بھی آٹھ ہی مصرعوں کا واسوخت ہی - یہ واسوخت فارسی میں ہی - اُردو کا واسوخت کوئی میری نظر سے نہیں گزرا - وحشی کا واسوخت شاید اس لیے لکھ دیا گیا ہی کہ بالمقابلہ دونوں کا لطف پوری طرح حاصل ہو کہ کون واسوخت کس پائے کا ہی - نظیر نے وحشی ہی کے واسوخت کا جواب لکھا ہی - دونوں تلے اوپر کُلیات میں مُندرج ہیں - مستزاد مثلث بھی صرف ایک ہی ہی - شعر تو اس میں یہ کہے ہیں -

سُدھ لے گئی بالے کی جھمک - صبر کرن پھول - اور عقل کو بُندے
بالے کی گئی جھوک لگا سینے میں اک ہول - دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی - زنجیر پنہا کر
کاجل کی کھنچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں - جو ہوش اُڑایا
مسّی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں - جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی - مہندی کو دکھا کر

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایجاد کی طرف نظیر کو اکثر جدت پسندی لے جاتی تھی اور اُس کی ایجادیں ایسی ہوتی تھیں کہ مقبولیت کے حلقے میں فوراً اُن کی رجسٹری بھی ہو جاتی تھی۔

مستزاد میں پہلی ایجاد تو اُس نے یہ کی کہ دو مصرعے کی جگہ تین مصرعے کیے۔ یعنی شعر سے گزر کر مثلث اس فن میں تصنیف کیے۔ دوسری ایجاد یہ کی کہ فقرۂ مستزاد ایک سے دو کر دیئے مثلث کی مثال تو لکھی جا چکی ہے۔ مستزاد مکرر کی مثال ملاحظہ ہو۔

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اُس گل کے شب و روز۔ کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے روئیں تھیں یعقوب کی آنکھیں۔ ہر شام و سحر کو۔ خوناب میں بھر بھر
خط میں نے جو بھیجا اُسے با حسرتِ دیدار۔ لکھ خونِ جگر سے۔ اور داغ کی کر مُہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں۔ اُس رشکِ قمر کو۔ حسرت سے سراسر

شاعر کے کلام کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اُس کے بعد یا خود اُس کے زمانے میں اُس کی نکالی ہوئی طرح یا طرز کو اساتذۂ وقت اپنی طبع آزمائی کا شرف بخشیں۔ نظیر کی اِس ایجاد کی ہوئی طرز پر بعد اُس کے انشاء اللہ خاں جیسے ذہین نے بھی طبع آزمائی کی۔ اور اُس نے دو سے ترقی کر کے پانچ پانچ مستزاد فقرے لکھے۔ دوہرے فقرے کے مستزاد کا نام مستزاد در مستزاد رکھا ہے اور پانچ فقروں کے مستزاد کا نام مستزادِ خماسی۔

مستزاد در مستزاد۔

نسبت وہ جو آرام سے ہی ہاتھ کو سو کیا۔ کچھ سوچ کے بتلا۔ ہے اِس میں کلائی
نوبت کو ترے نام سے ہی میل یہ کیسا۔ مت کر تو اچنبھا۔ کہہ دے اری باجی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تالاب میں تیرا کرے دن رات جو چڑیا۔ کیا ہی وہ بھلا جی۔ بوجھو تو بھلی ہر شخص اُسے دیکھ کے نہوڑا دے سر اپنا۔ یہ چال انوکھی۔ ہے قبلہ نما کی	

مستزادِ خماسی

میں چاند کے کل رات جو دیوار بجاتی۔ کنڈی نہ ہلاتی جا کر نہ جگاتی۔ نیند اس کو نہ آتی جوبن کی وہ ماتی۔ تیوری نہ ہلاتی	
اور چٹکیوں میں میرے تئیں صبح اڑاتی۔ ہاتھوں پہ نچاتی۔ گاتی نہ بجاتی۔ کھانے کو کھلاتی پھر تو نہ بلاتی۔ سو سو ہلے کاتی	

بحر طویل میں بھی اس نے خاصی طرح طبیعت آزمائی کی ہے۔ بحر طویل کا ایک اردو شعر باطن سے لکھا ہے۔ در شعر مجھ کو فارسی کے بھی مل گئے ہیں۔ اپنے موقع پر نقل ہوں گے۔

قطعہ بند۔ قطعہ بند غزلوں میں داخل ہیں۔ سودا اور میر کے زمانے میں یہ ایک خاص فن قرار پا گیا تھا۔ غزل کی یکسانی سے اکثر طبیعتیں مشاعروں میں ملول ہو جاتی تھیں۔ اس ملالت کے رفع کرنے کے لیے یہ ایک اچھا نسخہ تھا کہ اخیر میں کسی خاص مضمون کو مسلسل طور پر بیان کیا جاتا تھا جس کی خیر شعر میں بڑے زور اور لطف کے ساتھ کھلتی تھی اور زحمتِ انتظار کا شوق کو پورا پورا صلہ مل جاتا تھا۔ اس طرز کو اس قدر مقبولیت ہوئی کہ مشاعرے کی غزلوں میں اکثر قطعہ بند سے لوگ مشاعرہ مار لینے کی کوشش کرتے۔ نظیر گو اُن لوگوں میں نہ تھا کہ مشاعرے میں جا کر زور آزمائی کر کے حریف کو داؤ پیچ سے چت کرنے کی کوشش کرے لیکن پھر بھی قطعہ بند کی لطافت سے وہ بے خبر نہ تھا۔ اُس کو غزل کی شاخ میں یہ ایک اچھا پھول معلوم ہوا۔ جب کبھی موقع ملتا وہ اپنے مشامِ فکر کو اُس کی خوش بو سے معطر کر لیتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مضامین چوں کہ اس کے دل میں بہت اُبلتے تھے قطعہ لکھنا اس کے لیے ایک طبعی بات تھی۔ اکثر غزل میں اس کے خیالات اس تسلسل سے آنے لگتے ہیں کہ وہ غزل۔ غزل باقی ہی نہیں رہتی۔ خود بخود قطعہ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہی۔ یہ ایک طرح کی تجدید تھی جس کو اس کی استادانہ کوششوں سے مقبولیت عام کا شرف حاصل ہوا۔ انشا نے اس باب میں نظیر ہی کی تقلید کی ہی۔

اور جو عشق کا گلزار کھلاتا ہی نظیر	نیچ تن پاک کا دُنیا میں کہاتا ہی نظیر
ریختہ۔ فرد۔ رُباعی بھی بناتا ہی نظیر	کہ سخن عشق کا پھر سب کو سُناتا ہی نظیر

اُس کے سب حرف و حکایت ہے کہو عشق الیہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی تصنیفات

نظیر کا دماغ بہت قوی تھا، اُس کی نظر نہایت تیز تھی۔ اُس کے خیالات میں بڑی وُسعت تھی
تجربے اِس قدر گہرے ہیں کہ اُن کی تھاہ نہیں ملتی۔ مشقِ سخن اِس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ دیکھتے ہیں و
ہاتھ میں اُٹھاتا ہے۔ زمین طرح کرتا ہے۔ اور پھر لکھ چلتا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ تصنیف کرتا ہے
سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کاغذ سے دیکھ دیکھ کر نقل کر رہا ہے۔ یا اشعار یاد ہیں اُن کو قلم بند کرتا جاتا ہے۔ زمانے
بھی اُس کو کسی قدر فراغت دے رکھی تھی۔ اُس پر عُمر بھی ملی خاصی ۔ اسّی اور نوّے اسی۔ اِتنے سر وسا
بعد یہ سمجھنا کہ اُس نے صرف وہی ایک کلیات لکھا ہوگا جو مُتداول ہے۔ جس میں تخمیناً چھ سات ہزار شعر
جس کا حجم بارہ جُزسے زیادہ نہیں، نہایت ہی غلطی ہے۔ نظیر شاعر نہ تھا واقعی ایک کل تھا۔ جس میں دن را
ڈھلا کرتے تھے۔ وہ بات بات پر ایک دلچسپ نظم لکھ دیتا تھا۔ کہیں سے لڑکے آئے۔ ہاتھ میں بلبل
ہوئے ہیں، اُن کے خیال میں ایک مضمون پھڑکا۔ باتوں ہی باتوں میں دس پندرہ بند ہوگئے۔ لڑکے
یاد کر کے تمام شہر میں پڑھتے پھرتے ہیں۔ گرمیوں کی فصل ہے۔ نئی نئی پتلی پتلی ککڑیاں نکلی ہیں۔ صُورت
لذّت سے، تازگی سے، طراوت سے آنکھوں کو، دلوں کو خُنکی اور ٹھنڈک بخشتی ہیں۔ نظر پڑنا تھا
پھر کیا کیا مصرعوں کی قاشیں ترشتی ہیں، اور کس کس طرح شوق کی تشنگی کو بُجھاتی ہیں۔ تربوز۔ جالیاں
اُس کے خیالی چاقو سے بچ نہیں سکتیں۔ کورے برتن میں پانی کی بوند کھنکی اور اِس کے خیال میں مضمو
ایک دریا اُمڈ آیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

واہ کیا بات کورے برتن کی!		تازگی جی کی اور تری تن کی	

لکھیاں بھنبھنائیں اور اُس کے قلم نے کاغذ کی زمین[ا] دیکھی۔ برسات آئی۔ سبزہ لہلہانے لگا۔ مور جھنگار نے لگے۔ بگلوں کی قطاریں ابر میں اُڑتی دکھائی دیں۔ مینڈکوں نے شور مچایا۔ گھٹا اُمڈ رہی ہے۔ پھواریں پڑ رہی ہیں۔ جھولے پڑے ہوئے ہیں۔ پینگیں بڑھ رہی ہیں۔ ہمارا شیر بھی کسی گوشے میں کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا ہے۔ مضامین گھٹا کی طرح آئے۔ قلم پر برسات کے پرنالے کی پھبتی صادق آتی ہے۔ بقول امیر خسرو ساون بھادوں بہت چلت ہیں اور دن ماں تھوری۔ برس کر کھُل گیا ہے۔ حبس[۵۲] نے ہوا کو قید کر رکھا ہے ایک پتے کو جنبش نہیں۔ مچھر اور پسوؤں کی فوج چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہے۔ کھٹملوں نے دھاوا بول دیا ہے۔ الغاروں پسینا چلا آتا ہے۔ جدھر دیکھیے پنکھے چل رہے ہیں۔ مگر کسی طرح قرار نہیں۔ خلقت بولا اُٹھی ہے۔ اس عام بلا میں نظیر بھی گرفتار ہیں۔ لیکن یہ بلا کہیں طبیعت کی روانی کو روک سکتی ہے۔ کاغذ قلم ہے کہ چل رہا ہے۔ بند پہ بند قلم بند ہو رہے ہیں۔

برسات رُخصت ہو رہی ہے۔ جاڑے کا پیش خیمہ آگیا ہے۔ دن عمرِ عاشق کی طرح گھٹنے لگا ہے۔ راتیں زلفِ شبگوں کی طرح بڑھ رہی ہیں۔ گلابی جاڑا اپنا رنگ جما رہا ہے۔ ہوا کی خنکی معشوق کی سرد مہری سے زیادہ لطف دے رہی ہے۔ جس قدر سردی بڑھتی جاتی ہے بزمِ عیش و نشاط گرم ہو رہی ہے۔ اُمرا و پیٹ بھرے رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ غربا سردی کی شدّت کا تصور کر کے ابھی سے تھر تھر کانپ رہے ہیں

[ا] زمین دیکھنا استغراق کرنا تو کرنا۔
کثیف چاند ہے دیکھو نہ آسماں کی طرف ٭ مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں زمیں دیکھو (ناسخ)
بیمارِ غم جو اُس کا کھا کر زمین دیکھے ٭ خوش خوش وہ مقبروں کی جا کر زمین دیکھے (ذوق)

[۵۲] حبس۔ اُمس۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظیر کو تو قدرت کی طرف سے عام پروانگی ملی ہوئی ہی- کیا محل، کیا جھونپڑا ہر جگہ اُن کی آؤ بھگت ہی۔
جہاں بیٹھے وہیں ایک ٹھُلی نازک خیالی کی جما دی- غرض گرمی ہو- جاڑا ہو- برسات ہو- کوئی زمانہ ہو
کسی طرح کی واردات ہو- اِن کے خیال کو فرصت نہیں- یہ ایک کَل ہی کہ دن رات چل رہی ہی- اتنی بڑی
کَل، اور یوں دن رات چلے، اور صرف چھ ساڑھے چھ ہزار شعر ڈھلیں- یہ کوئی قرینِ عقل بات نہیں- مجھ کو
معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہی کہ نظیر کو جس قدر لکھنے کا شوق تھا اُس قدر اپنے کلام کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں
تھا- وہ زیادہ تر بہ تکلیفِ وقت لکھتا تھا- کوئی تقریب پیش آئی- دل میں خیال پیدا ہوا، لکھا اور پھینک دیا
دوست یا شاگرد اُٹھا کرلے گئے، تبرک سمجھ کر بیاض میں نقل کیا- خرمنِ نظیر کے اِن خوشہ چینوں میں
مائی تھان کے کھتریوں کا نمبر سب سے اوّل ہی- کُلیات جو مُتداول ہی اُنھی کے ہاں کی بیاض سے منقول ہی
نظیر کے زمانے میں کوئی ہندو رئیس تھا بلاس رائے اُس کا نام تھا- اُس کے چھ بیٹے تھے- ہربخش رائے
گوبخش رائے- مول چند رائے- تن سُکھ رائے- اور دو اَور جن کے نام معلوم نہ ہو سکے- ازبس کہ تعلیم کے
باب میں بلاس رائے کے خیالات روشن تھے اُس نے اُن کی تعلیم کے لیے نظیر جیسا مستعد اور طباع اوستاد
مقرر کیا- ہندو تو اپنے اُستاد کی بہت قدر کرتے ہیں- اِس خاندان میں نظیر کی بڑی قدر تھی- تنخواہ بھی کچھ کم
نہ تھی- ستر روپیہ ماہانہ ملتے تھے- نظیر کے خیالاتِ درویشانہ نے اُن کی تعظیم و تکریم کے خیالات میں اَور
ترقی بخشی تھی- وہ لوگ اِس کو درویش کامل کی طرح مانتے تھے- اور دین و دنیا دونوں کی سعادت اُس کی
خوشنودی میں منحصر جانتے تھے- سعادت مند شاگردوں نے بزرگ اُستاد کے کلام کو بڑے شوق سے جمع
کیا- نصیحت- حکمت- درویشی- ظرافت- عقیدت- کوئی رنگ ہو- کوئی ڈھنگ ہو- نظیر کا کلام ہونا چاہیے
بیاض میں نقل ہونا اُس کا ضرور- لیکن اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جس قدر کلام نظیر کا تھا وہ سب اُن لوگوں نے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

فراہم کرلیا۔ غزلیں جو کلیات میں درج ہیں چالیس سے زائد نہیں۔ وہ بھی غیر مرتب۔ حال آنکہ میرزا نوازش علی بیگ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اِن کا ایک پورا دیوان ہے جو ردیف وار مرتب ہے۔ باطن نے اشعار منتخب کیے ہیں اُن سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ ہر ردیف میں ان کی غزلیں ہیں۔ میرزا نوازش علی بیگ نے تو یہ بھی کہا کہ فقط اُردو ہی کا دیوان نہیں۔ ایک دیوان اِن کا فارسی میں بھی ہے۔ میں نے اُن سے طلب کیا تو اُنھوں نے فرمایا دونوں دیوان ایک میرے عزیز گوالیار لے گئے ہیں۔ وہاں سے منگوا کر حاضر کرونگا۔ نہیں معلوم کیا سبب آج تک اُنھوں نے وعدہ وفا نہیں کیا شاید اُن کے وہ گوالیاری عزیز دبا بیٹھے۔

(میرزا نوازش علی بیگ کے اخیر خط مورخہ ۲۔ اپریل ۱۸۹۳ء کی عبارت دیوان کے متعلق یہ ہے:-

"دیوان مرحوم مغفور کے معاملات سخت مشکل ہیں۔ میں تو ایک متوسلان سے ہوں۔ دُور کا ناتہ رشتہ ہے گو کیسا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ مگر اُن کے نواسے کنواسے زیادہ مستحق ہیں۔ اتفاق سے اُن کا گزر مجھ تک ہوا گوالیار سے تشریف لائے۔ بہت قیل قال بابت دیوان کے رہی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ سال بھر غریب خانے پر رہ کر وعدہ امروز و فردا ہی کرتے رہے۔ آخر وہ یہاں سے تشریف لے گئے۔ نہ خط و کتابت ہے۔ یہ تو کیفیت مختصراً عرض کی۔ مگر تدبیر ملنے دیوان کی گزارش کرتا ہوں کہ وہ حضرات عہدوں پر ہیں یعنی میر بشارت علی صاحب نائب کوتوال شہر دھولپور ریاست میں ہیں۔ دو بھائی امجد علی صاحب وغیرہ چھاؤنی مرار گوالیار میں۔ پتہ اُن کا عقب شفاخانہ سرکاری متصل بم پولیس کے مکان ہے۔ آپ ان صاحبان سے یہ لکھ کر کہ آپ لوگ خویش اور قریب میاں نظیر کے ہیں۔ آپ کے پاس دیوان میاں نظیر سُنا جاتا ہے۔ نقل یا اصل جیسی ہو مجھ کو بھیج دیجیے۔ کیا عجب ہے کہ بھیج دیں۔"

اِس خط کے بعد حسبِ ہدایت میں نے سلسلہ جنبانی کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔)

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کلیات کو چھوڑ کر اور بھی بعض تصانیف نظیر کی میری نظر سے گزری ہیں۔ جوگی نامہ اور جوگن نامہ کلیات میں نہیں ہے۔ جوگی نامہ کے ۳۹ بند ہیں۔ اور جوگن نامہ کے ۴۶ بند۔ یہ دونوں مخمس روٹی نامہ بنجارہ نامہ۔ کوڑی نامہ۔ پیسے نامہ۔ آٹا دال نامہ۔ گرہ بند نظیر (مکافات نامہ) ہنس نامہ کے ساتھ ۱۲۷۶ھ میں مطبع نظامی میں چھپے تھے۔ مخمس کے سوا کل نظمیں کلیات میں موجود ہیں۔

کلیات ابتداءً مطبع آلہی واقع کنبوہ دروازہ میں چھپا تھا۔ پھر بارِ ثانی ۱۲۸۲ھ میں مطبع احمدی واقع چارسو دروازہ میں چھپا۔ اِن دونوں چھاپوں میں بعض فحش بند اور بعض فحش نظمیں بھی تھیں جن کو منشی نولکشور نے اپنے ہاں کے اڈیشن سے موجودہ نفاست پسندی اور قانونی مصلحت سے خارج کردیا۔

نظیر نے کریما کی بھی پوری تضمین کی ہے اور یہ تضمین چھپ گئی ہے۔ ہر جگہ ملتی ہے۔ کریما کی تضمین کا سبب معلمی نے دکھایا جس کی وجہ سے اُس کتاب سے اُس کو بہت زیادہ تعلق رہتا تھا۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے دل میں آگئی کہ لاؤ اس کی تضمین کر ڈالوں۔ مذاق تو متفق تھا ہی۔ تھوڑے ہی دنوں میں پوری ہوگئی اُس میں کا ایک شعر دل سے نہیں بھولتا جو واقعی ضرب المثل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ضرب المثل ہے بھی ؎ سپیدی نے ڈالا سیاہی کو دھو + گئی پر نہ تجھ سے لڑکپن کی بو + بو نظیر کی زبان پر بواو مجہول ہے۔ قدیم میں لوگ اسی طرح بولتے تھے۔

میری رائے میں اُردو کے شعرا میں آج تک نظیر سے بہتر کسی نے تضمین نہیں کی گویا نظیر تضمین بادشاہ ہے۔ باطن اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ حافظ کے دیوان کی تضمین کر ڈالی ہے۔ گنتی کی غزلیں تضمین سے رہ گئی ہوں گی۔ چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

"دیوانِ حافظ کی چند غزلیں زیورِ خمسہ سے معرا ہیں۔ باقی سب جواہرِ فکر سے مرصع ہوئیں۔" اگر حافظ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کُلہم چھ ہزار شعر ہوں تو ہر شعر پر اِن کے تین مصرع۔ چھ ڈیوڑھے نو ہزار شعر میاں نظیر کے ہوتے ہیں۔ کچھ غزلیں اگر چھوٹ گئی ہیں تو ہزار شعر چھوڑ دیجیے۔ آٹھ ہزار میں تو کوئی کلام نہیں۔

مُخمّسوں کا یہ دیوان میں نے نہیں دیکھا۔ کُلیات میں جس طرح خسرو۔ سعدی۔ کی غزلوں کی تضمین ہی دو چار غزلیں حافظ کی بھی تضمین کی ہوئی ہیں۔ جن غزلوں کی تضمین کُلیات میں ہی اُن کے مطلع یہ ہیں:-

سحرگاہانہ مخمورِ شبانہ	گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ
دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ ساقی بنورِ بادہ بر افروز جامِ ما ساقیا برخیز و دردہ جام را صوفی بیا کہ آئنہ صاف ہست جام را	خرقہ تردامن و سجّادہ شراب آلودہ مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما خاک بر سر کُن غمِ ایّام را تا بنگرے صفاے مےِ لعل فام را

حافظ انور خاں جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہی فرماتے تھے کہ ایک روز میں ایک پنساری کی دُکان پہ کھڑا تھا میاں نظیر کے ایک شاگرد بھی اُس دُکان پر سودا لے رہے تھے۔ وہیں پہ اُنھوں نے باتوں ہی باتوں میں بیان کیا کہ نظیر کا کلام جو یہ چھپا ہی یہ تو بہت ہی مُختصر ہی۔ کُچھ بھی نہیں۔ ایک میرے پاس جس قدر کلام اُن کا ہی کوئی ڈیڑھ لاکھ شعر کے قریب ہی۔ مُمکن ہی کہ اِس میں کسی قدر تخمین کی غلطی ہو، لیکن اِس سے یہ بات تو صاف ظاہر ہوتی ہی کہ نظیر بہت ہی پُرگو شخص تھا۔ آٹھ ہزار تضمین کے شعر، سات ہزار کُلیات کے، پندرہ ہزار تو یہ بھی ہوتے ہیں۔ چھ سات ہزار شعر دیوان میں بھی ہوں گے۔ ایک فقیر نظیر کی نظم کی ہوئی خیبر کی لڑائی پڑھتا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے سُنا بلکہ قصد کیا کہ لکھ بھی لوں لیکن فقیر بعض خام خیالی کے سبب لکھوانے پر راضی نہ ہوا۔ یہ نظم بھی کہیں چھپی نہیں۔ اور بہت سی نظمیں فقیروں کی زبان پہ ہیں جن کو چھاپے کا فائدہ ہنوز نہیں پہنچا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حقیقت یہ ہے کہ نظیر اکثر نظمیں لوگوں کی فرمایش سے بھی لکھا کرتا تھا۔ اور چوں کہ طبیعت دریائے مواج تھی اُس کو اپنے کلام کی چنداں پروا نہ ہوتی تھی۔ لکھا اور صاحب فرمائش کے حوالے کیا۔ اس طرح بہت سی نظموں کی نقل خود اُس کے پاس بھی نہ رہی۔ اُن دنوں چھاپہ خانہ تو تھا نہیں۔ بڑا چھاپہ خانہ یہ تھا کہ گلے غزلیں ارباب نشاط کی زبانوں پر ہوں۔ شہروں شہروں رنڈیاں گاتی پھریں اور اُن کو شہرت ہو۔ عارفانہ کلام فقیروں کی پُر اثر صدا بن کر درِ قبول پر دھونی دے۔ رندانہ کلام بھٹیوں اور بھنگڑ خانوں میں اپنے سے یاروں کو مست کرے۔ جہاں کوئی کلام کسی مذاق کا نظیر کے قلم سے نکلتا تھا وہ اُس کی اشاعت کے لیے بے چین ہوتا تھا۔ اُس کو اس کی چنداں پروا نہ تھی کہ اُس کی کوئی نقل اُس کے پاس موجود رہے اور کُلیات کے حجم کو بڑھائے۔ وہ شہرت کے چھاپے خانے میں اپنا کلام فوراً چھپوا لیتا تھا۔ پھر دیکھتا تھا کہ ہر دل میں اُسی کا نقش ہے اور ہر زبان کو اُسی کا ورد۔ افسوس نسیان کے جھونکے نے بہتیرے اوراق اُڑا دیے قلم کے کانٹوں سے اُلجھ کر جو رہ گئے ہیں وہی تو ہیں باقی سب برباد۔ یہ بچے کھچے بھی کوئی اکیس بائیس ہزار ہیں۔

نظم کے علاوہ نثر بھی نظیر نے لکھی ہے۔ لیکن اُن دنوں اُردو نثر کا رواج نہ تھا۔ لوگ نثر لکھتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ اور مختلف خیال اُن کے دل میں پیدا ہوتے تھے۔ نظیر نے بھی انھی خیالات سے اُردو میں طبیعت آزمائی نہیں کی۔ نثاری کے اکھاڑے میں ایرانی پیترے کیے ہیں۔ باطن کا تو بیان ہے کہ نو نثریں نظیر نے لکھیں مگر میری نظر صرف پانچ سے روشن ہوئی۔ باطن کی عبارت یہ ہے:-

"جس وقت مزاجِ عالی تحریرِ نثر پر ملتفت ہوا مضمون انشاہائے نرمی گزیں۔ قدرِ متین۔ فہم قرین۔ بزمِ عیش رعنا زیبا۔ حُسنِ بازار۔ طرزِ تقریر۔ وغیرہ نو عدد مثالِ نورتن زیبِ بازوے شاہدِ مدعا ہو کر دست بستہ آن پہنچا۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گنوائیں گو نو ہیں مگر نام اُن کے ہاں بھی سات ہی کے ہیں۔ اِن سات میں نرمی گزین اور رعنا زیبا تو میرے پاس نہیں باقی سب ہیں۔ یہ نثریں چھپیں نہیں۔ میرزا نوازش علی بیگ کی نوازش سے مجھ کو قلمی نُسخہ ہاتھ آیا۔ اُن کا بیان تھا کہ خود میاں نظیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی۔ چھوٹے چھوٹے ورق تھے۔ کتابت میں وضاحت۔ خط خوش خط نستعلیق۔ میرے پاس اُسی نسخے کی نقل ہی۔ ہرچند یہ امر مسلّم ہی کہ میاں نظیر اچھے خوش نویس تھے۔ چنانچہ شاہ محمد اکبر ابو العلائی داناپوری نے بھی اپنے بیان سے اِس کی شہادت دی۔ لیکن اِس میں مجھ کو کلام ہی کہ یہ نثریں اُنھی کی کتابت سے ہیں۔ اِس لیے کہ اُن میں بعض ایسی غلطیاں نقل کی ہیں جو سوا الکاتب کو دن کے مصنّف سے ہو ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً تصحیف جو گھٹی نویسی کا دُوسرا نام ہی۔ مُصنّف خود تصحیف کی غلطی نہیں کرسکتا۔ بعض نثروں کی تصحیح شاید خود مُصنّف نے کی ہی اور حاشیے پر غالباً اُنھی کا خط ہی۔ وہ خط بھی بُرا نہیں۔ بلکہ خوش خط ہی۔ بعض نثریں ایسی بھی ہیں جن کی تصحیح نہیں ہوئی۔ اُن میں اکثر نہایت فاش غلطیاں نظر آتی ہیں۔ جو مُصنّف کے قلم سے ناممکن ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظیر کی شاعری پر عام رائے

(۱) نظیر کا مفہومِ فطرت:- نظیر فطرت کو آبادی سے الگ خیال نہیں کرتا۔ اُس کی نگاہ میں فطرت صنعت سے ملی جُلی نظر آتی ہی۔ فطرت جو اُس کے خیال میں ہی وہ سراسر تمدّنی ہی۔ فطرت جو سوسائٹی سے الگ ہی اُس کی وہ چنداں پروا نہیں کرتا۔ سوسائٹی میں بھی فطرت کُل وجُل نہیں نہ جزوِ غالب بلکہ وہ ایک خوش نُما بیک گروَنڈ کا کام دیتی ہی جو سوسائٹی کے خط و خال کو عُمدہ طور سے نُمایاں کر سکے۔ اُس کے ہاں پہاڑوں کی رُعب دار کیفیت کا بیان نہیں ہی۔ اُس کے ہاں جنگلوں کا پُر لطف وحشت ناک سماں نہیں دکھایا گیا۔ وہ پہاڑ پر برف کی چوٹیاں نہیں دکھاتا۔ وہ سمندر میں برف کے پہاڑ نہیں قائم کرتا۔ اُس کے ہاں سمندر نہیں۔ سمندر کا طوفان نہیں۔ اُس کے ہاں جوالا مُکھی نہیں۔ جوالا مکھی سے بھونچال[۵۱] نہیں۔ وہ جنگلوں میں آگ نہیں لگاتا۔ وہ دشت میں بجلی نہیں گراتا۔ وہ آبادی میں ہی اور منجھ آبادی میں۔ وہ گانوں میں صرف ہوا خوری کو کبھی کبھی نکل جاتا ہی مگر زیادہ تر رہتا وہ شہر ہی میں ہی۔ اُس کی سوسائٹی میں آتے اُمراء اکابر بھی ہیں مگر انقلاب زدہ اور مُصیبت رسیدہ۔ زیادہ تر اُس کے ہاں بازاری خلقت بھری رہتی ہی۔ کبھی کبھی خوش پاکر اُس کو کم عُمر بچے بھی گھیر لیتے ہیں بعض خاص وقتوں میں عاشق مزاج لوگ بھی آکر اپنا دردِ دُکھ اُس کو سُنا جاتے ہیں۔ وہ فطرت کے قہر و غضب کو بھی دکھاتا ہی مگر وہ قہر و غضب چشمۂ شفقت میں بجھا ہوا ہوتا ہی۔ یہ غضب

---

۵۱ بھونچال پر ایک نظم ہی جس کی ٹیپ یہ ہی:- دریا و کوہ و شہر جنگل سب ہلا دیا + اک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
یہ زلزلہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں آیا تھا۔ شاعر نے اُس سے ایک واعظانہ اثر لیا ہی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ اسی طرح کا غضب ہی جس طرح کے غضب کا برتاو اچھے نیک مزاج ماں باپ اپنے پیارے بچوں کی بعض خفیف ناہموار باتوں پر کرتے ہیں۔ گویا وہ فطرت کو انسان کے ساتھ پوری ہمدردی کرنے والی شفیق ماں سمجھتا ہی۔ کبھی کبھی اُس کے تیور پر میل بھی آتے دیکھتا ہی۔ لیکن وہ دیکھتا ہی کہ تبسم بھی اُس کے بعد ہی ہی۔

(۲) انسانی فطرت:۔ انسانی فطرت کے اُس جوش کو وہ بہت پسند کرتا ہی جو انسان کے مدنی الطبع ہونے کو زور سے ثابت کرتا ہی۔ اِس موقع پر اُس کی نگاہ میں کوئی عیب عیب نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ وہ جانتا ہی کہ گو بعض تفصیلات قابل گرفت ہوں مگر حقیقت میں اُن کے اجتماع کا باعث ایک امر محمود ہی جس پر تمام دُنیا کی آبادی کا دار و مدار اور انحصار ہی۔

(۳) نظیر کی ہمدردی:۔ اشجار و طیور و بہائم و احجار وغیرہ میں نظیر کی ہمدردی نافذ نہیں ہی مگر انسان کے کُل طبقات کے درمیان اُس کی ہمدردی الکٹرک کرنٹ (بجلی کی لہر) کی طرح پھیل کر تریاقی اثر پھیلاتی ہی۔

غیر ذی روح۔ کسی قدر کورے برتن میں اُس کی یہ روح بہت تری و تازگی کے ساتھ سمائی ہی۔ روئیوں میں بھی نور ظہور خاصہ ہی۔ تربوز اور نارنگیاں بیک گروند میں پڑی ہیں۔ ککڑیوں میں کچھ جان ہی۔ ازار بند بھی اپنا مول تول خاصہ دکھا رہا ہی۔ موتی میں بھی آب و تاب ہی۔

طیور۔ بلبلوں کی لڑائی اور بٹیری اور راز نے کی لڑائی میں طیور کی جنگ آزمائی اور حسن تدبیر کا تماشا دکھایا ہی۔ ہنس بلند شاخ سے اُڑا ہی اور پھر بلندی شاخ پر جا کر بیٹھا ہی۔ معاشرت کی ہوا اُس کو لگی نہ لگی دونوں برابر ہی۔ دکھایا ہی کہ طیور میں رنگِ محبت اُسی طرح پھیکا ہی جس طرح انسانوں میں۔

چرند و درند۔ ہرن کی اُچھل پھاند خاصی ہی۔ حسن اور ناز پروردگی اور اُمور دنیا سے ناواقفیت یہ باتیں ہرن میں جمع ہو کر اُس کو وقفِ ناز اور گرفتارِ بلا کرتی ہیں۔ کوّے کی دوستی اور ہوشیاری اور تجربہ کاری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُس کو چھڑاتی ہی۔ معجزے والی شیرنی شفقتِ مادری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہی۔

(۴) نظیر کا مفہوم موت:۔ موت کو وہ ایک عمدہ مُصلحِ اخلاق جانتا ہی اور اُمراء کا بر پر جو انقلابات طاری ہوا کرتے ہیں وہ اُس کے خیال میں اس غرض سے ہیں کہ عام خلقت کو عبرت ہو اور اُن کے اخلاق دُرست رہیں۔

وہ سوسائٹی کا اِس قدر عاشق ہی اور اس کی اجتماعی خوش گوار کیفیت اُس کے دل پر اِس قدر چھائی ہوئی ہی کہ جب عین اِس کیفیت میں وہ ڈوبا ہوتا ہی تو کبھی کبھی اُس کو موت کی مصلحت میں بھی کلام معلوم ہوتا ہی۔ کوئی موت کا نام لیتا ہی تو کانپ اُٹھتا ہی اور متوہم ہو کر اُس کو ذکرِ موت سے منع کرتا ہی۔

(۵) نظیر کا خیالِ دین:۔ دُنیا اُس کے نزدیک اصل ہی اور دین اُس کی فرع۔ جو ہستی کہ دین میں ہوگی وہ گویا اِس جہان کی ہستی پر مُنحصر ہوگی۔ وہ ایک عکس ہوگا جس کا سارا دار مدار آج کل کی زندگی پر ہی وہاں اغراض کی گرم بازاری نہ ہوگی۔ لوگوں میں ملنے جُلنے کا مادہ نہ ہوگا کیوں کہ کسی کو کسی سے غرض نہ ہوگی۔ تعلّق اغراض سے روابط پیدا کرنے کی بہار نہ ہوگی۔ طلب و تلاش کی گرم بازاری سرد ہو جائے گی ہر شخص فنا فی الحق ہوگا اور غرقِ لذّاتِ عیشِ مُطلق۔ ادیان کے اختلاف کو وہ کوئی امر مخلِ حکمتِ الٰہی قرار نہیں دیتا۔ اُس کے نزدیک خدا کے ماننے والے گویا سب بخشے جائیں گے۔ ہر مذہب میں اُس کے خیال کے مطابق انسان کی بھلائی کے لیے مُفید نصائح ہیں۔ موت سے وہ ڈرتا ہی مگر اس وجہ سے کہ سوسائٹی اُس سے چھوٹتی ہی اور دُنیا کی بات دنیا کے ساتھ جاتی ہی۔

(۶) نظیر کے خیالات معجزوں اور خرقِ عادات کی نسبت:۔ وہ خدا کی قدرت کے آگے ان کو مطلق بعید نہیں سمجھتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۷) نظیر کے الفاظ:- ان کی تین قسمیں ہیں روڑے، سنگ ریزے، جواہرات۔ روڑوں میں وہ الفاظ ثقیل و دشنام آمیز شامل ہیں جو کچھ تو آزادوں کی طرف سے ملے ہیں اور کچھ سوسائٹی کی بدلگامی نے عنایت کیے ہیں۔

(۸) نظیر کی ترکیبیں:- الفاظ ایک خاص وضع سے اُس کے دماغ میں ترتیب پا گئے ہیں اور اسی ترتیب سے پختگی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ گویا اُس کے دماغ میں متفرق الفاظ نہیں ہیں جن کو وہ دقت پر ترکیب دیتا ہو بلکہ مختلف طول کی لڑیاں ہیں جو پروئی ہوئی رکھی ہیں اور وقتِ ضرورت خود بخود نکل آتی ہیں۔

(۹) نظیر کے قافیے:- قافیوں میں نظیر اکثر پہلوِ دقت اختیار کرتا ہے اور اس دقت میں آسانی کی ایسی راہیں نکالتا ہے کہ دقت سہلِ ممتنع ہو کر نظر آتی ہے۔ اکثر اس خصوص میں وہ استلزام مالایلزم کی رعایت کرتا ہے۔

(۱۰) نظیر کی بحریں:- رفتار اکثر کی سست ہے۔ نصیحت کی نظمیں اور بعض نظمیں جو تقریبات کے بیان میں ہیں اُسی طرح کی ہیں نصیحت کی بعض تیزی بھی دکھاتی ہیں اور وہ غالباً آزادوں کی زبان سے ہیں لڑائی کے بیان میں اکثر بحریں تیز ہیں۔

(۱۱) ہندی مضامین اور ہندی الفاظ:- ہندی مضامین اور ہندی الفاظ کا بھی اُس کے دماغ میں ایک عمدہ خمیر پیدا ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اُس کے اس قسم کے کلام میں بھی ایک خاص مزہ ہے۔

(۱۲) نظیر کی جدت:- غزل کے سوا نظیر پرانی لائن پر چلنے کی بہت کم خواہش رکھتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس میں بھی بہک جاتا ہے۔

(۱۳) تضمین:- نظیر تضمین کا آپ کو امام اور مجتہد جانتا تھا اور واقعی تھا بھی۔

(۱۴) ناصحانہ کلام:- اُس کے ناصحانہ کلام پر زیادہ تر اثرِ درویشی پایا جاتا ہے جیسے کوئی درویش دنیا سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

منھ موڑے ہوئے اپنے مُریدوں اور چیلوں کو نصیحت کر رہا ہو۔

(۱۵) صنائع:۔ نظیر صنائع کا برتاؤ بہت کم کرتا ہے۔

(۱۶) اغلاط:۔ کچھ تو وہ ہیں جو غلطیِ کاتب کی وجہ سے ہیں کیوں کہ مُصنّف کو جمع کی طرف چنداں خیال نہ تھا۔ کچھ وہ ہیں جن کو وہ رواج اور استعمال کی وجہ سے صحیح سمجھتا تھا۔ غلط العام فصیح۔ اور کچھ وہ ہیں جو اَب داخلِ اغلاط ہیں مگر پہلے وہ یوں نہ تھے۔ یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہ کے قاعدے کو وہ کسی قدر وُسعت کے ساتھ برتتا ہے۔

(۱۷) نظیر کے کلام کی بقا:۔ نظیر کے کلام کا وہ حصہ جو اُس نے اپنے خاص مذاق اور خاص خیال کے مطابق شاعرانہ جوش میں لکھا ہے کبھی فنا ہو نہیں سکتا اور اِس قسم کا کلام اُس کے مجموعے میں نصف سے زیادہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غزلوں پر رائے

غزلوں کے لیے سب سے بڑی چیز یہ ہی کہ شاعر کے دل میں عشق کا گہرا اثر ہو۔ چنانچہ اکثر شعرا کی نقلیں مشہور ہیں کہ جب کوئی اُن سے شاگرد ہونے کو گیا تو پہلے اُنھوں نے چھوٹتے ہی پُوچھا کہ "میاں، تم نے کہیں دل بھی لگایا ہی؟" حقیقت یہ ہی کہ انسان غزلوں میں ایک سچے عاشق کا پارٹ[1] پلے کرتا ہی۔ اگر معشوق سے جُدا ہی تو اُس کو سراپا سوز و گداز ہونا چاہیے۔ اور اگر وصل سے کامیاب ہی تو اُس کو ہمہ تن شوق و نیاز ہونا چاہیے۔ جب تک جُدائی اور وصل کے مزے خود نہ چکھ چکا ہو وہ ایک عاشق کے اصلی خیالات کیوں کر جان سکتا ہی؟ اور اُن کی اچھی اور سچی تصویر کیوں کر کھینچ سکتا ہی؟۔ نظیر کے حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ واقع میں گویا عشق و عاشقی ہی کے لیے بنایا گیا تھا۔ جہاں کہیں اچھی صورت دیکھتا تھا پھسل پڑتا تھا بیسیوں واقعات اپنے عشق کے اُس نے خود قلم بند کیے ہیں۔ اِن واقعات کی تفصیل اگر منظور ہو تو بزم عیش اور طرزِ تقریر اُس کی دیکھ لو۔ طرزِ تقریر میں یہ شعر اِس نے حسبِ حال کیا خوب لکھا ہی۔

چناں محوِ پری وش شمع رُویانم کہ ای یاراں	مرا دیوانہ و پروانہ باید پیش ازیں گفتن

جس کی ساری عمر حُسن پرستی اور عاشقی میں بسر ہوئی ہو اُس کے عاشقانہ خیالات کی تاثیر کا کیا پوچھنا ہی جتنے مضامین ہیں دل کو چھو کر نکلتے ہیں اور دل ہی میں جا کر بیٹھتے ہیں۔

اس باب میں تو کچھ نظیر ہی منفرد نہیں۔ میر صاحب کا یہ رنگ اِن سے کہیں بڑھا ہوا ہی۔ لیکن اُن کے

[1] عاشق کی پُوری پُوری نقل کرتا ہی جس طرح تھیٹر والے کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خیالات زیادہ تر محرومی کے دھندلکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا عشق اکثر ناکام رہا۔ وہ فراق کے جلتے بھنتے مضمون بہت گرم نکالتے ہیں لیکن وصل میں اُن کے بالکل ہی پھیکے پڑ جاتے ہیں ٭ نظیر ہجر میں ایک بیتاب عاشق ہے۔ رات اُس کو پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دن اُس کو کاٹے کھاتا ہے۔ تصورات اُس کو ستاتے ہیں۔ آنکھ کھولے ہوئے ہے جب بھی معشوق سامنے ہے آنکھیں بند ہیں جب بھی معشوق سامنے ہے۔ کبھی خواب کا طلسم کھڑا کرتا ہے۔ معشوق سے اُس میں مُلاقات ہوتی ہے۔ ذوق شوق کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ پھر آنکھ کُھل کر سارا طلسم ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ پھر وہی انتظار کی زحمتیں ہیں۔ وہی وعدہ خلافیوں کے صدمے۔ وہی شوق کی فراوانی۔ وہی نام و ننگ سے قطعِ نظر۔ وہی ناصحوں سے نفرت وہی رُقبا سے عداوت۔ وہی یاس کی دل آزاری۔ وہی مرگ کی تمنا وہی گریہ کی طُغیانی۔ وہی جنوں کی جیب دری وہی آبلہ پائی۔ وہی داغوں کی افراط۔ وہی ہوا سے باتیں۔ وہی در و دیوار سے گفتگو جب نظیر وصل کے شبستان میں شمعِ عیش روشن کرتا ہے وہ ہجر کی تاریکی بالکل رفع ہو جاتی ہے۔ اس کے کُل زخم بھر جاتے ہیں۔ وہ جن آنکھوں سے رو رہا تھا اب اُن میں تبسّم کے اثر سے ایک خاص مسرت انگیز شگفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ لختِ دل جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گئے تھے اب پھر سمٹ آئے ہیں اور سینے میں پھر ایک بھلا چنگا دل بڑا خوشیوں کی اُمنگ پیدا کر رہا ہے۔ آبلوں میں جو کانٹے چبھے تھے اُنھی کانٹوں نے سوئیاں بن کر اُن کے پھٹے ہوئے جیب و دامن کو رفو کر دیا ہے۔ دل کے داغ اب داغ نہیں ہیں ہرے بھرے باغ ہیں۔ مرگ کی تمنا کے عوض زندگانی جاودانی کے تصور بندھ رہے ہیں۔ معشوق جو نظر آتا ہے اور کوٹھری قصور کا جلوہ دکھاتی ہے۔ اگر پاس میں کوئی خانہ باغ ہے تو بلا تشبیہ روضۂ رضواں ہے۔ رات پہاڑ

٭ چنانچہ یہ شعر میر کے شاہد حال ہیں ۔ یا روئے، یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گزری ٭ کیا ذکر ہم صفیرو، یارانِ شادماں کا ٭ قید قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی ۔ گلشن میں تھے تو ہم کو منصب تھا روضہ خوان کا ٭

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی گردِ وصل نے ایک چھوٹے مُنتر سے میں پربت سے رائی کر دیا - ادھر آئی اُدھر گئی - مُرغِ سحر کی آواز دل میں چٹکیاں لیتی ہی - اور مُوذن کی بانگ بے ہنگام بے چین کرتی ہی - بزمِ عیش کی تصویریں نظیر نے نہایت شوخ رنگ کھینچی ہیں - یہ رنگ اُس کی طبیعت میں اُس کی عام کامیابی نے بھر دیا تھا - میر صاحب کے ہاں یہ رنگ بہت ہی پھیکا ہی - وہ اپنی مایوسی اور افسردہ دلی سے بشکل اُبھرتے ہیں - وہ ہنستے ہیں تو ٹھیک اُسی طرح جیسے کوئی ماتم زدہ صفِ ماتم پر ہنسے - اُن کی ہنسی میں آورد ہی اور نظیر کی ہنسی میں آمد - اُن کی ہنسی جاڑے کی صبح ہی - اور نظیر کی ہنسی صبحِ بہار - ایک طرف تمام کُہرا چھایا ہوا ہی اور ایک طرف پڑا نور برس رہا ہی -

مجھ کو ابتدا میں ایسا خیال تھا کہ نظیر نے شاید غزلیں کُل اُس عُمر میں لکھی ہیں جب کہ اُس کا شباب تھا اور دل میں عشق و عاشقی کی اُمنگ بھر رہی تھی - مگر جب غور سے اُس کی غزلوں کو دیکھا تو یہ خیال بدل گیا اس لیے کہ بعض غزلوں میں اس قسم کی پُختہ مشقی نظر آئی کہ اُن کو جوانی کی طرف منسوب کرنا چنداں قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا - ہاں اتنی بات ضرور ہی کہ عاشقانہ غزلوں کے کہنے کی اُمنگ جوانی نے پیدا کی اور اس زمانے سے مشق برابر جاری رہی - پکّی عمر میں پہنچ کر جب اُس کے خیالات پر صوفیانہ مضامین کا ہجوم ہونے لگا اور نصائح کے خیالات اُبلنے لگے - اُس وقت غزلیں ایک مُہمل چیز معلوم دیں - لیکن مشق اتنے زمانے کی بے کار ہاتھ سے نہیں دی جا سکتی تھی اور اُن دنوں کے کُچھ خیالات بھی یہ تھے کہ تا وقتے کہ انسان متغزل نہ ہو شاعر ہی نہیں - پھر مختلف مقامات میں طرحیں ہوتیں - لوگ اُن طرحوں کو لاکر سُناتے اور اُس طرح میں اَور لوگوں کی غزلوں کی تعریفیں کرتے تو خواہ مخواہ دل میں تحریک پیدا ہوتی - غرض اس طور پر کبھی کبھی غزل کی طرف بھی توجہ کرتا - مسدس اور مخمس اور غزلوں میں آسمان زمین کا فرق ہی - خصوصاً اس کے مخمس مُسدس - مگر جب غزل گوئی پر جھکتا ہی تو شربت کے گھونٹ کانوں کے رستے اُتار دیتا ہی -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس غزل پر نظر کرو اُستادی کی ٹپّا اور تجربے کی گانٹھ ہی۔ بعض غزلیں مسجّع بھی ہیں۔ اور بعض میں بعض صنائع بھی خرچ کیے ہیں۔ بعض غزلوں کو جوشِ مضامین کی جہت سے قطعہ بند پائیے گا۔ کلیات میں غزلیں ردیف وار مرتّب نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہی جس جس طرح کہتا گیا ہی بیاض میں درج کرتا گیا ہی۔ اس لیے کسی قدر اُن غزلوں کی ترتیب تاریخی معلوم ہو سکتی ہی۔

غزل نمبر (۷) سے تقلید میر کی جھلکتی ہی۔ یعنی طرزِ بیان میں کسی قدر فارسیت ہی جس کو غالب نے دور حد تک پہنچایا تھا۔

شور افگن جنوں ہی جس جا نگاہ کرنا	رکھتا ہی کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
جانا بھی آ گئے اُس کے اکثر پئے نظارہ	باعث بھی بہر اخفا پھر رو بہ راہ کرنا
ملتا بھی اُس وش سے جس میں گمانِ اُلفت	گر کچھ بھی ہو تو وہ نہیں دورِ اشتباہ کرنا
پوچھا گر اُس صنم نے: "ہم حسن میں ہیں کیسے؟"	تو بے شعوری اپنی ہنس کر گواہ کرنا
کیا کیا نظیر تجھ میں مکر و فریب ہیں جو	اُس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

اس غزل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہی کہ نظیر نہایت چوگوشیہ آدمی تھا۔ ہر موقع پر نہایت موقع سے بات بنا دینا جانتا تھا۔

بعض غزلیں مُردّف نہیں ہیں۔ یہ طرز قدما کی ہی۔ فارسی میں اکثر بے ردیف غزلیں اُستادوں نے کہی ہیں۔ اور ردیف کی کمی کو قافیے کی چستی سے پورا کر دکھایا ہی۔ اُردو کے قدیم شعرا تو اکثر فارسی اُستادوں کی خوشہ چینی کرتے رہے ہیں۔ محاورے لیتے تھے۔ طرحیں لیتے تھے۔ طرزیں اختیار کرتے تھے۔

؎ کلیات کی غزل نمبر (۲۷) واسع الشقتین ہی۔ غزل نمبر (۴) میں صنعتِ سوال و جواب ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاص خاص بحریں اور زحافات جائز کرتے تھے۔ اکثر اوقات ریختہ پردہ عالم ہوتا تھا کہ جیسے کسی ایرانی نے ہندوستانی لباس پہن لیا ہو۔ جوں جوں زبان ترقی کرتی گئی، اور شاعری قدم اصلاح بڑھاتی گئی قیدیں بڑھتی گئیں اور خصوصیتیں پیدا ہوتی گئیں۔ موجودہ خصوصیات کے روسے خصوصاً لکھنؤ والوں کے خیالات شستگی کے مطابق غیر مردف غزل کہنا گویا ایک طرح کا جرم ہے لیکن پھر بھی بعض شعرا کہتے ہیں۔ چنانچہ حالی کا یہ مطلع اس کی شہادت کافی ہے:-

حکم ہے پیر مغاں کا کہ جوانی نہ گنواو	خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاو

نظیر کی طرز کسی قدر انشا سے ملتی ہوئی ہے۔ وہی شوخی عبارت ہے۔ وہی لطف زبان۔ وہی چوچلے۔ وہی ڈھکوسلے۔ وہی روانی۔ اپنی روانی کی طرف نظیر ایک غزل کے مقطع میں خود یوں اشارہ کرتا ہے

نظیر ایک غزل اس زمیں میں اور بھی لکھ	کہ اب تو کم ہے روانی ترے سخن کی سی

فرق انشا اور نظیر میں صرف اس قدر ہے کہ یہ کہیں کہیں عارفانہ غوطے لگاتا ہے اور وہ کسی قدر اس سے دور ہے۔ اکثر غزلیں جو نظیر کی پر لطف ہیں قطعہ بند ہیں، اور بہت کم غزل کلیات میں ایسی ہے جس میں کوئی قطعہ نہ ہو۔

کلیات میں ان غزلوں سے اس کی طرز خاص آشکارا ہے۔

غزل نمبر ۱۔ غزل نمبر ۱۲ غزل نمبر ۱۵ غزل نمبر ۱۷ غزل نمبر ۱۸۔ غزل نمبر ۲۳۔ غزل نمبر ۲۶۔ واقعی یہ غزلیں جوانی کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اسی زمانے میں آہستہ آہستہ رنگ تصوف بھی چڑھ رہا تھا یہ تصوف عشق مجازی کے رستے سے آیا۔ اسی لیے اس کو عاشقوں کے ساتھ غالباً ہر کلام میں ہم دردی ہے ان کے ساتھ کبھی تشدد نہیں کرتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے کلام میں بھی شروع شروع عبرت کا رنگ ظاہر ہوتا ہی اور کبیر کے سے خیالات آہستہ آہستہ پیدا ہوتے ہیں:-

تنِ مُردہ کو کیا تکلف سے رکھنا	گیا وہ تو جس سے مُزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا	مُشّین بدن تھا، معطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی، تو دیکھا	نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا
نظر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی	جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

نظیر کے خیالات پر بہت ہی ابتدا میں تصوّف کا رنگ چڑھتا ہی، اور غالباً یہ رنگ عشقِ مجازی کے آئینے سے جھلکتا ہی:-

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا	یا رب تری قُدرت میں ہی ہر آن تماشا
لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ	ہر شکل عجائب ہی، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کے جھلکتے ہیں طلسمات	اور روے زمیں پہ گُل و ریحان تماشا
جنات، پری، دیو، مَلَک، حُور بھی نادر	انسان ہیں اُعجوبہ تو حیوان تماشا
جب حسن کے جاتی ہی مرقّع پہ نظر، آہ!	کیا کیا نظر آتا ہی ہر اک آن تماشا!
چوٹی کی گُندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہی لہریں	رکھتی ہی کہیں زُلفِ پریشان تماشا
مُنھ زرد، بدن خُشک، جگر چاک، الم ناک	غُل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا
گر عشق کے کوچے میں گُزر کیجے تو واں بھی	ہر وقت نئی سیر ہی، ہر آن تماشا
ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ!	سب ارض و سما کے ہیں گلستان تماشا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر نے ایک غزل میں معشوق کا سراپا لکھا ہی جس سے اُس کی مصوّرانہ قُدرت کا کُچھ حال معلوم ہو سکتا ہی۔

رُخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب نامِ خدا ہو ترے قربان پری

جُھکے جُھکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری

رشکِ خورشید جبیں، ابرِ سیہ سی تس پہ
لہر چوٹی کی غضب، زُلفِ پریشان پری

حُسن گلزار، قمر شکل، صُراحی گردن
مہ جبیں، سیب ذقن، چاہِ زنخدان پری

اُٹھ غمزے کی بلا، تیرِ نگہ، دشنۂ[۱] سناں
تیغ ابرو کی ستم، ترکشِ مژگان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
لہر کاجل کی کھچاوٹ، مسی و پان پری

بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے
حورِ جنّتی کی جھلک، گوہرِ غلطان پری

دھکدھکی چاند سی، جگنوں بھی ستاروں کی مثال
عطرداں طُرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری

چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا
انگیا تصویر سی، کُرتی کا گریبان پری

پُشتِ گُل برگ، شکم سیم، کمر تارِ نگاہ
ساق بلور، گلاوٹ میں ہر اک ران پری

گھیر اشواز کا وہ جس کی کناری قُرباں
چال آفت کی نشاں، جُنبشِ داماں پری

کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قد پری، دھج پری، عالم پری اور شان پری

[۱] دشنہ کہتے تو ہیں نگاہ کو مگر چوں کہ نگاہ کا لفظ اوپر آچکا ہی قیاس چاہتا ہی کہ شاعر نے کوئی اَور معنی ذہن میں رکھے ہوں گے بعض خاص ترکیبیں دیکھنے کی ایسی ہوتی ہیں جن کو نگاہ تو نہیں کہہ سکتے مگر وہ نگاہ سے الگ بھی نہیں جیسے مستی خمار خواب آلودگی حیرانی۔ غالباً اُنھیں حُسن افزا اور دل فریب ترکیبوں کو دشنہ سے تعبیر کیا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک خاص طرز نظیر کی یہ ہے کہ وہ اکثر مشکل طرحیں کرتا ہے اور اُن میں بڑی سلاست سے مضامین نکا
طرحوں کی دقّت کہتی ہے کہ اُس کو تشبیہات اور استعارات پیچ در پیچ کے پیچ زمینِ شعر میں چپت ہی کر
رہیں گے لیکن وہ اس اکھاڑے سے بھی سلاست کے خم ٹھونکتا ہوا نکل آتا ہے۔ مرزا نوازش علی نے ایک
خط میں جہاں ان کے دیوان کا ذکر کر کے مجھے مشتاق کیا۔ یہ بھی لکھا کہ "دشواری قوافی وغیرہ کو ملاحظہ
آپ محظوظ ہوں گے۔ ایک غزل کا اُن کے مطلع لکھتا ہوں جس کے ۳۶ شعر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یعنی
ثبوت کیسے سخت قوافی میں منظوم کیا ہے:-

جب کہ اُلٹی ہم نے تکرارِ نظر پر آستیں	کھینچ لی اُس نے رُخِ رشکِ قمر پر آستیں*

چند مشکل طرحیں تذکرہ باطن اور کلیات سے منتخب کر کے ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔ طرح کی اس مشکل
پسندی کو شاہ نصیر دہلوی کی طرز سے کسی قدر تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

ہوا جو اُس کا دہ کوچہ چمن سرشت نصیب	خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں	کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
ہے جو اُس محبوب کی انگشتری در دستِ چپ	رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری در دستِ چپ
کل تو دہنے ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا، نظیر	اور مصلّے کی عنایت گستری در دستِ چپ
آج صہبا کی گلابی اُس کے ہے در دستِ راست	اور لبالب مے کی اک پیالی بھری در دستِ چپ
تری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت	ترے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت

* - باطن نے تذکرے میں اسی غزل کا یہ شعر لکھا ہے:-

اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس * تارِ دامن خار پر شاخِ شجر پر آستیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رکھی ہرگز نہ ترے رُخ نے رُخِ بدر کی قدر
عزت و قدر کی اس گُل سے توقع ہی عبث

راستی خوار ہی اُس چشمِ فسوں پرور سے
مے پرستوں میں ہی یوں ساغر و مینا کا وقار

کفش برداری سے اس مہر کی چمکا ہی نظیر
تیری بھی منھ کی روشنی رات گئی تھی سے بل

یوسفِ مصر سے گر ملتے ہیں سب تیرے نشاں
جتنے ہیں کُشتگانِ عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے

جب سے مُوا ہی کوہ کن کرتے ہیں اس کا غم سدا
یار ملا جب ای نظیر، میرے گلے تو مل گئے

ہوں تیرے تصور میں مری جان، ہمہ تن چشم
مت تختۂ نرگس سمجھ، ای گلبدن اُس کو

اُس آئنہ رو کے ہی تصور میں نظیر اب
خط کی رُخسار و نِپٌ اُس گُل کے جو تحریریں ہیں دو

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے

بے زری، فاقہ کشی مُفلسی، بے اسبابی

کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شبِ قدر کی قدر
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہی نہ کچھ قدر کی قدر

ہاں، مگر منزلتِ مکر ہی اور غدر کی قدر
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کی قدر

ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر
تا سے تاب، رُخ سے رُخ، نُور سے نور، ظل سے ظل

زُلف سے لف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل
اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خوں، گل سے گل

کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل
جسم سے جسم، جاں سے جان، روح سے روح، دل سے دل

دل ہی مرا جوں آئنہ حیراں ہمہ تن چشم
ہی عشق میں تیرے یہ گلستاں ہمہ تن چشم

حیرت زدہ نظّارہ، پریشاں ہمہ تن چشم
ہی یہ وہ مُصحف کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو

بُلبُلِ تصویر و طاؤسِ خیال آئینہ
وہ کمر اور دہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہی

ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھُنکی بکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارب — ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہی؟
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغِ مزار — ہوا کے پیچ کوئی دم رہے، رہے، نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوکِ گیاہ — مثالِ قطرۂ شبنم رہے، رہے، نہ رہے

ایک غزل اُس نے صوفیانہ ڈھنگ میں کہی ہی۔ عبرت کی گہری نظر اور عبارت کی روانی و سلاست قابلِ توجہ ہی:-

جو تو کہتا ہی، ای غافل، "یہ میرا ہی یہ تیرا ہی" — یہ جس کا ہی اُسی کا ہی، نہ تیرا ہی، نہ میرا ہی
تو اوّل سوچ تو دل میں کہ تو ہی کون اور کیا ہی؟ — نمازی ہی، شرابی ہی، اُچکا ہی، لُٹیرا ہی؟
فرشتہ ہی، پری ہی، دیو ہی، یا آدمی جن ہی؟ — بلا ہی، بھوت ہی یا مُن ہی؟ - مُزورا یا کمیرا ہی؟
تری کیا ذات ہی، کیا نام ہی، کیا کام کرتا ہی؟ — مسافر بے وطن ہی، یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہی؟
جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا دے — تو اُس کے بعد پھر کہیو: "یہ میرا ہی، یہ تیرا ہی"
یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک — تجھے، ای بےخبر ناداں، یہ کس غفلت نے گھیرا ہی؟
تو کچے سوت کا دھاگا عبث بل پیچ کھاتا ہی — یہ سب وہم غلط ہی اور قصورِ فہم تیرا ہی
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہی — تو کیا جانے کہ تجھ کو کس ایٹرن میں اٹیرا ہی
تماشا ہی، مزا ہی، سیر ہی کیا کیا، اہا ہاہا! — مصوّر نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہی!
ترقی میں تنزل ہی، تنزل میں ترقی ہی — اندھیرے میں اُجالا ہی، اُجالے میں اندھیرا ہی
طلسماتِ حقیقی ہی، یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا — یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہی

ھ؎ اس طرح میں آصف کی بھی غزل ہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر اللہ اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے	کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہے

یہ خیالات نظیر کے کبیر کے خیالات سے کس قدر مشابہ ہیں جہاں وہ کہتا ہے!

بھونرا رے ہم پر دیسی لوگ۔ آج کے بچھڑے کد جا ملیں گے رے نہ دیا ناؤ سنجوگ۔

اب کچھ اور اشعار اُس کے تفریح طبع ناظرین کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

از تذکرۂ باطن:۔

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے	دم بدم ”انبتہا اللہ بنا تا حسنا“
چمن طرازِ حقیقی نے اپنی صنعت سے	کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا
آغوشِ تصوّر* میں جب ہم نے اُسے مسکا	لبھا ہی نزاکت سے اِک شور تھا بس بس کا
بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہی گل	سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہی ڈھیر پھولوں کا
اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا	اِدھر مرنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم الٹ جانا
یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی	بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے	نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا
دل ہوا جس دن سے بسمل ابروئے دل خواہ کا	تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا

ماخوذ از بوستانِ معرفت مولفۂ بابو مادھو داس مطبوعۂ مطبع منشی نول کشور۔ یہ نظم حقیقت میں کبیر کے اس مشہور دوہرے کی شرح ہے:۔ کنکر چُن چُن محل بنایا لوگ کہیں گھر میرا + نا گھر میرا نا گھر تیرا چڑیا رین بسیرا:۔ یہ دوہرا بھی ایک گیت کے ساتھ گایا جاتا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔ اُڑ جا پکھیرو دن تو رہ گیو تھوڑا:۔

* امانت نے اپنے واسوخت کے اس شعر کا مضمون یہیں سے لیا ہے جو لطور ٹیپ کے بندِ وصل میں یوں واقع ہوا ہے۔ یاں گرہ کھل گئی اُن کی اُدھر انگیا مسکی + لبِ نازک سے صدا آنے لگی بس بس کی +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نہ گُل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
نہ آئی بو جو ذرا تیرے مُصحفِ رخ کی
تو وہ ہی نور سراپا کہ تیری صورت کو
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرے پائے
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا
اب تو ذرا سا گانو بھی بیٹی نہ دے اسے
بتوں کی نازبرداری میں بھی تیری عبادت کی
عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں ذرا جاگو
ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے پھر
فرصتِ عمر قطرۂ شبنم
بقول حضرت صائب ہزار حیف نظیر
قسمت میں گر ہماری یہ مے ہی تو ساقیا
کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و دُرد کی
کیا کیا مگسِ عقل کے باندھے ہیں پر و بال

بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا
نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گُل کا
بشر تو کیا ہی مری جاں ملک نہ دیکھ سکا
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا
تو صُورت اس کی اُٹھا کر پلک نہ دیکھ سکا
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا
لگتا تھا ورنہ چین کا داماد آگرا
مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا
جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا
مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب
وصل محبوب گوہر نایاب
کہ در بہار ندارم بکف بہائے شراب
بے اختیار آپ سے شیشہ کرے گا جست
ای ساقیانِ بزم بیارید ہرچہ ہست
کر سکے شکر خندہ بہم لب شکرِ چند

+ اس طرح میں علی گوہر کی غزل بھی ہے، مطلع یہ ہے کہو بلبل سے لے جاوے چمن سے آشیاں اپنا: پڑے گر صد ہزار افسوس، نہ ہوگا باغباں اپنا:

* اس طرح میں سودا کی غزل بھی ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا
پڑی ہی خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر بزیرِ خاک سوتے ہیں
واماندگانِ راہ تو منزل پہ جا پڑے
وہ عارض اور جبین تاباں کہ ہوں دیکھ اُس کو شرمندہ
کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم مرگوں میں
دیکھے نہ مجھے کیوں کر از چشمِ حقارت او
چپ بیٹھوں تو کہتا ہی "خاموش چرا ہستی
کس طرح سنبل ہوا اُن زلفوں سے آکر سر بسر؟
چمن میں جب سے لب اُس غنچہ لب نے کھولے ہیں
مہ ہی اگرچہ سے شیر، تم بھی زری پوش بن
گو آتشِ گل بھڑکی ہی، پر یہ نہیں توفیق
تری وہ شان کی رفعت ہی، یا رسول اللہ
مصحفِ رخ پہ ترے ابروے پیوستہ نہیں
پکارا قاصدِ شک، "آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے
سنو، میں خرمن کو تو ساتھ اپنے لے آیا ہوں، اور باقی
مرتا ہی جو محبوب کی ٹھوکر پہ، نظیر، آہ!

صد شکر کہ ہی کاتبِ تقدیر کوئی اور
اُگی ہی گھاس کس کس گل بدن کے روئے گلگوں پر
چمکتے تھے سنہرے قصرِ جن کے بامِ گردوں پہ
اب تو بھی اے نظیر، یہاں سے قدم تراش
قمر خورشید، زہرہ شمع، شعلہ مشتری مشعل
حنا آفت، ستم فندق، مسی جادو، فسوں کاجل
وہ سرو جواں، یار وہمن فاختہ پیرم
کچھ بولوں تو ہوتا ہی آزردہ ز تقریرم
یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں؟
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں، پھپھولے ہیں
دودھ چھٹی کا اُسے یاد دلائے چلو
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو
کہ لامکاں نے کہا: "لا الہٰ الا اللہ"
مو قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ"
ہوا تاراج پہلے شہرِ جان، دل کا نگر پیچھے
چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے
پھر اُس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

زلف ہو بر سرِ احسان تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے

منھ زرد آہِ سرد و لبِ خشک و چشمِ تر
سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے

بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر
کیا دم دیا ہے حضرتِ آدم کو، دیکھیے!

تن دیکھے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اُس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے؟

موسیٰ کے تئیں گو شجرِ طور کی سوجھی
پر ختمِ رسالت کو بڑی دور کی سوجھی

آدم اک دمڑی کی حقیا گو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا پیچ اور گُڑگُڑی پہ ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے، اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری، بیٹا تیر انداز ہے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوّا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھیے: یہ کس کا جنا ہے؟

حکمت کا الٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے

اک اُس کی دوا سمجھی نہیں جاتی، نظیر آہ!
کچھ روز ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے؟

چمک ہے درد ہے کوندن پڑی ہے ہوک اُٹھتی ہے
ہے پہلو میں کیوں، یارو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے؟

کھجوری چوٹی ادا میں موٹی جفا میں لمبی وفا میں چھوٹی
ہے اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹک رہا ہے

وہ پیچی کا فسیاہ پٹی نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
پڑھی ہے جس نے کہ اُس کی پٹی وہ پٹی سے سر پٹک رہا ہے

تیرِ نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

۵۱ اس شعر میں بھی امانت کو توارد واقع ہوا ہے۔ دیکھو اسکا بند آنکھ کی تعریف میں۔

۵۲ یہ طرح جرأت کی نکالی ہوئی ہے چنانچہ اُن کا مصرعہ انشا کے لطیفے کے ساتھ مشہور ہے۔ اُنس لف پہ پھبتی شبِ دیجور کی سوجھی * اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

از کلیات :-

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کر گئی ہی اُس کی مژگاں کی جھپک بے کل ہمیں
دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
یہ برق ابر میں[۵۱] دیکھے سے یاد آتی ہی
میں ہنس کے اس لیے مُنھ چومتا ہوں غُنچے کا
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اُس کا
سر پانوں سبھی جب بھنس گئے اُس زُلف سیہ میں
وہ مُجھ کو دیکھ کچھ اس ڈھب سے شرمسار ہوا
سبھوں کو بوسے دیئے ہنس کے، اور ہمیں گالی
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگ دل کافر
گلے کا ہار جو اُس گُلبدن کے ٹوٹ گیا
کسی سے اور تو کُچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر
اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دعا:
اور جس پہ تو فدا ہو، وہ ظالم ہو اِس قدر

کام جب آن کے پڑتا ہی زبر دستوں سے
کل اگر چاہی تو ہم دم اِس گھڑی کُچھ ہول ہمیں
دام میں لیتا ہی اُس کا کُل کا اک اک بل ہمیں
جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
کہ کُچھ نشانی ہی اس میں ترے دہن کی سی
بلور کی چوکی پہ جھلک نُور کی سوجھی
تب ہم کو سیاہی شبِ دیجور کی سوجھی
کہ میں حیا ہی پہ اُس کی فقط نثار ہوا
ہزار شکر! بھلا اِس قدر تو پیار ہوا
پڑیں قرار پہ پتھر یہ کُچھ قرار ہوا
تو ڈر نظیر کا وہیں اُس کو ایک بار ہوا
ندان[۵۲] میرے ہی آ کر گلے کا ہار ہوا
"ظالم، خُدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل
جو مطلقاً ترا نہ وہ خاطر میں لائے دل

۵۱ اس طرح میں جرأت کی بھی غزل ہی۔

۵۲ آخر کار، پُرانا محاورہ۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تجھ پر بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے
ناچار جیسے تجھ سے چھڑاتا ہوں دل کو میں
ہنسے روئے پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے
کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گلے میں ہاتھوں پر
ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا
کھُلتے ہو مجھ سے تم میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
زباں کی کر کے مقراض، اور بنا دشنام کا کاغذ
دُرجِ غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے
کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کر دہ گُل بدن
ساقی کو جام دینے میں اُس خوش نگہ کو، آہ!

دُر دُر اُدھر کرے اور اِدھر کو ستائے دل
ایسا ہی اُس سے تو بھی لگا کر چھڑائے دل
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے
کھلے ہیں دیکھیے ہم میں بھی یہ اُلفت کے گل بوٹے
بھلا اتنی تسلی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے
"کوئی دل بر مرے آگے تمہیں بھی خوب سا کوٹے"
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے
اشک نے جنگل کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی کچل کر بھر دیے
ہر دم اشارتیں ہیں کہ اس کے تئیں نہیں"

نظیر نے اپنی بعض مشہور اور مقبول غزلوں کی آپ ہی تخمیس بھی کی ہے۔ اُن غزلوں کے مطلع ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔

ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
بھرے ہیں اس کی میں اب تو یار دو سر سبز موتی
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
پھر ان کے منت سے بلا مجھ سے وہ لالا
در سے آج جو نکلے بتِ ذیشان گئی

کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا
گلے میں، کان میں، نتھ میں، جدھر دیکھو ادھر موتی
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اجالا
المنۃ للہ تقدس و تعالے
لے گئے صبر گئی، دل گئی، ایمان گئی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان، کوٹھے پر
زلفیں یہ دو نہیں رُخ دل بر کے آس پاس
لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
مانی نے جو دیکھا تری تنویر کا نقشا

حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کشا کہا؟
ای داغ، مُبارک ہو تجھے منصبِ والا
لیا ہی ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر
ابرِ سیہ ہی ماہِ منوّر کے آس پاس
بنایا پان نے رنگ، اور سنبھالا سحر کاجل نے
سب بھول گیا اپنی وہ تصویر کا نقشا

یہ غزلیں جو مخمس ہوئی ہیں ان میں سے اکثر میں یہ لُطف پیدا کیا ہی کہ باوجودے کہ غزل کے اشعار ایک دوسرے سے غیر متعلق ہوتے ہیں لیکن پھر بھی تخمیس کی کاریگری سے ایک دوسرے سے اُن کو اِس طرح ربط دیا ہی کہ بجائے خود ایک مسلسل رُوداد ہی جس کے پڑھنے میں آدمی کو لُطفِ افسانہ حاصل ہوتا ہی۔

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہی یہی آہ!
ہر مرنے مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں ہیں یارو
قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن
لے لے کے بلائیں مجھے پھر کہتی ہیں آنکھیں:
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام

ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ!
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"
اب لاؤ کہاں ہی وہ مرا کوسنے والا
کہنا: "کوئی مرتا ہی ترا چاہنے والا"
"صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاں کو گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا — ابھی سوئے ہیں ترے بے سر و سامان کئی

اب تو ٹک منہ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر — نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران کئی

اس کے دامن سے لگوں، پانوں پڑوں، ساتھ چلوں — خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو ای دشمنِ جاں — ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے: "چل دور!" — اور دل کو کہا "لے" تو وہیں ہنس کے کہا: "لا"

مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ — کافی ہی مری قید کو اک مکڑی کا جالا

گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہہ دوں: — "جا، آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھالا"

کیا جانیے، کس حال میں ہووے گا عزیزو — دل آج مرا، سلمہ اللہ تعالے

کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پہ — کروگے حُسن کی کیا تم دُکان کوٹھے پہ

یہ چونے کاری میں ہوتی ہی سُرخی کب ایسی — کسی کے خُون کا ہی یہ نشان کوٹھے پہ

لڑاؤ غیر سے آنکھیں، کہو ہو ہم سے، "آہ! — کہ "تھا ہمیں تو تُمھارا ہی دھیان کوٹھے پہ"

خُدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو — کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پہ

تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی سچ کہہ اے نسیم — کس کی پھری تو زُلفِ مُعنبر کے آس پاس

ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے — ٹپکے کے ساتھ ساتھ ستم گر کے آس پاس

۵۷ سرھانے میر کے آہستہ بولو ؛ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہی ؛ اس پر سودا کا اعتراض مشہور ہی کہ "شعر تو میر صاحب کا مگر دردِ خواہی اُن کی دوا کی معلوم ہوتی ہی۔" نظیر نے اس اعتراض سے بچ کر ایک راہ نکالی ہی اور میرے خیال میں عاشقانہ پہلو سے سودا سے کامیاب ہوا ہی۔ سودا کے شعر سے مُقابلہ کر کے دیکھ لو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے، بل نے
مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداب
کبھی خوش ہو کے "ہو ہو ہو" کہی کبھی بولا "اہا ہا ہا!"
نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری
مجھے کر جل سے غافل، بھولی صورت کا بنا نقشہ
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیوں کر اپنا جی؟
چلا ڈرتا ہوا آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا:
ادب سے یوں کہا: "اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا بادلا کیا کیا
دکھا کر مجھ کو اپنی واں زبردستی کے یہ نقشے
وہ زلفیں اس کی سیاہ پُر خم کہ ان کے بل و شکن کو یاد
نگہ لڑائی ہی اس نے جس دم، جھپک لیا جھپ تو دل کو میرے
وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اس کے
میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان

بنایا پان نے رنگ، اور سنبھالا سحر کا جل نے
نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں ملنے
عجب لوٹے مزے اس وقت نظاروں کی اٹکل نے
مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے
کیا اک بار منہ غصے میں سرخ اس یار اچپل نے
اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
"اڑا کر مفت نظارے، بچا، اب تم لگے ٹلنے"
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی مہن بل نے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر، اس شوخ چنچل نے
نہ پہنچے سنبل، نہ پہنچے ریحان نہ پہنچے ناگن، نہ پہنچے کالا
ادا اس نے ادھر دبوچا، پلک پلک نے ادھر اچھالا
ادھر لعل اور ادھر نیلم، ادھر مرجاں، ادھر موتی
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا لقا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پہ
لگے لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ:
"یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں"

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا؟

جس قدر پینا ہو پی لے ان بتوں کے ہاتھ سے
آبِ جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں؟

لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوبوں کی کھانی پھر کہاں؟

واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں، یہ نوجوانی پھر کہاں؟

ازتذکرۂ ابوالقاسم میر قدرت اللہ قادری:-

دوستی کی گرہ پہ عقل کا ناخن نہ توڑ، اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغما را

جگنو پہ جان لوٹے ہے، چنپا کلی پہ دل
اور روح لوٹتی ہے مری عطردان پر

کہا "جو ایک لے بوسہ، میں دو لگا لینے"
تو ہنس کے کہنے لگے "چل ہٹ، اب اک نہ دو"

سمندِ آسماں کب آپ سے دوڑے ہے، اس پر تو
کسی کی ایڑ ہی ایڑ، اور کوڑے پہ کوڑا ہے

از فرہنگِ آصفیہ و ارمغانِ دہلی:-

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

آ پھنسا جو کوئی اس دامِ گہِ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تم لگے غیروں سے ملنے دل ہمارا اچٹ گیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا ادل

جال میں نہ رکھے اگر موتی کا دانا ہوگا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم ادی جال

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا

ترے منھ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہی

سن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیر

نظیر یار سے کیوں دردِ دل نہیں کہتا

آج اُس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیر

ہنس کر نظیر داں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی

پڑا جو ہاتھ نظیر اُس کے سینے پر میرا

صبح جب بولا اُٹھا مرغِ سحر گکڑوں گکڑوں

ڈر ہم کو بناوٹ کی ادا کا تو نہیں ہی

پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا

باتیں ہمارے دل کی کہو دیں نظیر اُس نے

وہ جب گھر سے نکلے سچکتے سچکتے

جو قدم اُلفت کا آگے تھا سو پیچھے ہٹ گیا

رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے اِدھر کا چھوڑ دیا

وہ نہ اس دام میں آئے گا جو دانا ہوگا

تو سن کے اُس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر مرے پسینا

ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

ذرا آئینہ لے کر منھ تو دیکھے آفتاب اپنا

"چل بے زیادہ اپنہ بک تو نے تو سر پھرا دیا"

سنا نہیں ہی وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

کی اُس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

تو بولی "واہ لگے آگ اس قرینے میں"

اُٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹُرٹُوں ٹُوں

وہ آن غضب ہی جو خدا داد کوئی ہو

چنچل نے ہم کو یار و دہلا دیا ابھی سے

ہی سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہی راہ دل سے

قدم بھی اُٹھائے جھجکتے جھجکتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

صبح کا کرتا ہی وعدہ وہ تو پھر آتا ہی کب — دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آکے ہی

محمد حسین آزاد نے ایک مقام پر آبِ حیات میں لکھا ہی کہ "نظیر کے بعض اشعار میر سے پہلو مارتے ہیں ضرور ہی کہ بعض کلام نظیر کا واقعی اُنھوں نے میر کے کلام سے مقابلہ کیا ہوگا- اور کوئی مناسبت پائی ہوگی واقعی میں نے بھی دونوں شاعروں کے کلام کا مُوازنہ کیا تو آزاد کی راے کو صحیح پایا- کہیں کہیں نظیر کے کلام میں میر کی جھلک پائی جاتی ہی- جیسے اِس غزل میں:-

شور افگن جنوں ہی جس جاںگاہ کرنا — رکھتا ہی کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
جانا بھی آگے اس کے اکثر پی نظارہ — باعث بھی بہر اخفا پھر رو بہ راہ کرنا
ملنا بھی اس روش سے جس میں گمانِ اُلفت — گر کچھ بھی ہو تو وہ بھی دور اشتباہ کرنا
کیا کیا، نظیر، تجھ میں مکر و فریب ہیں جو — اُس رہ آشنا سے اِس ڈھب کی چاہ کرنا

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک طرح ایسی بھی مل گئی جس میں میر اور نظیر دونوں کی غزلیں ہیں، بلکہ سودا اور انشا نے بھی اُس میں طبع آزمائی کی ہی- ہم پہلے میر کی غزل لکھتے ہیں-

دل پہنچا ہلا کی کو نپٹ کھینچ کسالا — لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا
معمور شرابوں سے کبابوں سے ہی سب دیر — مسجد میں ہی کیا شیخ؟ پیالا نہ نوالا
گذرے ہی کھو واں سر ہر خار سے اب تک — جس دشت میں پھوٹا ہی مری پاؤں کا چھالا

لہ اس طرح میں نکہت کی بھی غزل ہی- مطلع ہی سو پیچ و خم میں ہو بہو ہر سو اُلجھا جا ہی + مانگ کے رستے میں دل ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا ہے ہی + عارف- غالب- ذوق- وغیرہ کی غزلیں ان کے بعد کی ہیں-

and eGangotri

گر قصد ادھر کا ہو تو ٹک دیکھ کے آنا		یہ دیر ہے زہّاد، نہ ہو خانۂ خالا
جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش		واں چادرِ مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا
دشمن نہ کدورت سے مرے سامنے ہو جو	ق	تلوار کے لڑنے کو مرے کیجو حوالا
ناموس مجھے صافیِ طینت کی ہے، ورنہ		رستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا
دیکھے ہی مجھے دیدۂ پرخشم سے وہ میر		میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا

اس زمین میں سودا کی جو غزل ہے وہ میری راے میں میر سے بڑھی ہوئی ہے۔ سودا کے عمدہ اشعار اس غزل میں یہ ہیں:۔

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا	سو حضرتِ دل سلّمہ اللہ تعالےٰ
جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا	غنچے نے صراحی لی اٹھا، گل نے پیالا
مانگا جو میں دل کو تو کہا: "بس یہی اک دل،	جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اٹھالا"
اے غنچہ سبب کیا ہے کہ آتے ہی چمن میں	گل جھاڑے ہے دامن، تو نے بقچی کو سنبھالا
اتنا ہی تو یوسف سے مشابہ، کہ عدم کے	پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا
فتنہ ہی اٹھاتے ہو گئی پشتِ فلک خم	ہرگز نہ کسی گرتے کو ظالم نے سنبھالا

انشا نے عشق کو عشقِ حقیقی کی طرف کھینچ کر عارفانہ رنگ میں اپنی غزل کو چمکایا ہے۔ دو شعر اس غزل کے اچھے ہیں۔ باقی تبرّک۔

اے عشق، مجھے شاہدِ اصلی کو دکھالا	قُم، خُذ بیدی، وفّقک اللہ تعالےٰ
اتنا تو بھرا وادیِ وحشت میں، کہ میرے	ہے پاے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا

Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اب سب سے اخیر میں نظیر کی غزل لکھی جاتی ہے۔ میری رائے میں میر۔ سودا۔ انشا۔ سب سے اس کی غزل بڑھی ہوئی ہے۔ زبان میں سادگی ہے اور روانی مضمون آفرینی کے لیے مبالغے کا دامن زبردستی نہیں کھینچا گیا نہایت عاشقانہ گہرا رنگ ہے۔ ہر شعر میں زبان اور خیالات کی گھلاوٹ پائی جاتی ہے۔ سلمہ اللہ تعالے کو میر سے بہتر سودا چمکا چکا تھا۔ اس میں گنجایش نہ تھی نظیر نے بہ تبدیل ضمیر ترجمہ کر کے کچھ لطف پیدا کیا ہے انشا نے ایک نیا فقرہ لیا۔ نظیر نے بھی مطلع میں ایسا ہی کیا۔ دونوں کے مطلع لطیف ہیں۔

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للّٰہ تقدس و تعالےٰ

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

دیکھ اب تو تجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی، آہ!
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا!

بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ ولیکن
کہتا: "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک اڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا؟

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اسی چاند سی صورت کا اجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پانوں کا چھالا

اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ہم تجھ سے اسی روز کو کہتے تھے، نظیرؔ آہ!	کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

اس غزل پر خود نظیرؔ کو بھی ناز تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ جواب اُس سے اچھا بنا۔ چنانچہ اِس کی مقبولیت کے صلے میں اس کو زیور خمسہ سے بھی آراستہ کیا ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(رباعیوں پر رائے)

مجھے ہنسی آتی ہے کہ میں نظیر کی رباعیوں پر رائے لکھنے بیٹھا ہوں حال آں کہ نظیر کے کلیات میں ایک رباعی بھی موجود نہیں۔ البتہ اُس کے فارسی کلام میں چند رباعیاں ہیں وہ بھی کُل ایک وضع کی ایک ہی مضمون پر پھر میں رائے دوں تو کیا دوں۔

رباعی کا اُستاد شعرا کے نزدیک اب وہی شخص خیال کیا جاتا ہے جو عُمر خیام سے بڑھ جائے لیکن اُس نے اپنا خیمہ اس قدر بلند قائم کیا ہے کہ کسی شاعر کے قلم و کاغذ کا اک چوبہ اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اُردو میں اساتذۂ قدیم کی رباعیاں تو محض تبرک ہیں۔ ذوق نے ادھر کچھ توجہ کی تھی مگر اُس کے اکثر کلام کے ساتھ رباعیاں بھی تلف ہوئیں۔ متاخرین میں انیس و دبیر اور اِن دونوں خاندان کے شُعرا نے کثرت سے رباعیاں لکھی ہیں اور اکثر کام کی لکھی ہیں تشبیہات و استعارات اور خاص عقائد سے قطعِ نظر حکمت و اخلاق کی بہت سی رباعیاں نہایت قابلِ قدر ہیں۔

میں نظیر کو چند رباعیوں سے نہ عُمر خیام بنا سکتا نہ درد نہ ذوق نہ انیس نہ دبیر البتہ اِتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس گُر سے واقف تھا کہ رباعی میں تان کی جان ہے چوتھا مصرعہ۔ اُسی میں لَی ہونی چاہیئے اور اُسی کو تفتیش سامعہ متخیلہ عقل سب کو فریفتہ کرنا چاہیے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اِس فن میں اَساتذہ نے اِس کثرت سے طبع آزمائی کی ہے کہ تازہ مضامین اور مقبول مضامین نکالنے اس میں مشکل ہیں۔ اِس لیے وہ اپنی قُدرتِ ایجاد سے کوشش کر کے ایک نئی راہ نکالتا ہے اور گو مختصر ہی لکھتا ہے مگر ایسا لکھتا ہے کہ ذہن پر

CC-0. In Public Domain.

and eGangotri

اُس کا دبدبہ پا اثر رہتا ہے۔ وہ اپنی مشہور طرز مسدّس و مخمّس کے مطابق یہاں بھی بندش کی لڑی میں رُباعیوں کو پرو کر ایک دل چسپ واقعہ بنا لیتا ہے۔ اِس پردے میں وہ اپنی ایک بڑی صنعت یہ بھی دکھاتا ہے کہ ایک مصرعے پر مختلف طور پر کتنے مصرعے لگائے جا سکتے ہیں۔ سلاست و روانی اور بے تکلّفی اُس کی یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ چوں کہ رُباعیاں اُس کی حکمِ عنقار رکھتی ہیں اگر یہاں نقل کی جائیں تو غالباً ناظرین پر بار نہ ہوگا۔ رُباعیاں جو ذیل میں نقل ہوتی ہیں وہ ہیں جو اُس نے ایک اپنی طرز کے پسند کرنے والے دوست کی خاطر سے لکھی تھیں اور ایک سخن فہم دوست کے مطالعے کو خط میں لکھ کر بھیجی تھیں۔ اُن میں کسی قدر اُس ایجاد کی جھلک ہے جس سے حضرت امیر خسرو نے اپنی رُباعیوں کو چمکایا تھا۔

(۱)
دل بُرد ز من چو نازنینے زیبا
پُر حیلہ و پُر فریب و پُر ناز و ادا
گفتم کہ دلم دِہ بہ تبسّم فرمود
البتّہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۲)
چوں روز دگر آں بُتِ عشوہ نما
گفتم کہ نشد وعدۂ دیروز وفا
بشنید و بخندید و بفرمود امروز
البتّہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۳)
چوں بعد دو پاس پیش آں مہر لقا
حاضر شدم و بگفتم اے حیلہ گرا
حالا چہ بخاطر است۔ گفتا بدہم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۴) چوں بعد ز پاس زود مانندِ صبا
خوش رفتم و گفتمش کہ اے مہر فزا
اکنوں چہ قرار۔ گفت نہ خواہی یافت
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۵) چوں بعد ز ساعتی برفتم آنجا
گفتم کہ چنیں دیر مفرما۔ گفتا
اندیشہ مکن کہ دل بدستت آید
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۶) ہم بعد ز لحظہ رفتم و با غوغا
گفتم کہ چنین لیت و لعل تا بکجا
فرمود کہ بیش ازین تعلل نہ شود
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۷) ناچار ز روے عجز گفتم او را
آن لحظہ بفرما کہ چہ باشد گفتا
چندان طلبی نظیر خواہم تبو گفت
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(قدیشین از نغمہ نمبر ۱۲۶)

قصیدوں پر رائے

ہم نظیر کو نہ خاقانی و انوری سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو ولایت میں قصائد کے استاد تھے۔ نہ امیر خسرو اور فیضی سے جو ہندوستان میں اس فن میں مسلم الثبوت تھے۔ نہ سودا سے جو اُردو میں اس فن کا امام ہے نہ انشا سے جو بقولِ آزاد۔ اُردو کا امیر خسرو ہے نہ ذوق سے جو بقولِ ظفر خاقانیِ ہند ہے۔ اگر اس فن میں اُس کی کسی سے تشبیہ ہو سکتی ہے تو وہ حضرت شیخ سعدی ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ وہ تعلق دربار کے سبب کبھی کبھی گو ناصحانہ پیرایہ ہی میں کیوں نہو مدحِ اُمرا و سلاطین پر مجبور ہوتے تھے اور اس کو کبھی ایسی مجبوری واقع نہ ہوئی۔

قصائد جو اس کے میسّر ہیں وہ تعداد میں بہت قلیل ہیں لیکن ایسا سمجھنا کہ اُس نے اپنی عُمر بھر میں صرف اتنے ہی کہے ہوں گے غلطی ہے۔ جس طرح اُس کا اور بہت سا کلام ضائع ہوا قصائد بھی معرض تلف میں آئے پھر بھی جس قدر باقی ہیں وہ اُس کی اُستادی کے ثبوت کو کافی ہیں۔

قصائد میں بڑی اُستادی ہے گریز جس کو حسنِ مخلص بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن گریز ہے لازمۂ مدح اور یہاں اس کے قصائد میں سرے سے مدح ہی نہیں پھر لطفِ گریز کہاں سے پیدا ہو۔ البتہ حُسنِ خاتمہ کی لطافت ہر جگہ موجود ہے اور اسی وجہ سے اُس کے قصائد پر زیادہ تر قطعے کی تعریف صادق آتی ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

طولِ مبالغہ شدتِ تشبیہ دقتِ استعارہ مشکل صنائع کا التزام الفاظ کی دھوم دھام یہ باتیں بھی لازمِ مدح ہیں۔ یہاں صرف تشبیب ہے اور بس۔ مخاطب عقل سلیم ہے نہ سلطانِ ہفت اقلیم۔ پیش کش برگِ سبز ہے نہ لعل زمرد۔ سر سے تاج ہی نہیں تو لعل و یاقوت کے لیے یمن و بدخشاں کی کیوں خاک چھانی جائے۔ اور رہیم ہی نہیں تو گوہر و مرجاں کے لیے قلزم و عماں میں کیوں غوطے لگائے جائیں نصیحت کی دُکان ہے۔ گو دُکان میں بہت زیادہ آرایش کی چمک دمک نہیں۔ مگر جتنے جواہرات ہیں سچے قدرتی نور سے پڑے چمک رہے ہیں۔ راستی کا جوہری بے پروا بیٹھا ہے نہ بہت لمبی چوڑی باتیں بناتا۔ نہ مال کے دکھلانے میں کوئی کرتب کرتا۔ سچا مال ہے بے لاگ دکھاتا ہے اور بے کھٹکے دام مانگتا ہے۔ جی چاہے تو لیجیے۔ جی چاہے نہ لیجیے۔ نظیر کے قصائد میں ہنس نامہ بھی داخل ہے مگر شہرت کی ہوا میں خدا جانے یہ کب سے اُڑ رہا ہے اس کو تکلیف دینے کی حاجت نہیں۔ دو قصیدے البتہ سنئے ہیں۔ غلام محمد رہا نے ذکر کیا۔ باطن نے سنا۔ ایک تو میر کے اس قطعے کی شرح ہے۔

	کل پانو ایک کاسۂ سر پر جو آگیا کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر	یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا	

دوسرا اوستاد کے اس شعر کی۔

	پردہ داری مے کند بر قصرِ قیصر عنکبوت	بُوم نوبت مے زند بر کنگرِ افراسیاب	

خاقانی نے کسی زمانے میں مدین کے ویرانے کی سیر سے اثر لے کر وہ مشہور قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

	لنّہ یں ترہ و پرویز خسرو و ترنجِ زر	زرّیں ترہ کو بر خواں گو کم ترکُوا بر خواں	

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

...ormal and eGangotri

نظیر کو دُور جانے کی حاجت نہ تھی مدین اس کے گھر ہی میں موجود تھا۔ رقّت جو آئی تو کسی دن عبرت کی آنکھوں سے یوں آنسو بہا دیے۔

یہ جواہر خانۂ دُنیا جو ہے باآب وتاب
اہلِ صُورت کا ہے دریا اہلِ معنی کا سراب

وہ مُطلّا قصرِ رنگیں وہ منقّش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ وتاب

وہ عظیم الشّاں مکاں دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاقِ آسماں کو طاقِ ابرو سے جواب

صحن میں بستاں ہرا ایسے پُر از غلمان و حُور
جن کی انہاروں میں بجائے آب گُل خالص گلاب

اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب

مہروش بہرام صولت بدر قدر و چرخ رخش
مُشتری ہمّت ثُریا بارگہ کیواں جناب

وہ تجمّل وہ تموّل وہ تفوّق وہ غرور
وہ تحشّم وہ تنعّم وہ تعیّش وہ شباب

ہر طرف فوجِ بُتاں ہر سو ہجومِ گُل رُخاں
جن کے عارض رشکِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب

چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بہ صبح
متصل رقص و سرود و پے بہ پے جام و شراب

ساقی و مُطرب ندیم و مستی و میخوارگی
ساغر و مینا و گل عطر و مے و نقل و کباب

کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوشِ مے
از زمیں تا آسماں شورِ نَے و چنگ و رباب

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور
وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا یا دفعتہً
کر دیا ایسا کچھ اِس دورِ فلک نے انقلاب

جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر ویراں و خراب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا
نقشِ سُمِّ گور یا کُہنہ کوئی پرِّ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے تو صُورتِ چشمِ پُر آب

خواب کہیے اس تماشے کو **نظیر** اب یا خیال
کُچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

دوسرا قصیدہ مُسَجّع۔

کیا کاسہ می لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
دورِ فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں

یہ کاسہ فیروزہ گوں ہے شیشہ بازِ پُر فنوں
جتنے حِیَل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیرِ نگیں

کل دامنِ صحرا میں ہم گُزرے جو وقتِ صُبح دم
اک کاسۂ سر پُر الم آیا **نظر** اپنے وہیں

بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب پڑے زیرِ زمیں

گُل برگ سے نازک بدن سر پا نو سے رشکِ چمن
زرّیں و سیمیں پیرہن دل کش مکانوں کے مکیں

دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں سے صُحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قِرآں مطرب قریں

باغ و چمن پیشِ **نظر** بزمِ طرب شام و سحر
ہر سو بکثرت جلوہ گر حُسنِ بتانِ نازنیں

اک آسماں کے دور سے اک گردشِ فی الفور سے
اب سوچیے گا غور سے در لحظۂ آں در لمحۂ ایں

سُنتے ہی کیا تھرا گیا رُخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سر اپنا ناگہاں ہر مو ہوا مثلِ زباں
بولا **نظیر** آگہ ہو ہاں من نیز روزے ہمچنیں

...ection Chennai and eGangotri

تصانیفِ نثر پر رائے

فہم قریں۔ دستور الصبیاں کی وضع کی ایک مختصر سی کتاب فنِ انشا میں ہے جس میں مُبتدیوں کے لیے کچھ رقعات معمولی آسان عام فہم عبارت میں ترتیب دیے گئے ہیں۔ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید یہ اصلی رُقعات ہوں۔ لیکن اندرونی شہادت اس کے خلاف ہے۔ باپ کے نام جو رُقعے ہیں اُن میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "بھائی دہلی میں ہیں۔ اُن کی لڑکی کی شادی ہے۔ کنایتہً مجھے بھی بلایا ہے۔ صراحتہً آپ کو بھی بلاتے ہیں۔" (دیکھو رقعہ ۹)۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ "چھوٹے بھائی کی نسبت کے لیے جو روپیہ لیا گیا ہے اُس کا سخت تقاضا ہے۔" (دیکھو رقعہ ۱۰)۔ دونوں جگہ بھائی کا مذکور ہے لیکن نظیر کے بھائی کہاں؟ ایک رُقعے میں کہ وہ بھی باپ ہی کے نام ہے لکھا ہے کہ "چار مہینے سے تنخواہ نہیں ملی۔ لالہ رام چند کے نام رُقعہ جاتا ہے۔ چالیس روپئے اُس سے لے کر سردست کام چلائیے۔" (دیکھو رقعہ ۱۱) ممکن ہے کہ نظیر اپنے باپ کی زندگی میں نوکر ہو گئے ہوں لیکن نہ اُن کو ان کی مدد کی حاجت نہ ان کو ضرورتِ خانہ داری سے اس کی صلاحیت۔ رقعہ ۲۶ میں کہ وہ ماں کے نام ہے لکھا ہے کہ "ڈیڑھ سو روپئے جاتے ہیں سو روپئے بہن کی شادی میں صرف کیے جائیں۔ باقی اَور اُمور میں۔" اور یہ معلوم ہے کہ جس طرح نظیر کے بھائی نہ تھے بہنیں بھی نہ تھیں۔ غرض ان قرائن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رُقعے ترتیبی اور فرضی ہیں۔ عبارت معمولی اور عام فہم ہے کُل رُقعے قلم برداشتہ بے فکر و رویّت لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعے (رقعہ ۲۳) میں کسی قدر رنگینی ہے۔ یہ رُقعے مرشد۔ باپ۔ چچا۔ خالو۔ ماموں۔ پھپھا۔ بھائی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۱- کے نام ہیں-

مقصود ان سے یہ ہے کہ مبتدی طالب العلموں کو معمولی خط و کتابت کا سلیقہ آ جائے معمولی باتیں جو عموماً پیش آتی ہیں مثلاً تلاشِ نسبت - تلاشِ روزگار - تقاضائے خرچ - ارسالِ زر - طلبِ خیریت - معذرت ان کے اظہار سے عاجز نہ رہیں - مختلف درجے کے رشتہ مندوں اور بزرگوں کے آداب و القاب معلوم رہیں - خط کیوں کر شروع کرتے ہیں کیوں کر ختم کرتے ہیں اور پھر بیچ میں تمہیدِ مطالب کس عنوان سے ہوتی ہے یہ باتیں مشق ہو جائیں -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

…Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے لطائف

پن گھٹ کا لطیفہ نمبرا

میاں نظیر کو پن گھٹ کا سین خاص طور پر مرغوب تھا چنانچہ عالمِ پیری کے بیان میں ایک جگہ تاسّف کے ساتھ ارشاد کرتے ہیں:-

پن گھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سُنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے
لو دیکھو بُڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سیر تو روز فرماتے تھے مگر ایک دن کچھ زندہ دل پنہاریوں کے جھرمٹ میں گھر گئے۔ سب نے مِل کر کہا میاں صاحب ہم تو تم کو جانے نہ دیں گے جب تک کوئی شعر نہ سُنا دو۔ کوئی اور شرط کرتیں تو شاید اُنھیں وقت بھی ہوتی۔ شعر تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ چھوٹتے ہی ذہن میں آگیا۔ پنہاریوں سے کہا ذرا تم صف باندھ کر کھڑی ہو جاؤ تو میں سُناؤں۔ پنہاریاں ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ تب اُنھوں نے ایک مضحک شعر پڑھا پہلے مصرعے پر ایک خاص تیور سے اپنے خاص حصۂ جسم کی طرف اشارہ کیا اور دوسرے مصرعے کے ہر ٹکڑے پر ہر ایک پنہاری کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے جاتے تھے۔ آدھی تو پہلے ہی

…Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مصرع کو سُن کر چل دیں باقی جو ذرا ڈھیٹ تھیں اُن کو دوسرے مصرعے نے بھگایا۔ شعر ختم نہ ہوا تھا کہ سب جھینپ جھینپ کر گالی دیتی ہوئی بھاگیں وہ شعر یہ ہے۔

جس وقت کھڑا ہوتا ہے یہ آ۔۔۔۔۔د کہتا ہے اسے۔۔۔ اسے۔۔۔ اسے۔۔۔

لطیفہ نمبر۲ ڈپٹی تُراب علی صاحب کی روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب حکیم سید افتخار علی مرحوم جو ڈپٹی صاحب موصوف کی برادری سے بہت نامی ذی علم اور راجہ صاحب بھرتپور کے طبیب اور موضع سید پورہ کے جاگیردار تھے آگرے میں تشریف لائے اور میاں نظیر مرحوم کی ملاقات کو گئے۔ باہم گرمجوشی اخلاق کی باتیں رہیں۔ آخر کو چلتے وقت حکیم صاحب ممدوح نے فرمایا کہ میاں صاحب آپ نظیر کیا بلکہ بے نظیر ہیں۔ جواب میں مسکرا کر فرمانے لگے کہ بے نظیر فرمائیے خواہ آب بے نظیر۔ یہ لطیفہ ہو کر دونوں صاحب خوشی بخوشی جُدا ہوئے۔

لطیفہ نمبر۳ یہ بھی ڈپٹی صاحب ہی کی روایت ہے کہ میاں صاحب بڑے پرہیزگار تھے مگر لوگوں کے خوش کرنے کو بعض مرتبہ مضحکے کو کوئی بات فرما دیتے تھے جیسے کسی نے پُوچھا کہ میاں صاحب آپ لبیں نہیں بِنواتے فرمایا کہ کبھی صافہ بھنگ کا نہیں ہوتا تو بے چھنی ہوئی بھی ان کی آڑ میں پی لی جاتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے صنائع

باطن جہاں نظیر کے کلام کی قسمیں گنواتے ہیں وہیں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ نظیر نے اپنے مختلف الاقسام کلام میں کُل صنعتیں شاعری کی ختم کی ہیں۔ یہ ایک مُجمل جملہ ہے جس کی تفصیل بہت تطویل چاہتی ہے۔ باطن کے زمانے میں شاید لال بُجھکّڑ بکثرت تھے جو ایسے ہر نقشِ قدم میں آہوے مضمون کو پانو میں چکّی باندھ کر چوکڑیاں بھرتے دیکھتے تھے۔ اب کوزوں میں دریا بند کرنے کے دن گئے۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔

اب تو ضرورت ہے کہ ہر قطرے کو دریا بنائیں اور دریا جو کوزوں میں بند ہیں اُن کو جگمگاتی لہروں کی زرہیں اور اُچھلتے کودتے مینڈھوں کے خود پنہا کر عقل کی چوٹی سے فہم کے دامن تک پہنچائیں۔ کُل صنعتیں شاعری کی ختم کیں اس کے ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ جتنی صنعتیں شاعری میں مُتداول ہیں اُن سب کا بہ تاؤ علی وجہ الکمال کیا۔ دوسرے معنی یہ کہ مثالیں ہر صنعت کی کلام میں موجود ہیں گو بعض کم ہیں بعض زیادہ۔ اگر کُل کو معنی میں اکثر کے لیں۔

ولا کثر حکم الکل

تو تیسرے معنی یہ کہ گو بعض صنائع متروک بھی ہوں مگر اکثر موجود ہیں۔

نظیر کو شاعری میں میں نے جو کیر کرڑ دیا ہے اُس کے لحاظ سے یہ بالکل خلاف ہے کہ ان تین معنوں سے کسی ایک معنی میں بھی یہ جملہ اُس کے کلام پر صادق ہو۔ میں نے جہاں تک اُس کا کلام دیکھا ہے اور کس کے

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صنائع لفظی و معنوی پر غور کی ہے کہیں بھی اس کا اہتمام نہیں پایا جاتا کہ وہ کسی خاص صنعت کو مدِّ نظر رکھتا ہے وہ از روئے اپنے اصول کے اس کو ایک بیہودہ بات جانتا تھا کہ خواہ مخواہ صنائع کا برتاؤ کیا جائے و معانی اور خیالات میں اس قدر منہمک ہو کہ بعض اوقات وہ غزل کے قواعدِ زبان کا پابند نہیں رہتا۔ صنائع تو امرِ آخر ہے۔ مگر شعرا کی انجمن میں جاتا تھا۔ گو خود انکسار سے نہ سمجھتا ہو مگر لوگ اکثر جلسوں میں اس کو صدرِ انجمن خیال کرتے تھے۔ شاگرد لوگوں کی چوٹیں سن کر فریاد کناں آتے تھے۔ آدمی ہی تو تھا خود بھی کبھی غیرت جوش میں آجاتی تھی۔ غرض ان اسباب سے کبھی کبھی اس کو اپنے کلام کو صنائع کے زیور سے آراستہ کرنا پڑتا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے خیال کا اتنا پکّا تھا کہ ضرورت سے زیادہ اس نمایش و نمود کا سامان نہ کرتا اور جس قدر سامان کرتا وہ اس قدر کم اور غیر قابل اعتبار ہوتا کہ کسی کو خبر ہوتی کسی کو نہ ہوتی اس کے کلام کے صنائع سے آراستہ ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نازنین فرنگ کانوں میں کوئی زمرد کا آویزہ لٹکا لے یا گلے میں ہیرے کا نکلیس پہن لے یا ہاتھوں میں سونے کے کڑے ڈال لے۔ حسنِ ذاتی کو ہجوم زینت سے ڈھانکا نہیں جاتا بلکہ موقع کی آرایش سے مختصر مفیدِ مطلب طور پر چمکایا جاتا ہے۔

غزلوں کی بحث میں لکھ آیا ہوں کہ اس نے ایک غزل صنعتِ واسع الشفتین میں لکھی ہے۔ کہا نہ جائے تو شاید پڑھنے والے کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آئے کہ اس میں کوئی صنعت ہے۔ ذرا سا چھوٹا مختصر سا حلقہ۔ حسن کی بدولت نازنین نمایش سے مستغنی۔ آپ کو کیا خبر انگوٹھی کس انگلی میں پڑی ہے۔ اس غزل کے برعکس غزل نمبرہ ہے دیوالی کے بیان میں جس کا مطلع ہے۔

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاط و عیش ہے
سب مہیّا ہے جو اس ہنگام کے شایاں ہے شے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

...Chennai and eGangotri

اس میں ہر شعر میں بلکہ ہر مصرع میں ایک نہ ایک حرف شفوی موجود ہے۔

ہنس نامے سے زیادہ نظیر کی کوئی نظم مشہور نہیں مگر شاید یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس میں ترک حروف کے متعلق یہ ایک خاص صنعت ہے کہ شروع سے اخیر تک ث اور ظ کا کہیں پتا نہیں۔ اور پھر اس پر نظم اس قدر بے تکلف کہ کہیں آورد کی ہوا بھی تو نہیں لگی۔

غزلیں بھی بہت سی ایسی دکھا دی جاسکتی ہیں جن میں بجنسہٖ یہی صنعت موجود ہو مگر مثالیں بڑھانے سے کیا فائدہ خصوصاً جب کہ ترک حرف کوئی بہت بڑی صنعت نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو محض لفظی ہے۔ اختیار حرف کی مثال میں یوں تو ہر غزل پیش کی جاسکتی ہے کہ حرف آخر ردیف سے کوئی شعر خالی نہیں۔ اصل مثال وہ ہے کہ جس میں اس صنعت سے کوئی لطف خاص بھی پیدا ہو مثلاً بسنت والی نویں دسویں غزل جن میں سین اور دوسرے حروف صفیرین ہر شعر میں بکثرت اور بالالتزام موجود ہیں اور بسنت کا سہانا سماں سلسلۂ صفیرین دکھا رہے ہیں۔ یا یہ مصرع پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں۔ جس میں بجلی کے حروف بجلی چمکا رہے ہیں۔ صنائع معنوی میں ایہام حضرت امیر خسرو کو بہت پسند تھا اور نثر میں وہ نسبت یعنی رعایت لفظی کی رعایت بدرجہ کمال ملحوظ رکھتے تھے۔ رعایت لفظی میں (جو دوسرا نام تلازمے کا ہے) ضمن اللفظ بھی داخل ہے۔ ایہام اور رعایت لفظی کے ملنے سے ضلع جگت پیدا ہو جو آج تک جیتا جاگتا ہے۔ شعراء طبقۂ اول و دوم میں اس کا بہت چلن تھا اور چوں کہ نظیر بھی داخل متقدمین ہے کہیں کہیں اس سے کو وہ بھی رائج کرتا ہے۔ زبانی ضلع جگت کی مثالیں اس سے کہیں زیادہ ہوں گی جو کتابوں میں ہیں مگر ہمارے ڈاکٹر جانسن کے لیے باسول کہاں سے آئے۔ ہمارے درجے ورق گردانی قائم مقامی کرتی ہے اور ادسول پیاس بجھاتی ہے۔

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر	کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک عالم کو کہن کیطرح سر پھوڑے گا اب ۔۔۔ گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

حُسن بازار نظیر کی ایک کتاب ہے اُس میں بزاز کی صفت میں کچھ فقرے اُس نے لکھے ہیں۔ ضلع جُگت کی بانگی دکھانے کو کچھ بُرے نہیں۔

نشستن بزاز در دُکاں بحُسن ممتاز و بر جامہ زیبی خود در ناز از اقسام اقمشہ چیدۂ بلباس پسندیدہ از تن زیب فزا و بر شکِ گُل بدن زینت شبنم ناظر رمز فہمی چناں کہ مائل باریک بافتہ[۵۱] یافتہ و طور رنگین بیانی ہماں کہ خواہندۂ تافتہ[۵۲] رخ نہ از بہا تافتہ نوع شیریں از یں بکثرت مطلوب کہ بخندد وارد خاصہ[۵۳] ازاں بخوبی محبوب کہ نہ بخندد گز بہر گرہ از پیمایش گزینہ در عار داز پیمودن پہنیاں منقش و دیباے زرکش بے قرار رتبۂ تر اندام بلُطف اندام نزاکت انتماد قدر مخمل بملایمت کف پا از نیرنگی ناز و ادا خوبی جنس دورو و بہ نرمی تکلم دل رُبا گرمی خرید شال موبمو زیبائی میاں ایں چنیں کہ ارگشاد بستہ کمرزریں میاں کاغذ زود نشیں و اظہار قیمت دارائی[۵۴] باں دل آرائی کہ بہر قسم فرحت قریں مدعاے اطلس[۵۵] گرفتہ از نگہداری زر بہشت و قفہ گزینی و مطلب بیکام خریدہ بتوصیفِ آں دیر نشینی بحُسن تقریر طلب حریر متجاوز التحریر و بمشاہدہ آں خواہشِ الوان افزایش پزیرہ متاع بے پردہ بالمشافہ بہتر و درپردہ تماشاے دیگر۔

تقریر کیا ہے خاصی بزاز کی دُکان ہے۔ تن زیب۔ گُل بدن۔ شبنم۔ بافتہ۔ تافتہ۔ شیریں

۵۱ بافتہ ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔
۵۲ تافتہ ایک قسم کا ریشمی چمک دار کپڑا۔
۵۳ خاصہ ایک قسم کے کپڑے کا نام جو سفید سوت کا ہوتا ہے۔ متوسط کپڑا۔
۵۴ دارائی ایک قسم کا ریشمی کپڑا جسے اُردو میں دریائی کہتے ہیں۔ ساٹن فالبس لکھتا ہے ایک سرخ ریشمی کپڑا۔
۵۵ اطلس ایک قسم کا ریشمی کپڑا جیسے ساٹن وغیرہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ہ۔ گزی۔ گاڑھا۔ دیبا۔ تراندام۔ مخمل۔ دورو دورُخا۔ شال۔ ٹپکا۔ دارائی۔ اطلس۔ پیلام۔
یہ۔ الوان سبھی موجود۔ پھر اس پردے میں مُشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ خریداروں کا کیوں اسی ایک دُکان پہ
م ہے۔ جو خرید چُکے ہیں وہ جلد ٹلتے کیوں نہیں۔ خواہ مخواہ قیمت دینے میں دیر کیوں لگا رہے ہیں۔
ب خرید چُکے تو اب بیٹھ کر اس کی گھنٹوں خوبیاں جتانے سے حاصل۔
یظر کے باغِ طبع سے ایک جگہ کچھ پھل پھول بھی جمع کر دیے گئے ہیں۔ رعایت لفظی کی بہت مثالیں
اں بھی ملیں گی۔ بیر کی تعریف میں نزاکت بے ربا۔ آموں کی رسید میں اشفاقِ عام طبع
ازرس۔
پتنگ کی رسید میں بھی صنعت نے لفاظی دکھائی ہے عبارت کے کنکوے نے ضلع جگت سے دریائی پائی ہے
الی از تفریح نہیں اس لیے میں بھی ڈھیل دیتا ہوں۔

	ز حسنِ پتنگ ای رعایت پسند		پری خانہ شد خانۂ خاطرم	

بلُطف پتنگ دوبارہ پروازِ ہوش دل بوفور سرور کُلاہ بہوا انداخت و طائرِ شوق بانبساط موفور
وں کاغذ باد در بال کشائی پرداخت شوخی روے ہوائیش پری را برخصت کارِ پرداز وارتباط قیام
ال گرداند و سرعت چپ و راست گردشِ چشمِ تباں را تماشا رساند طرزِ بالا روی دل ربائی بالا
بالا الغمزہ نازنیناں آموزد و از طور عکس ورزی آمد تیر پرتابی حسرت اندوزد اگر پیش کشی بسماجت نیر دا
بجنگ تار شعاعی زیبِ خورشید آہنگ معانقہ سازد بقطع متکلّ حریفان چناں تیز رو کہ شاہین بشکار کبکاں وار
ہیبت و ہراس آں کنکوہ دچچکہ بخوبی گریزاں کہ زاغ و زغن از تیر و کماں پروانہ نہمنامی از گرمی نشاط خنداں
وبچک رستہ بسبب لازمی رشتۂ خود بگوے ماہ رساں۔
(قدر متین رقعہ ۲۹)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہی حال اُس نظم کا بھی ہے جس میں کنکوے اور پتنگ تعریف کی ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔

(دیکھو کُلیات)

لفظی صنائع میں تجنیس بھی ایک بڑی چیز ہے اور موقع سے بعض وقت اس کا استعمال خالی از لطف نہیں۔ مگر از بس کہ کثیر الاستعمال ہے اس کا وجود کوئی بڑے فخر و امتیاز کی بات نہیں جس طرح اور شعرا کے کلام میں اس صنعت کا وجود ہے نظیر کے ہاں بھی۔ نظیر کو اس کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہے۔

مثالیں ۔ پیتے تھے مے بسا بسا پھولوں میں ہم بسا بسا۔

شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں	خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں
جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا	کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا
چپ کے بھی وصف کرنے میں چپکا رہوں میں کیا	شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دائما

الٹریشن ایک شعبۂ تجنیس کا ہے تجنیس تام میں تمام حالتیں یکساں ہوتی ہیں۔ اس میں فقط اول حرف یکساں ہوتا ہے لہٰذا اگر اس کو تجنیس الرؤس کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ جس طرح انگریزی مذاق ادب کو ترقی ہو رہی ہے عجب نہیں کہ تھوڑے دنوں میں یہ داخل صنائع مروجہ ہو جائے۔

قافیہ جس میں حرف آخر کی رعایت ملحوظ رہتی تھی اب رفتہ رفتہ اُٹھتا جاتا ہے۔ عبارت میں انگریزی شان پیدا ہو رہی ہے۔ لامحالہ اُسی کی طرح رؤس الفاظ کو تاج صنائع پہنائے جائیں گے۔ عربی کی تو نہیں کہہ سکتا مگر قافیہ فارسی میں بھی ایک امر تکلفی تھا۔ قافیے سے پیشتر اس زبان میں الٹریشن کا فطری قانون کثرت سے متحد الرؤس دو لفظوں کا جوڑا ملا کر فصاحت کا ایک پائدار نتیجہ پیدا کیا کرتا تھا جیسے ہوش و ہنگ نام و ننگ مہر و ماہ خیمہ و خرگاہ شاخ و شانہ چک و چانہ ڈھونڈو گے تو اس قسم کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

Foundation Chennai and eGangotri

لفظی جوڑے فارسی میں بہت ملیں گے۔ اُردو کی پنچی بھی ان جوڑوں سے خالی نہیں۔ گالی گلوج۔ ڈھول دھپا جھک جھوری۔ چھیڑ چھاڑ۔ چھل چھبیلی۔ رنگ رنگیلی۔ گانٹھ گٹھیلی۔ یہ جوڑے آخر نظیر کی نظر سے گزرتے تھے اور گزرتے تھے تو آخر اپنی زیب و زینت بھی ثابت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ہم اُس کے کلام میں بھی اس قسم کی مثالیں پاتے ہیں۔

خد و خال خوبی آگیں لب لعل پان سے رنگیں	نظر آفت دل و دیں مژہ صد مضرت افزا
مکتب کے بیچ گُل کی طرح سے کھلے رہے	ناز و نیاز کیا ہی کھُلے اور ملے رہے
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُن کو بے بسی	چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اس کے ہر گھڑی	چاہت کی گُل کی بو نہ رہی آخرش چھپی
کثرت میں عشق تھا جو بُت گُل عذار کا	ایک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا
تازگی جی کی اور تری تن کی	واہ کیا بات کورے برتن کی
رات دن شمس و قمر شام و شفق روشن ہوئے	روکھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر

میں نے موسیقی کی بحث میں دکھایا ہے کہ نظیر کا مذاقِ موسیقی کس قدر لطیف تھا اور اس اعتبار سے اُس کا کان کیسا سچا اور رس میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہاں کہیں آواز سے اثر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے وہ بہت کامیاب ہوتا ہے اُس کا اِس قسم کا کلام پڑھئے تو ختم کلام پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ابھی ستار بجا کر ہاتھ سے رکھ دیا ہے۔ گو گت بج کر موقوف ہو گئی ہے مگر زمزمے کانوں میں ہنوز گونج رہے ہیں۔ موسم برسات کے بیان میں صفحہ ۳۲ پر جو نظم اُس کی ہے اِسی وضع کی ہے۔ بلکہ یہی کیوں اس کے قبل اور بعد چاندنی رات اور عالم بہار کے بیان میں جو دو نظمیں ہیں اُن میں بھی یہی لطف ہے۔ اِن تینوں نظموں میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کے سلیقۂ موسیقی نے غیر محسوس طور پر کثرت سے الٹریشن کی رعایت کی ہے جن صاحبوں کو لطف اٹھانا مقصود ہو کلیات اُٹھا کر دیکھ لیں۔ میں یہاں صرف ایک بند پر اکتفا کرتا ہوں۔

روز مزوں سے رات کو برسے تھا مینہ چھمک چھمک
جام ہے چھلک چھلک شیشہ رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک لوٹتے تھے بہک بہک

بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک پانی پڑے چھپک چھپک
یار بغل میں بانمک عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش کا اتنے میں آہ یک بیک

ابر کھلا ہوا گھٹی بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا سب وہ بہار بہ گئی

یہ فقط الٹریشن کی مثالیں نہیں۔ الٹریشن کے علاوہ اس میں صنعتِ تسجیع بھی ہے صنعتِ تکرار بھی پھر سلیقہ شاعرانہ نے بہت سے الفاظ یہاں ایسے بھی جمع کر دیے ہیں جو الفاظ نہیں ہیں بلکہ روزمرے ہیں فصاحت کے شرارے بلاغت کے چمکارے۔ الٹریشن کی مثال وہ بھی خاصی ہے جس میں چڑیاں پڑی چہک رہی ہیں۔

وقتِ سحر کی رو جیں کیا کیا ہُوں ہُوں ہُوں ہُوں کرتی ہیں
ہُوں ہُوں ہُوں ہُوں کر کر ذکرِ کُن اور فیکوں کرتی ہیں
مرغے بولیں ککڑوں کوں کوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اُس کی بھتّوں بھتّوں کرتی ہیں

؎۱ کہیں انھی لفظوں کو میں نے الفاظِ شاعرانہ قرار دیا ہے یعنے وہ الفاظ جن میں مشکل مفاہیم شاعرانہ بندیں واضع نے اُن کو وضع نہیں کیا بلکہ فطرت نے شاعری کی ہے۔

CC-0. In Public Domain.

Foundation Chennai and eGangotri

ساںجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں بے چوں کرتی ہیں

اس عارفانہ مثال نے ایک مضحک مثال بھی یاد دلائی۔

صبح جب بول اٹھا مرغ سحر گڑوں کوں
اٹھ گئے پاس سے وہ رہگیا میں ٹڑوں ٹوں

صنائع معنوی کا پھاٹک تشبیہ ہے اور قلعہ استعارہ۔ ایلگری[1] اسی قلعے کی ایک آرٹ گیلری ہے جس میں رمز اور تمثیل کے بہت سی خیال کو بلندی اور اخلاق کو پاکیزگی دینے والی تصویریں خوش نما اور مُطلّا نقطی چوکھٹوں میں شیشہ معنی سے جلوہ گر ہوتی ہیں۔

لوگوں کو تعجب ہوگا کہ نظیر انگریزی تو جانتا نہ تھا پھر اُس نے انگریزی صنائع کی رعایت کی تو کیوں کر کی یہ صحیح ہے لیکن آخر وہ اپنے ہاں کے قواعد بدیع سے تو واقف تھا۔ فن بدیع نے اُس کو ایک پاس دے رکھا تھا جس کے ذریعے سے وہ کبھی کبھی اُس خیالی قلعے میں آیا جایا کرتا تھا۔ کسی دن اُس گیلری کی طرف بھی جا نکلا۔ ایلگری کا لفظ گو ہماری زبان میں رائج نہیں نہ اس کا کوئی مُرادف لفظ مگر پھر بھی عملاً اس کے معنی سے ہمارے ہاں کے اساتذۂ فارس و عرب واقف نظر آتے ہیں مولانائے رومی کی مثنوی میں ایلگری کی بہت مثالیں ہیں۔ جب تک اِستعارہ لفظوں میں محدود ہے استعارہ ہے جب لفظوں سے گزر کر پورے مضمون پر پھیل گیا تو وہی ایلگری ہے جس کو تمثیل رمز مجاز جس لفظ سے چاہیے تعبیر کر لیجیے۔ نظیر کی نظموں میں یہ چند

[1] وہ قصہ یا مضمون جس میں صریح اور ظاہر لفظی معنے اصلی و مقصود بالذات نہ ہوں بلکہ معنیٔ اصلی و مقصود بالذات لطافت اور قوت کے لیے تشبیہ و تمثیل کے پیرایے میں بیان ہوئے ہوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظمیں کھلی کھلی الیگریاں ہیں۔

ہنس نامہ - آندھی - چوہوں کا آچار - آئینہ - کورا برتن - ریچھ کا بچہ - بھنگ - اژدہے کا بچہ

ہنس اصل میں عبارت ہے روح سے - جس شہر سے آیا تھا اُسے عالمِ اطلاق سمجھیے - صحرا سے عالم تعین مُراد ہے - پیڑ قالب انسانی ہے - پکھیرو جو اُس پیڑ پر رہتے تھے اُن سے یا تو تمام افراد مُشارک فی النوع مُراد ہیں یا جسمانی قوتے - قصد سفر سے ظہور آثار پیری اور پیام اجل مُراد ہے - سفرِ موت ہے پہلی منزل قبر-

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا حسن المقطع کی ایک عمدہ مثال پیش کرتا ہے اور سعدی کے اُس قصیدے کو بڑے زور سے یاد دلاتا ہے - جو یوں شروع ہوتا ہے -

	روزے کہ زیر خاک تن ما نہاں شود	

چوہوں کے آچار میں الیگری کا چٹخارا سمجھنا ذرا مشکل ہے - مگر خدا نے جن کو مذاقِ سلیم عطا کیا ہے وہ غالبًا بیان سے بیشتر مزہ لے رہے ہوں گے - اگر دُنیا کو شہر فرض کریں اور اس میں جو لوگ مصروف معاملات ہیں اُن کو خوانچے والا تو اکثر حالتوں میں یہ بات ثابت ہوگی کہ اُن کو بحث حلال و حرام مطلق نہیں بلکہ باوجودے کہ تمام قسم کے جعل و فریب دغابازیاں مکاریاں ہر معاملے میں شریک ہیں مگر ہر شخص اپنی ہی شے کی تعریف کر رہا ہے اور ہر ایک شخص کو اُسی کی چاٹ دلا رہا ہے - وکیل سے لے کر ذلیل مختار تک اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے لے کر ادنیٰ پنچ تک اور پارلیمنٹ کے اعلیٰ ممبر سے لے کر بے شعور ووٹر تک اور کمانڈر انچیف سے لے کر ادنیٰ سولجر تک خلاصہ یہ کہ تمام اعلیٰ و ادنیٰ جو مُشترک فی الدنیا ہیں دین و مذہب فقط اُن کی نوک زبان پر ہے ورنہ دل میں ہر قسم کی بے ایمانیاں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھر رہی ہیں۔ اسی قسم کے ایک بے نظیر پکے دُنیا دار کی نظیر نے آپ اپنے تئیں ایک مضحک خوانچے والا بنا کر دھجیاں اُڑائی ہیں۔

نظیر کے آچار کے مصالح قریب قریب وہی ہیں جو شیکسپیر کے تین مشہور جادوگروں کے میکبتھ میں ایک تُرک کی زبان تو نہیں ہے اور وہ ایک تُرک کی زبان سے ہو بھی نہیں سکتی تھی ورنہ سبھی کچھ ہے۔

چوہے۔ گھوس۔ چھچھوندر چھپکلی۔ مینڈھک۔ کچھوے۔ بچھو۔ کالے ناگ۔ مکڑیاں۔ مکھیاں۔ جوں لیکھ۔ مچھر۔ پسّو۔ کھٹمل۔ دیمک۔ چیونٹی۔ چمگادڑ۔ ابابیل کی بیٹ۔ اُلو کے پر۔ گدھ کی پشم۔ کوؤں کے سر چیل کی آنتیں۔ گوبر کی ڈلی۔ مُہری کی کیچڑ۔ غور کر کے دیکھیے تو یہ مصالح نہیں ہیں مگر حرام کی تمام چھوٹی بڑی قسمیں۔

بند ذیل میں چالیس برس کی قید ایک گہرے مشاہدے کو دکھاتی ہے۔ واقعی جب تک اس عمر کو نہیں پہنچتا آدمی پکّا دنیادار نہیں ہوتا۔

اوّل تو چوہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں	اور سیر سوا سیر کے مینڈھک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں	چالیس برس گزرے ہیں تب ایسے سڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

بند ذیل اس مضمون کی ایک مثال ہے کہ حرام میں بڑی رونق ہے اور لوگوں کو اِس طرف شدّت سے رغبت جعل سازوں دغابازوں کے گھر میں پڑا ہُن برس رہا ہے اور دیانت دار کوڑیوں کو محتاج۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آگے تھے کئی اب تو ہمیں اک ہیں جو بے مار
گلیوں میں ہمیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار
مدت سے ہمارا ہے اس آچار کا بیوپار
برسے ہے پڑی کوڑی روپے پیسوں کی بوچھار
کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

جس طرزِ بیان پر یہ نظم بنی ہے اس کو انگریزی میں آئرنی اور عربی میں تعریض کہتے ہیں۔ تعریض کی تلخی کو کچھ تو بات کو ہنسی میں ڈال کر اڑا دیا ہے کچھ اس طور پر کہ ساری ملامت اپنے سر لے لی ہے۔

روزی تو ہماری یہ اُتاری ہے خدا نے
اور پیٹ کے بھی واسطے دو پیسے کمانے
دن رات پڑے ہم کو یہ آچار بنانے
لذت کو نظیر اس کی جو کھاوے سو ہی جانے

آندھی کی رمز بہت روشن ہے۔ آندھی سے مُراد ہے حرص وہوا کا زور دُنیاوی لالچوں اور لذتوں کا شور۔ جن لوگوں کے نفس صالح ہیں گو اوّل وہلہ میں فطری کمزوری کے سبب اُن کا دل بھی کسی قدر ڈانوا ڈول ہوتا مگر آخر وہ حرص وہوا پر غالب آتے ہیں اور قناعت کے بالاخانے میں شاہد صدق وصفا سے ہم کنار رہتے ہیں۔ رقیبوں سے شیاطین مُراد ہیں یا اخوان الشیاطین۔

نظیر آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

کورا برتن اصل میں وہ قلبِ صافی ہے جس کو گناہوں کی ہوا نہ لگی ہو اور صلاحیت ازلی کر آیا ہو۔ پانی کی بوند عبارت ہے بادۂ محبت الٰہی سے۔ اور پنہاری مُرشدِ کامل سے۔

خاک سے جب کہ ان کو گڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں

CC-0. In Public Domain

کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں	حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی ۔ الخ

بندِ ذیل کا چوتھا مصرعہ شاہد ہے کہ یہ محض کورے برتن کی تعریف نہیں ہے بلکہ پیرایۂ رمز میں انسانِ خاکی سرشت کی ازلی آب و تاب دکھائی ہے۔

جس صراحی میں سردپانی ہے زندگی کی یہی نشانی ہے	موتی کی آب پانی پانی ہے دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی ۔ الخ

ریچھ کا بچہ اصل میں نفس شریر انسانی ہے اور قلندر انسان ۔ اُس کی تعلیم سے مُراد ہے ریاضتِ نفس بندر سے مُراد ہے عالم طفولت جس میں قوّتِ تقلید بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگل کے اندر ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایّامِ طفولت گزر گئے۔ بےفکری کے دن گئے ۔ جواب وہی کے دن آئے نفس شریر کو اب رام کرنا چاہیے ۔ جب نفس شریر کی تعلیم پوری ہو جاتی ہے اور زیورِ صدق و صلاح سے آراستہ ہوتا ہے تو خلائق خواہ مخواہ جھکتی ہے اور اظہارِ عقیدت و گرویدگی کرتی ہے پھر نذور و فتوح کی کچھ کمی نہیں رہتی ۔

یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر	سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر

ذیل کے بند میں نہایت گہرا صوفیانہ نکتہ ہے کہ ہر چند کوئی کتنا ہی بڑا مُرتاض زاہد کیوں نہ ہو مگر نفس کی مُخالفت اخیر عُمر تک جاری رہتی ہے پس پکّا اور سچا صوفی وہی ہے جو کسی وقت اُس کے حملوں سے غافل نہ رہے ۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب کُشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا	للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گو ہم نے پچھاڑا اُسے گو اُس نے پچھاڑا	اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کُشتی کا اکھاڑا

پر ہم بھی نہ ہارے نہ تھکا بچہ کا بچا

اژدہے کے بچے سے نفس زاہدِ ریائی مُراد ہے اور اُس کے نیچنے سے تعلیم روحانی کی اشاعت کی آڑ میں کسبِ دُنیا۔ پُرانے اژدہے سے وہ نفس مُراد ہے جس نے خالصاً لوجہ اللہ ریاضت کی ہو اور درجۂ کمال کو پہنچا ہو۔ ایسے لوگوں کے پاس سچائی کی وجہ سے یقیناً لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور چوں کہ روپے پیسوں کی اُنھیں پروا نہیں ہوتی روپے پیسے کیا دن رات جواہرات برستے ہیں۔ لیکن یہ مقام مزلۃ الاقدام ہے۔ اکثر نفوس رجوعِ خلائق سے فریب میں آجاتے ہیں شیطان تو ہر وقت تاک ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔ موقع پاکر اس طرح پٹخ دیتا ہے کہ عُمر بھر کو کنونڈے ہو جاتے ہیں۔ مرد وہی ہے جو ہر حال میں خدا پر نظر رکھے کیوں کہ رجوعِ خلق سے گو دُنیا میں عروج ہو مگر وہ عروج چند روزہ ہے۔ اصل عروج وہی ہے جو اُس جہان میں سر بلندی دے۔

اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا	سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا

آئینے کی جوانی کی بحث میں شرح ہو چکی ہے۔ رہ گئی بھنگ۔ میرے نزدیک اس سبزی میں حافظِ شیراز کے بادۂ ارغوانی کی سرخی جھلکتی ہے۔ بھنگ کی تعریف میں ایک نہیں تین تین نظمیں ہیں مگر جس نظم کو پڑھ جایئے باوجود بندش کی رندانہ آزادی اور عبارت کی قلندرانہ لفاظی کے اُس میں معرفت کی کیفیت چھائی ہوئی ہوگی۔

(پہلی نظم)	پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

...ation Chennai and eGangotri

جو ایک دم میں تیرا گھر گھوے چھپر ہالے

یعنی صوفیوں کی بزم میں نشۂ معرفت سے سرشار ہو پھر دیکھ یہ دُنیا جس کو تو اپنا گھر سمجھ رہا ہے اور جس میں تیری غفلت نے چھاؤنی چھار کھی ہے کس طرح متزلزل نظر آتی ہے۔

گر دیکھنے ہیں تجھ کو کچھ عیش کے جھڑا کے
تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑ جھڑا کے
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے

یعنی دُنیا سے آستین جھاڑ اور عاقبت کا ہوش کر

دوسری نظم کا پہلا ہی مصرعہ ہے۔

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل

گویا غفلت جو اُمورِ دین کی طرف سے لوگوں میں عام ہے اُس سے چونکاتا ہے اور کہتا ہے آنکھیں کھول اور عرفان کے اکھاڑے میں ذرا پھر دیکھ کیا کیا قُدرت کے کھیل نظر آتے ہیں۔

کونڈی مُنتکے کو بجا اور دیکھ ٹک قُدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

خضر جن کی تصویر بند ذیل میں ہے اور جو بنگ پینے کی ہدایت کرتے ہیں یقیناً مُرشدِ کامل ہیں۔

کل مجھے دریا اُپر خواجہ خضر جو مل گئے
سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا لیے
کم خوراکی اور ناتوانی کے گلے جب میں کیے
تب تو وہ مُنہ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی مُنتکے کو بجا۔ الخ

اِس کے بعد جتنے بند ہیں سب فقر کے رنگ میں ڈوبے ہیں یہاں تک کہ خاتمہ اس مصرع پر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر

تیسری اور آخری نظم کا پہلا ہی مصرعہ یہ ہے۔

دُنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا

پہلی نظم کی طرح عاشق کا اس میں بھی شروع ہی سے ذکر ہے

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

بند تو اس نظم میں یہ لکھا ہے۔ واقعی زمرد کا ٹکڑا ہے۔

اُلفت کے زمرد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے
مُنہ جس کے لگی اُس سے پھر کا ہے کو چھوٹی ہے
پتّوں کی چمک اس کے کمخاب کی بوٹی ہے
یہ نان ٹکورے کی اِس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا۔ الخ

فقیر کی مستی کا سماں ذیل کے بند میں چھایا ہوا ہے۔

ہیں مست وہی پورے جو کونڈی کے اندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بت ہو اور جھومتے مندر ہیں
دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر ہیں
کہتے ہیں یہی ہنس ہنس عاشق جو قلندر ہیں

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا۔ الخ

۵۱ چوب۔ نقارہ بجانے کی لکڑی۔ نقارہ۔ دھونسا۔

۵۲ ٹکورا۔ ڈنکا۔ نوبت کی آواز۔ (مغفور) وفائے وعدۂ دیدار جاناں ہے جو محشر پہ ÷ نویدِ نفخِ صور اسرافیل نوبت کا ٹکورا ہے (ظفر) ہر ٹکورے پہ ہے نوبت کی طرح دل ہلتا ÷ اب تو نوبت سے لگا کرنے یہ نوبت پنکھا۔ (میر حسن) ٹکوروں میں نوبت کی شہنا کی دُھن پہ تنگھر سننے والوں کو کہتی تھی سُن۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

پرسونیفیکیشن استعارہ بالکنایہ کی ایک قسم ہے جسکو استعارہ بالتشخص کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بے زبان اشیا اور غیر ذوی العقول چیزوں کو بلکہ بعض اوقات محض خیالی اُمور کو بھی ایک تشخص ذاتی دیتے ہیں اور اُن کو تمام لوازم عقل و نطق و حیات سے آراستہ کرکے تھوڑی دیر کے لیے حیوانِ ناطق بنا لیتے ہیں۔ یہ تو کہنا محض غلط ہوگا کہ قدیم شاعری میں اس کا رواج نہ تھا مگر اتنی بات البتہ ہے کہ انگریزی کے رواج نے اس کو صنائع میں اب کسی قدر زیادہ نُمایاں اور مقبول کر دیا ہے۔ اب کوئی عبارت ایسی نظر سے نہیں گزرتی جس میں یہ صنعت موجود نہ ہو۔ یہ صنعت چونکہ اب انگریزی سے اردو میں لی گئی ہے اس لیے اگر اس کو استعارہ فرنگ بھی کہیں تو بجا ہے اِس استعارہ فرنگ نے اب ایسی مسیحائی کی ہے کہ اکثر بے جان خیالی جمادات میں جان آگئی ہے اور وہ عبارت کی انجمن میں عقل کے لب و لہجے سے گفت گو کرتے پھر رہے ہیں۔

نظیر اولاً تو اس زمانے کا آدمی نہیں دوسرے اُس کو صنائع سے زیادہ رغبت نہیں پھر کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ یہ صنعت جو گویا مخصوص بفرنگ ہے اس کے ہاں زیادہ پائی جائے گی لیکن چونکہ سچا شاعر ہے سلیقہ فطری اُس کو جہاں اور سچے صنائع شاعرانہ میں ماہر دکھاتا ہو وہاں ایک خاص اعتدال کے ساتھ اس صنعت میں بھی مشغول رکھتا ہے۔ گو اُس کو اس صنعت کا چنداں اہتمام نہیں مگر جہاں بے تکلفی کے ساتھ بعض برجستہ فقرے نکل آئے ہیں تو اس لطف سے آئے ہیں کہ جو لوگ خاص اسی صنعت پر مٹے ہوئے ہیں اُن سے بھی عمر بھر ایسا ایک فقرہ نہ نکلے۔

نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم جھٹک لیا جب تو دل کو میرے
ادا ادا نے اِدھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا

لڑاتے ہی

چلا جب گھر سے اکڑ دل بر دلوں کو حسن سے چھلنے
عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لکھے تسخیر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے ۔ لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے

بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

نہ آیا رحم کچھ اس کو بہت میں نے سماجت کی ۔ نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی

کمند زلف پر خم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی ۔ لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی

ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا لپٹی کرشموں نے ادھر گھیرا ۔ ادھر پلکوں کی نوکوں نے چبھویا دل میں نشتر سا

ادھر انداز نے دھج کے کیا دیوانہ و شیدا ۔ ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باولا کیا کیا

ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

شدھ لے گئی بالے کی جھمک صبر کرن پھول ۔ اور عقل کو بندے

بالی کی گئی جھوک لگا سینے میں اک ہول ۔ دل لے گئے جھمکے

اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی ۔ زنجیر پنہا کر

کاجل کی کھنچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفان ۔ جو ہوش اُڑایا

مستی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں ۔ جو غش پہ غش آیا

ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی ۔ مہندی کو دکھا کر

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں ۔ رکھتی ہے کہیں زلفِ پریشان تماشا

خوشی یہ بولی تمھاری میں گرد خاطر ہوں ۔ ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

میری نظر بھی دوڑ کے اس کی نظر سے ول ۔ ایسی لڑی کہ خوب لڑی خوب ہی لڑی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھانک بیجوں کی بھری لے ہے وہ جب منھ سے لگا	تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنس کر تربوز

اندھیری رات میں اسی صنعت کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری	کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جاڑے کے اکھاڑے میں اسی صنعت کا پہلوان خم ٹھونک رہا ہے۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	پالا بھی برف پگلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

چلا خم ٹھونک اُچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

برسات کے صحن میں بھی اسی کی پھسلن ہے۔

لاٹھی کو ٹیک کر جو سنوں ہے کھڑا تو کیا	چھجّا گرا منڈیرے کا پتھر پھسل پڑا

سب سے زیادہ ہولی نے اس صنعت کو رنگا ہے۔ یوں تو ہولی کی ہر نظم میں یہ رنگ اُچھلا ہے مگر اُس نظم میں جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

جُدا نہ ہم سے ہوا ے خوش جمال ہولی میں

رنگ دُھواں دھار ہے گو پچکاریاں چل رہی ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ہنری مارٹینی کی باڑھیں ہیں نظیر نے سُفید اور زرد کو دو صاحب مُلک و مال قرار دیا ہے۔ انکی دونوں کے آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ دو پادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ ایک کہتا ہے مُلک چھوڑ دے۔ دوسرا کہتا ہے میں تو نہیں چھوڑنے کا۔ تو لڑ دیکھ۔ دونوں طرف سے فوجی طیاریاں ہوتی ہیں۔ پھر لڑائی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عین جب وقت میں لڑائی کا بازار گرم ہے ایک شوخ نازنین سیر کو آتا ہے مستفسرِ احوال ہوتا ہے اور بیچ میں پڑ کر صُلح کروا دیتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ازبس کہ اِس نظم کا مفہوم خیالاتِ فرنگ کے مُطابق ہے لہٰذا اگر اُس کے اشعار یہاں نقل کیے جائیں تو غالباً ناگوارِ طبعِ ابنائے زماں نہ ہوگا۔

سبھوں کے عیش کو پھاگن کا یہ مہینا ہے
سفید و زرد میں لیکن کمال کینا ہے
طلا کا زرد کئے سر بسر خزینا ہے
سُفید پاس فقط سیم کا دفینا ہے
ہر ایک دل میں ہے رستم و زال ہولی میں

کہا سُفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام
کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو مرا بند و بست ہوگا تمام
تو مجھ سے آن کے مِل چھوڑ اپنی ضد کا کلام
وگرنہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر بڑھاؤں گا
بنا کے آپ سا پاس اپنے بٹھاؤں گا
کہا سُفید نے میں مطلقاً نہ آؤں گا
تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا
تو اپنا دیکھیو کیا ہوگا حال ہولی میں

یہ سُن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار
چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پر اک بار
اِدھر سُفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار
صفیں مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں طیار
ہوا کرخت جواب و سوال ہولی میں

پلا اُدھر سے سُفید اور اِدھر سے زرد بہار
گھٹائیں رنگ برنگ فوجوں کی جھکیں سرشار
بکھالیں مشکیں چھُٹیں رنگ کی پڑی بوچھار
تھی چار طرف سے پچکاریوں کی مار مار
اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

یہاں تو دونوں ہیں آپس میں ہو رہی یہ جنگ
ہزاروں نازنیں معشوق اور اُس کے سنگ
اُدھر سے آیا جو اک شوخ با رُخِ گل رنگ
نشے میں مست کھلی زلف جوڑے رنگ رنگ
کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ اے بادشاہ مہ رویاں
یہ سن کے آپ وہ دونوں کے آگیا درمیاں
سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں
ادھر سے تھا نبا اُسے اور اُدھر سے اس کو کہاں
تم اس قدر نہ کرو اختلال ہولی میں

کہو تمھاری خصومت کا ماجرا ہے کیا
یہ سن کے اُس نے وہیں اپنا اک منگا جوڑا
کہا سفید نے ناحق یہ زرد مجھ سے لڑتا
پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑکوان رنگوا
کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعتِ رنگیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے پھر وہیں
سبھوں کو حکم کیا پہنو تم بھی اب یونہیں
پکاری خلق کہ انصاف چاہیے یونہیں
ہوا پھر اور ہی حسن و جمال ہولی میں*

ٹرنیسفر آف اپیتھٹ بھی ایک قسم کا استعارہ بالکنایہ ہے جس کو استعارہ بالاوصاف کہہ سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اوصاف جو کسی شَے کے ساتھ مخصوص ہیں اُن کو اُس شَے سے منتقل کرکے دوسری کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے اُن کو کسی طرح کی مناسبت نہیں ہوتی اور یوں بالکنایہ اُس چیز کا اُس شَے سے استعارہ کرتے ہیں جو واقع میں اُن اوصاف کی مستحق ہے۔ انگریزی میں اس صنعت کا

* جس طرح اس ہولی میں زرد و سپید کی لڑائی ہے ایک جگہ جوانی اور بڑھاپے کو بھی لڑایا ہے اور ادھیڑپن کو بیچ میں ڈال کر صلح کرا دی ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہت رواج ہے۔ لیکن اُردو میں مجھ کو اس کی مثالیں بہت کم ملی ہیں۔ اُنھی معدودے چند میں نظیر کے ہاں کی یہ مثالیں بھی ہیں۔ جہاں نظیر نے کورے برتن کی تعریف کی ہے وہاں ایک مصرعہ یہ لکھا ہے۔

سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں

ٹھٹھولیاں سوندھی نہیں ہوا کرتیں۔ سوندھی مٹّی ہوتی ہے۔ سوندھے برتن ہوتے ہیں۔ یہاں شاعر نے نہایت لطافت سے اپنے لطیفوں کا کورے برتن سے استعارہ کیا ہے۔ مدّعا یہ ہے کہ میرے لطائف لطائف نہیں ہیں بلکہ نُدرت کی وجہ سے کورے برتن جس میں آب داری کی بوند پڑ کر لطافت کی سوندی سوندی خوش بو پیدا کر رہی ہے۔

چوہے کے آچار میں مصرعۂ ذیل بھی اسی مذاق میں ہے۔

اور چرپری ٹھہری کی بھی کیچڑ ہے ملائی

چرپری اصل میں مرچ یا رائی یا اُسی قسم کے اور تیز مصالح کی صفت ہے۔ کیچڑ کو اس صفت سے موصوف کرنا گویا بالکنایہ اُس کو گرم مصالح قرار دینا ہے۔

ایہام کی صنعت بھی ایک لطیف صنعت ہے اور اس کا قُدما میں بکثرتِ استعمال ہے۔

امیر خسرو کے نزدیک اس صنعت کی بڑی وقعت ہے اور اُنھوں نے اپنی قوّتِ ایجاد سے اس کی خوبی کے نئے نئے رستے نکال دیے ہیں۔ متاخرین میں صاحب واسوخت امانت نے اس کو اچھی طرح برتا ہے۔ مشہور حاجی مرثیہ گو مُنیر کے ہاں بھی اس کا برتاؤ کسی قدر پایا جاتا ہے۔ اور جس قدر ہے شوخی کے ساتھ ہے۔ میر انیس کے خاندان نے اس میں کسی قدر لطافت پیدا کی ہے۔ مگر اب موجودہ زمانہ اس پر زیرِ لب

۵۱ چرپرا۔ تند۔ چٹ پٹا۔ چٹخارے کا۔ گرم۔ سوزاں۔

CC-0. In Public Domain.

eGangotri

ہنسنے لگا ہے۔ ایسی صورت میں نظیر کے ہاں اس کا ہونا جس قدر کم ہو اُس کے ہوا خواہوں کے لیے ایک خوشی کی بات ہے۔

باطن نے اپنے تذکرے میں ایہام کی مثال میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

کجھوری چوٹی ادا میں موٹی جفا میں لنبی وفا میں چھوٹی	ہے اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں اٹک رہا ہے
وہ پنچی کافر سیاہ پٹی نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی	پڑھی ہے جس نے کہ اُس کی پٹی وہ پٹی سے سر پٹک رہا ہے

اس مثال میں صنعت تسجیع کی مثال بھی آگئی اور پہلے شعر میں استعارہ فرنگ بھی کسی قدر ہے۔

اُور مثالیں۔

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو	لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو
ڈالی سمیت گل کو اُٹھایا تو ہے ولے	پہنچے ہیں ناز کی ہے بس اب اسکو ڈال دو
تلوار اُس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر	دل تُم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

کُچھ مثالیں مجھ سے لیجیے۔

پپیا ہی رنگ رُوپ ہے پپیا ہی مال ہے	پپیا نہیں تو آدمی چرخے کی مال ہے
وہ جو پانی کی کوری گولی ہے	وہی آنے کے مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے	کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی۔ الخ

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں	ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندھیں	دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تازگی۔ الخ

اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا		کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا

پھبتی۔ تشبیہ اور پھبتی دونوں گویا ایک چیز ہیں۔ لیکن اب استعمال میں پھبتی زیادہ تر اُس تشبیہ کو کہتے ہیں جس میں پہلوِ ظرافت ہو۔ پھبتی ایک زمانے میں ہماری سوسائٹی میں بہت رائج تھی۔ کوئی شخص اس وقت تک کہ اس فن کا اُس کو کمال حاصل نہ ہو علم مجلس میں کامل سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ نظیر جس سوسائٹی میں اُٹھتا بیٹھتا تھا اُس میں دن رات اسی کا چرچا تھا۔ اُس کی جبلی شوخی طبیعت نے یقیناً نئے گل پھول تراشے ہوں گے۔ مگر افسوس وہ کل میرے پیشِ نظر نہیں ہیں۔ تلاش کی گل چینی سے جو ملے ہیں وہ حاضر ہیں۔

(پہلی پھبتی) جوانی کو ہرے رُوکھ سے تشبیہ دی ہے اور بڑھاپے پر اُس پیڑ کی پھبتی کہی ہے جس کو نہ فقط پت جھڑ کا صدمہ پہنچا ہو بلکہ سلبِ رطوبت سے جڑ بھی سوکھ گئی ہو۔

اب کیا ہے جو پت جھڑ ہوا اور جڑ بھی گئی سوکھ		بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُوکھ

(دوسری پھبتی) بوڑھے آدمی پر لنڈورے مرغے کی۔

پر جھڑ گئے دُم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے		اب آ کے بڑھاپے نے کئے ایسے ادھورے

(تیسری پھبتی)۔ ڈاڑھی پر مکڑی کے جالے کی۔

ڈاڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

(چوتھی پھبتی) بڑھاپے کی سیر دریا پر خضر کی ملاقات کی۔

کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو		دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو یارو
کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو		اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے جو

CC-0: In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

(پانچویں پھبتی) - جسم پر جھونپڑے کی -

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا	بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

(چھٹی پھبتی) - جسم پر ڈربے کی -

اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں	شاہ جھونپڑا بھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

(ساتویں پھبتی) دنیا پر ٹھگوں کی بستی کی -

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا	یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(آٹھویں پھبتی) شہدا کے سروں پر تربوز کے ڈھیر کی -

اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار	جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

کچھ پھبتیاں ککڑی پر بھی کہی ہیں - مزے کی ہیں -

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں	گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں	مجنوں کی سرد آہیں لیلے کی انگلیاں ہیں

کیا خوب - الخ

ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے	سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھا کی بانسری ہے

تشبیہ - تشبیہ کے بغیر تو شاعری ہو ہی نہیں سکتی - مگر مجھے اس ذیل میں صرف یہ دکھانا ہے کہ نظیر نے نہ تو ملٹن کی طرح لمبی لمبی تشبیہیں اختیار کی ہیں جو تشبیہیں نہیں ہیں بلکہ خیالی بنیو رامانہ متاخرین شعرائے ہند کی طرح تشبیہ میں خیالی موشگافیوں سے کام لیا ہے کہ مفہوم موئے کمر کی طرح نقطہ موہوم بن گیا ہو -

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوش کی طرح اُڑا - نشے کی طرح چڑھا - خبط کی طرح سمایا - رنگ کی طرح جما - یہ بھی کوئی تشبیہ ہے -

تعریف المجہول بالمجہول -

نظیر کے ہاں تشبیہیں ہیں مگر اعتدال کے ساتھ - وہ کبھی کبھی تشبیہوں میں اپنا خاص رنگ بھی بھرتا ہے جو اکثر چٹکیلا ہوتا ہے - مثلاً جان کی پودنے سے - جب تن سے ہوا ہو گئی وہ پودنے سی جان پرانے مرغ تو روح میں اس پودنے سے نئی جان آگئی ہے -

	جاتا تھا سُرخ جوڑے میں تن یوں جھمک کے	گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی	

استعارہ - اس کی اور قسمیں تو اوپر بیان ہو چکیں - اس میں اور تشبیہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں صرف حرف تشبیہ کی دوری حد فاصل ہے - حقیقت میں استعارہ بھی تشبیہ ہے مگر بالکنایہ - استعارے کی یوں تو نظیر کے کلام میں بہتیری مثالیں ہیں - مگر مجھے صرف اُن استعاروں سے غرض ہے جو کسی اور سے مستعار نہیں -

بنجارہ نامے میں یہ چند استعارے نظیر کے خاص ہیں -

اجل کا قزاق -

	قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا	قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گرا دے گا	

مرگ کا ہانکنے والا بدن کا بیل -

	جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا	

روح کا نایک -

	جب نایک تن سے نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے	

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Gangotri

پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے

اجل کے چند استعارے اُس نظم میں بھی خاصے ہیں جس میں عارفانہ رنگ میں بے ثباتی دنیا کی تصویر کھینچی ہے۔

اجل کی توپ۔

جب توپ نے اجل کی آمورچہ لگایا	سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی کام نہ آیا

مرگ کا شیر خاں اور قضا کا پنجہ۔

پنجہ اُٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی	پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی

اجل کا تیس مار خاں۔

آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا	خرہ بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

قضا کا راج۔

جب راج نے قضا کے کرنی بسولی ٹانکی	اک اینٹ بھی نہ پائی ہر گز کسی مکاں کی
ڈھاتے تھے واں مزور تو تن کی محل سرا	پر گھر بنا رہے تھے دو الیس اُٹھا اُٹھا
اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آچڑھا	شہتیر سا وہ قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی	

اجل کا فوج دار۔

لے کر سند اجل کا جب فوج دار آیا	اک دن میں حکم و حاصل سب ہو گیا پرایا

اجل کا یکّہ تاز اور اُس کا کٹک۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آیا کنگ اجل کے جب یکہ تاز خاں کا	سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا

قضا کا فردہا۔

آیا قضا کا مرہا جب دم چھڑی اٹھا کر	کتوالی اور صدارت سب اڑ گئی ہوا پر

قضا کا بانکا۔

جب گھور کر قضا کے بانکے نے آ کے جھانکا	ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

اجل کا دیو۔

جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل	ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

قضا کا ترسول اور وقت کا مہا دیو۔

ترسول لے قضا کا جب وقت سر پر آیا	نے بالکے کو تھا مانے آپ کو بچایا

کچھ استعارے ضمناً اوپر بھی بیان ہوئے مثلاً پلکوں کا استعارہ پنکھے سے یا کونڈی خشکے کا نقارے اور ڈنکے سے۔

بڑھاپے کی شراب۔

آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خواہمخواہ	پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ
	دل بھرنے دی جب اس سے کڑی تب خبر پڑی

تبسم کی شکر۔

نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری	مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

عشرت کا باز جرا

CC-0. In Public Domain.

Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاہے اگر اُڑانا عشرت کا باز جرا	تو پہن ہار بدھی اور سر پہ رکھئے طرا

بنی عاشقوں میں۔ الخ

اشک کی شیشی۔

پھنکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارب	ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے

کنایہ۔ یوں تو کنایہ ہر جگہ ہے۔ تشبیہ میں کنایہ۔ استعارے میں کنایہ۔ ضلع میں کنایہ۔ جگت میں کنایہ پھبتی میں کنایہ۔ ایلگری میں کنایہ۔ ٹرنیسفر آف ایتھٹ میں کنایہ غرض وہیں کنایہ ہے جہاں کوئی بات ذرا بھی پردے میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن یہاں میری غرض صرف اُس کنایے سے ہے جو نہ لفظی گل اندام بلکہ کسی خاص شاہد مطلب یا واقعہ کو خوش نما چلمن کی آڑ میں بٹھاتا ہو۔ مثالوں سے یہ مطلب زیادہ روشن ہوگا۔

مثالیں۔

صبح ہونے کا کنایہ۔

جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا

لطف وصل کا کنایہ۔

گل سا ملا وہ مجھ کو نیا گدگدا بدن	رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

مبالغہ۔ بالغ نظر جانتے ہیں کہ مبالغہ نظیر کی طرز سے کس قدر دور ہے مگر پھر بھی شاعری کا ایک نیور ہے اور قیمتی زیور ہے۔ ہاتھ سے کیوں کردے سکتا تھا۔ زیادہ تر تو بے پروائی کے بکس میں بند پڑا رہتا ہے مگر نمائش کے بیسیوں موقع ہیں۔ کبھی نکل بھی آتا ہے۔ شاہد معنی کا ماتھا جس کے صدقے میں جگمگاہٹ

Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہماری نظر میں بھی ہے۔

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھومی	پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں	پروانہ میں ہم شہپر عنقا سے نظر ہیں
اور ہے دودھارے کی بھی کچھ اور آن بان	حیراں ہو جس سے تیغِ نگاہِ پری رُخاں
اُڑنا پہاڑیے کا بھی ہے اس قدر بلند	اُکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا
سو بار حریر اُس کا مسکا نگہ گُل سے	شبنم سے کب اے بُلبل پیراہنِ گُل مسکا
نام سے اس گُل کے ہیں لب ریزۂ شہد	خُلد کے حُورانِ شکر خا کے لب

سچا مبالغہ۔

عشق میں اُس گوہر نایاب کے	آج تک خشک ہیں دریا کے لب

قافیہ۔ قافیے کے متعلق نظیر کے ہاں کئی صنائع ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ مردف طرحوں میں ردیف قافیے کو ملا کر ایک کر لینا۔ جیسے کاجل نے اور آنچل نے کی طرح میں چلنے اور ٹلنے کا استعمال۔

(۲) دوسرے اس بات کا لحاظ رکھنا کہ قافیے چست ہوں۔ اکثر اُن شگفتہ زمینوں میں جن میں قافیے بہت ہیں مشکل قافیوں کو اختیار کرنا۔

(۳) اکثر اُن قافیوں کو اختیار کرنا جو فقط مشکل ہی نہیں بلکہ گنتی میں بھی کم ہیں۔ جن کو ایک بند میں باندھنا گویا امیر خسرو سے بہتر انملیاں بنانا ہے۔

(۴) اکثر قافیوں میں اس پہلو کو اختیار کرنا کہ سامع پر ایک اچھا اثر پڑے۔ یعنی قافیوں میں اصول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

موسیقی کی رعایت۔

(۵) اکثر متبذل قافیوں کو اپنی بندش کی تہذیب سے مہذب اور معزز بنانا۔ پہلی صنعت کوئی بہت بڑی صنعت نہیں۔ کم و بیش ہر شاعر نے اُس کا استعمال کیا ہے۔ دوسری صنعت کا بھی علیٰ ہذا یہی حال ہے۔ مگر باقی تین صنعتیں نظیر ہی کا حصہ ہیں۔ اس سے بہتر ان صنعتوں کا کسی نے آج تک استعمال نہیں کیا۔ بعض جگہ یہ اس قدر گاؤ زوری کر جاتا ہے کہ قافیے گنتی میں پورے چار بھی نہیں کہ بند کو کافی ہوں مگر خواہ مخواہ اُنھی پر طبیعت آزماتا ہے بعض جگہ زبردستی کے قافیے بنا لیتا ہے اور بعض جگہ ہارے درجے معمولی قافیوں سے کمی پوری کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض بندوں میں پہلے شعر کے قافیے اَور ہیں اور دوسرے کے اَور مثلاً۔

چمگادڑ ابابیل کی ڈانٹیں بھی پڑی ہیں	اُلو کے پر اور گدھ کی انیٹیں بھی پڑی ہیں	[illegible]
سر کوّوں کے اور چیل کی آنتیں بھی پڑی ہیں	گوبر کی ڈلی بیٹ کی کھاتیں بھی پڑی ہیں	

کیا زور ۔ الخ

موسیقی اثر قافیوں کی مثالیں نظیر کے مذاقِ موسیقی کی بحث میں بھی کچھ دی گئی ہیں اور کچھ اس بحث میں بھی ضمناً اوپر بیان ہوئی ہیں۔

جنگ نامۂ خیبر پورے کا پورا دقتِ قافیہ کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ ہم یہاں صرف اُس کے ایک بند پر اکتفا کرتے ہیں۔

تھیں شاہ کی جرأت کی یہاں تک تو ترنگیں	سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں	اور کتنے گئے بھول وہاں آن کے جنگیں

ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا آن کے جاڑا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خوفِ طوالت مانع ہے ورنہ ہم ہر ایک کی مثال جدا جدا لکھ دیتے۔ جن صاحبوں کو تصدیق منظور ہو کلیات کی طرف رجوع کریں۔ اکثر نظمیں میرے بیان کی کافی شہادت دیں گی۔ ایک لطف قافیے کا یہ بھی ہے کہ شعر تمام کرنے سے پہلے قافیہ ذہن میں آجائے۔ ایسے قافیے کو بولتا ہوا قافیہ کہتے ہیں اگر یہی صنعت ردیف میں ہو تو اُس کو پکارتی ہوئی ردیف کہیں گے۔ علی بن ہرون اس صنعت کا موجد ہے اور اُس نے اس کو تسہیم کا خطاب دیا ہے۔ اُردو کے شعرا میں ذوق کے ہاں یہ صنعت بہت زیادہ خوبی کے ساتھ برتی گئی ہے کچھ مثالیں نظیر کے ہاں بھی موجود ہیں۔

جب سے مُوا ہے کوہکن کرتے ہیں اُس کا غم سدا	کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ سِل سے سِل

صنعت لف و نشر و تقسیم و توالیِ صفات۔ یہ تینوں صنعتیں نظیر کی اُس غزل میں موجود ہیں جس میں ایک ہی ساتھ سعدی عبدالواسع جبلی اور امیر خسرو سب کا جواب ہے۔ سعدی کی وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

بربود دلم در چمنے سرو روانے	زریں کمرے سیم برے موے میانے

اس میں صفتوں کی لڑی اس تسلسل کے ساتھ پروئی گئی ہے کہ ہر جوہری کی اُس پر نظر پڑتی ہے۔ نظیر نے اس کو خمسے کے زیبِ گلو کرکے ایک لڑی خود بھی پروئی۔ اچھی ہے یا بُری اس کا فیصلہ جوہر شناس کریں۔ میں یہاں صرف نقل کیے دیتا ہوں۔

گل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن	گل رخ و گل گوں قبا و گل عذار و گل بدن[1]
مہر طلعت زہرہ پیکر مشتری رو مہ جبیں	سیم بر سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

[1] یہ مصرعے الٹریشن کی مثال بھی پیش کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain

Foundation Chennai and eGangotri

نازنیں ناز آفریں نازک بدن نازک مزاج	غنچہ لب رنگیں ادا شکر دہاں شیریں سخن
تیر قد نشتر نگہ مژگاں سناں ابرو کماں	برق ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن
بے مروّت بے وفا بے درد بے پروا اخرام	جنگ جو قتال وضع و سرفراز و سرفگن
زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام	مشکِ تبّت مشکِ چیں مشک خطا مشکِ ختن
دو دش و بر دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل	نسترن برگ سمن درِّ عدن لعل یمن
سختی و بے رحمی و جور و جفا سرکار کی	معتمد موصی الیہ و مستشار و موتمن
مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیر	بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

لف و نشر کی یہ مثال بھی اچھی ہے۔

تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے	گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ایک اور

کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم مژگوں میں	حنا آفت ستم فندق مسی جادو فسوں کاجل

صنعتِ مکالمہ۔ نظیر کی ایک غزل صنعت سوال و جواب میں بھی ہے جس کو میں صنعتِ مکالمہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ ایک عمدہ صنعت ہے اور اگر وسعت کے ساتھ اس کا برتاؤ کیا جائے تو اردو کی نظم میں ایک خاص سحر شل لب و لہجہ پیدا ہو سکتا ہے

کہا جو ہم نے ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو	کہا کہ اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو
کہا لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمہ دم	کہا کہ تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو
کہا جو حال دل اپنا تو اس نے ہنس ہنس کر	کہا غلط ہیں یہ باتیں جو تم بناتے ہو

Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہا جتاتے ہو کیوں ہم کو زورِ ناز و ادا	کہا کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو
کہا کہ عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے	کہا خبر ہے ہمیں کیوں زباں پہ لاتے ہو
کہا کہ روٹھے ہو کیوں ہم سے کیا سبب اس کا	کہا سبب ہے یہی تم جو دل چھپاتے ہو
کہا کہ ہم نہیں آنے کے یاں تو اس نے نظیر	کہا کہ سوچ تو کیا آپ سے تم آتے ہو

گو لوگوں نے نہیں گنا مگر میرے خیال میں ایراد الامثال بھی ایک طرح کی صنعت ہے۔ یہ گویا شعبہ ہے اقتباس اور تلمیع کا۔ اقتباس میں کوئی فقرہ قرآن یا حدیث کا لیا جاتا ہے اور تضمین کیا جاتا ہے تلمیع میں غالباً فقرہ اپنا ہوتا ہے مگر زبان اور مثلاً اردو میں عربی فارسی کا فقرہ یا فارسی میں عربی اردو کا فقرہ ایراد الامثال تضمین ہے ضرب المثل کی۔ اقتباس اور تلمیع کی مثالیں کچھ غزلوں میں موجود ہیں۔ کچھ انشا کی بحث میں درج ہوئیں۔ ایراد الامثال کی مثال نظیر کی کتاب الامثال سے جتنی چاہے لے لیجیے۔ تضمین میں گو ایراد الامثال تلمیع اقتباس سب داخل ہیں مگر اب زیادہ تر اس کا اطلاق اس صنعت پہ ہوتا ہے اور اساتذہ کے اشعار کو قطعہ مخمس مسدس وغیرہ کے چوکھٹے میں جڑ کر دکھاتی ہے۔ اس سے نظیر کا سارا کلیات بھرا پڑا ہے۔ سب سے عمدہ مثال اس کی جوگی نامہ ہے جس میں استاد کے اس شعر کی نہایت رنگین تضمین ہے۔

اشتیاقے کہ بدیدارِ تو دارد دل من	دل من داند و من دانم و داند دل من

اب ہم اس بحث صنائع کو ختم کرتے ہیں مگر قبل ختم یہ کہہ دینا بہت ضروری ہے کہ ایسا گمان نہ ہو کہ سوا ان صنائع کے جن کا ذکر اوپر ہوا نظیر کسی اور صنعت کا برتاؤ جانتا ہی نہ تھا۔ جتنی مثالیں اوپر دی گئی ہیں وہ اس بات کے دکھانے کو کافی ہیں کہ وہ علم معانی و بدیع میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ گو وہ اکثر اس کا برتاؤ نہیں کرتا مگر جب کرتا ہے استادِ کامل و ہنرور ماہر نظر آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

Foundation Chennai and eGangotri

صنائع جو نظیر کے کلام نہیں ہیں یہ ہیں۔

(١) ترصیع (٢) مقلوب مستوی (٣) صنعت مہملہ (٤) صنعت منشاری (٥) صنعت رقطا (٦) صنعت رقشا (٧) صنعت مقطّعات (٨) صنعت دورو (٩) ایہام ذو الوجوہ (١٠) ایہام لسانین (١١) صنعت توشیح (١٢) صنعت منقوط۔

بہتر ہو کہ اس بحث کو حُسنِ خاتمہ پر جس کو حسن القطع بھی کہتے ہیں تمام کیا جائے۔ میرے خیال میں اس قدر عُمدہ مثال حُسنِ خاتمہ کی مشکل سے ملے گی۔

واں کوئی آیا لیے ایک مرصّع پنجرا — لال دستار دوپٹا بھی ہرا جوں طوطا
اُس میں اک بیٹھی وہ مینا کہ ہو بُلبل بھی فدا — میں نے پُوچھا یہ تمھارا ہے رہا وہ چپکا
نکلی منقار سے مینا کی صدا "پیسے کا"

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کلامِ نظیر کے عیوب

نظیر کے زمانے سے آج تک زمانے نے بہت ترقّی کی ہے۔ اور یہ بات کوئی ہماری ہی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر زبان میں ترقّی کی رفتاریوں ہی واقع ہوئی ہے۔ بہت سی ترکیبیں جو اُس وقت عام تھیں۔ اب بالکل معیوب ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ آتا ہے اور جاتا ہے کی جگہ اُس وقت آے ہے اور جاے ہے ہر شاعر کی زبان پر تھا۔ تتبّع سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق اور غالب کے ہاں بھی اوائل میں یہ روزمرہ موجود ہے۔

(ذوق)	رُخصت اے زندانِ جنوں زنجیرِ در کھڑکاے ہے	مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھُجلاے ہے
(غالب)	سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسد	پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جاے ہے

کچھ اور مثالیں:-

(مومن)	یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکاے تھا	تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آے تھا
(شوق)	سانپ کی سی لہر اک دل پر مرے پھر جاے ہے	یاد آئے ہے جب اُس کی زلف بل کھائی ہوئی
(ظفر)	ٹھہرتے ہی نہیں ہیں آنچ پر سوزِ محبّت کی ٹکے ہیں زاہد شرابِ گل گوں ہوا ہی دل بھی خراب آدھا	رکھے ہیں اس زمانے میں خواص حباب پارے کا کھلادے ساقی بلا سے اُس کو ڈبو کے تو بھی کباب آدھا
		(منشی سید احمد دہلوی صاحب فرہنگِ آصفیہ)

اصلاحِ زبان میں اہلِ لکھنؤ کسی قدر اہلِ دہلی سے گوے سبقت لے گئے۔ جو صلاح کہ لکھنؤ میں ناسخ ہی کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

Chennai and eGangotri

زمانے میں شروع ہوگئی تھی اُس پر اہلِ دہلی کو کہیں اب جاکے خیال ہوا ہے۔ اسی واسطے دہلی والوں کے کلام میں ابھی تک بعض الفاظ ہیں جن کو اہلِ لکھنؤ ساقط الاعتبار جانتے ہیں۔ کبھو کا لفظ میں نے شعراء لکھنؤ میں سے کسی کے کلام میں ناسخ سے لے کر شعراء موجودہ تک نہیں دیکھا۔ حال آنکہ غالب اور ذوق دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(ذوق) مرے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

طُرفہ یہ کہ ہمارے زمانے کے فخر نثاران مولٰنا نذیر احمد نے بھی بیگانہ خو نہو، تو نہ ہو کی طرح ہیں کبھو نہ ہو کسی موقع پر باندھ دیا ہے۔

دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہے
زر ہو، بلا سے رنگ نہ ہو گُل میں بو نہ ہو

دُنیا میں مُفلسی مرضِ لاعلاج ہے
اِس طرح کے مریض کو صحّت کبھو نہ ہو

(مولوی نذیر احمد کے لکچروں کا مجموعہ)

وہ نشاں جن کی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب
گہ نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو

(مجموعۂ نظم حالی صفحہ ۱۱۵)

غالب علیہ الرّحمۃ نے تو کبھو سے گزر کر ایک جگہ کسو بھی باندھ دیا ہے۔ مطلع ہے۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

اِس غزل کا تیسرا شعر ہے۔

کیوں ڈرتے ہو عُشّاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سُنتا نہیں فریاد کسو کی

کیوں کہ کیوں کر کے معنوں میں سودا میر کے ہاں تو عام ہی۔ ذوق و غالب بھی اِس کو کوئی معیوب

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روزمرہ نہیں جانتے۔ حالی نے بھی اس کو جائز رکھا ہے۔ تک کے لفظ پر بعض بہت زیادہ صفائی ڈھونڈھنے والے معترض ہیں۔ لیکن اہل دہلی اور اہل لکھنؤ دونوں کے ہاں آج تک موجود ہے۔ سو پر بھی اعتراض ہے لیکن اس نے بھی ابھی تک روزمرے کا دامن نہیں چھوڑا۔

اصلاح ہرچند عمدہ چیز ہے لیکن بعض وقت بہت زیادہ نفاست بھی اچھی نہیں۔ گو اب دہلی اور لکھنؤ دونوں شہر کے فصحا کے نزدیک یہ ترکیب معیوب ہے کہ جمع موصوف کے لیے صفت بھی بصیغۂ جمع ہی لائی جائے لیکن اساتذہ کے کلام میں یہ ترکیب ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ بعض مقام پہ واقع ہوئی ہے کہ اس کا بہ سبیل جواز قائم رکھنا مناسب ہے۔ (سودا)

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں	دل لے کے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں

ایک صیغہ جمع مؤنث کا ہے کھولیں۔ پڑیں۔ ملیں۔ گڑیں۔ اور دوسرا صیغہ ہے گڑیاں۔ ملیاں۔ پڑیاں۔ کھولیاں۔ میری رائے میں جوازاً اس صیغے کو بھی قائم رکھنا تھا۔

(سودا)

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منھ کو ملتا ہے	خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں
چھری تلوار ہم دگر گل و بلبل ہیں گلشن میں	تمھاری سچ کہو دونوں میں کس سے انکھڑیاں لڑیاں
گتھی نکلی ہیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں	یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلے کی ہار ہو پڑیاں
حیرت نے اس کو بند نہ کرنے دی پھر کبھو	آنکھیں جب آرسی نے ترے منھ پہ کھولیاں

(میر)

بار ہا وعدوں کی راتیں آئیاں	طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul K

Chennai and eGangotri

عشق میں ابتدائیں سب سے پائیاں
رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں

اُس مژہ برہم زدہ نے بارہا
عاشقوں میں برچھیاں چلوائیاں

ایک بھی چشمک نہ اُس مہ کی سی کی
آنکھیں تاروں نے بہت چمکائیاں

فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا
مری آہ نے برچھیاں ماریاں

درویشوں سے تو اُن نے ضدیں نکالیاں ہیں
ایدھر سے ہیں دعائیں اودھر سے گالیاں ہیں

جبہے سے سینے تک ہیں کیا کیا خراشِ ناخن
گویا کہ ہم نے مُنہ پر تلواریں کھالیاں ہیں

جب لگ گئے جھمکنے رخسارِ یار دونوں
تب مہر و مہ نے اپنی آنکھیں چھپالیاں ہیں

وہ دردِ دل نہیں تو کیوں دیکھتے ہی مجھ کو
پلکیں جھکالیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

انشا۔

کچھ نگاہیں تری ایسے ہی ہنر سے لڑیاں
کہ جھڑیں نور ہی کی قرص قمر سے لڑیاں

وہ جو چلون سے کوئی شخص اُدھر جھانکے ہے
پھُرتیاں اُس کی مرے دیدۂ تر سے لڑیاں

کیوں کر نہ گدگداہٹ ہاتھوں میں اُس کے اُٹھے
وہ گوری گوری رانیں جس نے دبائیاں ہوں

ممکن ہے کوئی ہم سے افشائے راز ہووے
سو بار ٹھنڈی سانسیں گو لب تک آئیاں ہوں

کیوں کر جنوں مجسم ہو کر نہ دے دکھائی
جب شوشوں نے دل کی دھومیں مچائیاں ہوں

مر جائیے نہ کیوں کر ایسے پہ ہووے ظالم!
جس میں اکھٹی اتنی باتیں سمائیاں ہوں

جب ہوئیں پریاں ہوا کھانے کو کھڑیاں باغ میں
خود بخود بجنے لگیں غنچوں کی گھڑیاں باغ میں

کبھی نہ اُس رخِ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
نصیر گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جُھن سے پھر اُن کے رنگیں ہم نے گلیاں دیکھیاں	رنگ محلوں میں جنھوں نے رنگ رلیاں دیکھیاں

(ظفر)

جمع صفت کی خوش اسلوبیوں کی مثال میرؔ کے کلام سے بھی لیجیے۔

اُس آفتاب بن یاں اندھیر ہو رہا ہی	دن بھی سیاہ اپنے جون راتیں کالیاں ہیں
چلتے ہیں یہ، تو ٹھوکر لگتی ہی میر دل کو	چالیں ہی دلبروں کی سب سے نرالیاں ہیں

مولوی نذیر احمد نے بنات النعش میں ایک جگہ یہ فقرہ لکھا ہی۔

بعضیاں خالی پیلی بھی اتراتیاں تھیں۔ دہلی کی عورتوں کی یہ ہر وقت کی بول چال ہی۔ پھر اس کو یک قلم زبان سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

قاآنی جو زبان فارسی کے شُعَراءِ متاخّرین میں مجدد ہو گزرا ہی اُس نے قدیم شُعراءِ فارس کے تمام محاورے قائم رکھے ہیں۔ اور اُن کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہی کہ جن لوگوں کے خیالات وسیع ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر طرح کے خیالات نظم میں ظاہر کریں وہ کبھی اس کو پسند نہیں کر سکتے کہ خواہ مخواہ زبردستی کے قیود بڑھا کر زبان کو تنگ کیا جائے۔ غزل گوئی کے لیے شاید تھوڑی وسعت کافی ہو اور اُس میں اعلیٰ سے اعلیٰ نفاست کسی قدر نبھ سکتی ہی۔ لیکن قصائد، مخمّس اور مسدّس و دیگر اصنافِ کلام میں جن میں شاعری صرف دو مصرعوں میں محدود نہیں وسعت زبان کو نفاست کے سخت قاعدوں سے تنگ کرنے سے خیالات کی وہ روانی باقی نہیں رہتی اور لطفِ زبان ہاتھ سے جاتا رہتا ہی۔ لکھنؤ میں گو ترکیبیں بہت چُست اور صاف ہیں لیکن لطفِ زبان نہیں۔ روانیِ خیالات نہیں۔ جیسے اُن کے اخلاق اُن کی اوضاع اُن کی بات چیت میں تکلف بھرا ہوا ہی ویسے ہی اُن کی شاعری میں بھی۔ لکھنؤ کے مسلّم الثّبوت شعرا کے کلام کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Chennai and eGangotri

دیکھیے تو زیادہ تر فارسی کے شُعرا کے خیالات کا عُمدہ شُستہ بے عیب ترجمہ معلوم ہوگا لیکن اُس میں لطفِ زبان بہت کم ہوگا۔ تکلّف کے سبب زبان کے قُدرتی چوچلوں کا کہیں اُس میں پتا بھی نہ ہوگا۔ دہلی میں چونکہ نفاست اس حد تک نہیں پہنچائی گئی ابھی تک لطفِ زبان باقی ہے۔ اور خیالات میں وہی قُدرتی روانی پائی جاتی ہے مجھ کو لکھنؤ کے شُعرا میں مُصحفی اور انشا تک پسند ہیں۔ بعد اُس کے شاعری نہیں ہے ترجمہ ہے۔

نظیر کے کلام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ عام لوگوں کے محاورات لکھتا ہے۔ یہ اکثر صورتوں میں سچ ہے لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ اِن محاورات کا وہ کِن موقعوں میں استعمال کرتا ہے۔ وضع الشئی فی محلّہ ہے یا نہیں۔ جب کبھی وہ عام لوگوں سے مخاطب ہے اُنھی لوگوں کا روزمرّہ لکھتا ہے۔ جب خواص کی طرف رُخ کرتا ہے اُنھی کے محاورات میں کلام کرتا ہے۔ غزلوں میں اُس کی وہ روزمرّہ نہیں ہے جو مخمّس مسدّس وغیرہ میں ہے۔ اِس سے زیادہ کوئی مہمل بات نہ ہوتی کہ وہ جوگی نامہ یا جوگن نامہ مشائخ کی اصطلاح میں لکھتا۔ یا بنجارہ نامہ میں ایران کے ملک التجّار کے محاورات سے کام لیتا۔ جس کو لوگ عیب بتاتے ہیں واقع میں اُس کا ایک بہت ہی بڑا ہنر ہے۔ وہ جس طبقے سے مخاطب ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کی زبان کا پورا ماہر ہے اور اُن کے خیالات میں اِس طرح رنگا ہوا ہے کہ اُس وقتِ خاص کے لیے اُسی طبقے کا ایک شاعر ممبر معلوم ہوتا ہے۔ اِسی لیے تو اس کا کوئی کلام اثر سے خالی نہیں جاتا۔ کنھیا جی کا جنم۔ یا اور چیزیں جو ہندوؤں اور مہاجنوں اور نانک شاہیوں کے مذاق کے مطابق لکھی ہیں اُن کو پڑھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ کسی مسلمان شاعر نے لکھا ہے۔ ایک مسلمان شاعر کے لیے ہندوؤں کے خیالات اور زبان سے اِس قدر واقف ہونا شاعری نہیں کرامات ہے۔

غزل میں نظیر بہت ہی سلجھے ہوئے ہیں۔ ترکیبوں میں متانت۔ بندش میں صفائی۔ تعقید سے دُور۔ زیادہ تر شُستہ اور پاکیزہ الفاظ اور سامعہ نواز دل چسپ مُحاورے۔ عاشقانہ مضامین کے لیے سراپا موزوں۔ کہیں جو اس میں آزادوں کا لہجہ شامل کر دیتے ہیں تو وہ شوخیِ طبع کا تفنّن ہے اور خالی از لطف نہیں۔

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیلیٰ مجنوں جوان کی نظموں میں نہایت مقبول نظم ہی اُس کی شیرینیٔ زبان سے کس کو انکار ہو سکتا ہی۔ چوں کہ دل میں درد پیدا کرنے والا حسرت زدہ اور اُداس افسانہ ایک عاشقِ صادق کی محرومی کا ہی کس طرح اُس کو اُسی درد پیدا کرنے والے اُداس اور غم زدہ لہجے میں بیان کیا ہی اور کس طرح شروع سے اخیر تک، باوجودے کہ ظرافت اُس کی طبیعت کا جبلّی جوہر ہی، متانت کو قائم رکھّا ہی۔ اسی طرح جو نظم لکھّی ہی اُس کے مضمون کی رعایت سے اُس کی زبان اور لہجے کا فیصلہ کیا ہی پس جو شخص اس نظر سے نظیر کے کلام کو دیکھے گا اُس کی آنکھ میں وہ اعتراض (کہ عام محاورے اُس کے کلام میں بہت ہیں) آپ سے آپ اُٹھ جائے گا۔

اب شاعرانہ حیثیت سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اُن کا جواب ملاحظہ کیجیے۔ ایک بڑا اعتراض تو یہ ہے کہ بعض حرف جن کا تقطیع میں گرنا اُستادوں نے ناجائز رکھا ہو مثلاً ہے۔ ے یٰ عین۔ اس قسم کے حروف اُس کے کلام میں تقطیع سے گر جاتے ہیں۔

(الف) اسقاط ع۔

(۱)	ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی	جیسی ہر ایک دل میں ہی اس عید کی خوشی
(۲)	کسی وقت کتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا	کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اُس علم کا یہ کمال تھا
(۳)	اس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی	
(۴)	ہم تو پھرتے ہیں نظیر عشق میں اب خانہ بدوش	
(۵)	کیا کیا میں کہوں اُس کی اب عیاری کا مذکور	بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور
(۶)	ایسی سے یاں نظیر عزت اسی سے واں شفاعت ہی	
(۷)	کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی	تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

Chennai and eGangotri

(۸)	گڑھ توپ پہ ہلّا تو پہ قلعہ کیا سیسہ دارو کیا گولا	
(۹)	دیکھ عقدِ ثریا ہمیں انگور کی سوجھی	کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی
(۱۰)	بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے	حورِ جنّی کی جھلک گوہرِ غلطان پہ پری
(۱۱)	خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے	گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے
(۱۲)	بہار چھڑکوان کپڑوں کی جب نظر آئی	ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی
(۱۳)	کیا غصے میں منہ اک بار سُرخ عیّار اجیل نے	
(۱۴)	جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا	یکتا شجاع بہادر صفدر رہوا تو پھر گیا
(۱۵)	ہم بھی ہوا کی لہر میں پیتے تھے مئے بڑھا بڑھا	دیکھ ہمیں اس عیش سے سینہ فلک کا پھٹ گیا
(۱۶)	کمخاب تاش مشروع تن زیب خاصہ ململ	
(۱۷)	ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا	
(۱۸)	جوڑے چمن بہار ہیں پیسے کے واسطے	گہنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
(۱۹)	فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصع کاری کی	پھر اُن میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی
(۲۰)	ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے باصدق یقیں	ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری
(۲۱)	کھانے کو ملا کم تو اُسی کم میں رہے خوش	جس طور کہا اُس نے اُس عالم میں رہے خوش
(۲۲)	اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیر آہ	اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیر آہ
(۲۳)	پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا	یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا

(ب) اسقاط ح۔

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۱)	فرمایش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماؤ	ہم سب طرح حاضر ہیں فرا ہم سے نہ سفر ماؤ
(۲)	یا بالکوں میں اس طرح بیتا بیاں کروں	
(۳)	اُس نے جب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا	"مہرباں مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا، پیسے کا"
(۴)	پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑکواں منگوا	کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی ہیں

(ج) اسقاط ہ۔

(۱)	پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے	جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھیڑ ہالے
(۲)	اُس گلبدن کے دل میں چھپا ہجر کا جو خاؔ	مکتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار
(۳)	کہتا ہی کوئی کسی سے ای دل رُبا ہٹیلے	ایک ہی گلابی مرکی ہاتھوں سے میرے پی لے
(۴)	میاں پھر تو جنوں کی بندھ گئیں واں اس قدر جاؔ	کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بندھ گئیں راہیں

(د) اسقاط ر۔

جو پاسا پھینکے بنا بنا کر اور دانوں کتنی ہی دل میں ٹھانے	جو چاہتا ہی اٹھارہ آ دیں تو اُس کو پڑتے ہیں تین کانے

(الف) عین کے اسقاط کی تئیس مثالیں نواور پر موجود ہیں۔ عبیر کے عین کے اسقاط کی دو ایک مثالیں اور تھیں جو میں نے قصداً چھوڑ دیں۔ شاید دو چار اور ہوں۔ اس کثرت سے ان مثالوں کا پایا جانا سہو کاتب پر نوٹا لا جا نہیں سکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر جیسا اُستاد اس عیب سے واقف نہ ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ نظیر جس زمانے میں تھا اُس میں عین کا اسقاط شعر میں معیوب نہ تھا۔ شاید عیب نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہو کہ تقطیع میں زیادہ تر تلفظ کا خیال کیا جاتا ہی۔ اُردو میں عین کا تلفظ الف سے جُداگانہ نہیں ہی۔

CC-0. In Public Domain.

...Foundation Chennai and eGangotri

عید- علم- عمارت- عبیر وغیرہ الفاظ گو عین سے لکھے جاتے ہیں لیکن تلفظ اُن کا اید-الم-امارت-ابیر کا سا ہی ہیں تلفظ کو اصل قرار دے کر قدیم شعراء اُردو نے اِس کو جائز رکھا ہی-

بقر عید کو نظیر نے شاید اِسی لحاظ سے بقریہ لکھا ہی- بعض لوگ بکرید بھی کہتے ہیں-

قلعہ بول چال میں قلا ہی- عین کی حرکت لام کو دے کر اُس کو تلفظ سے ساقط کر دیا ہی- مثال نمبر ۱- میں وہ عالم کا دو طرح جواب دیا جا سکتا ہی- ایک تو یہ کہ عین تلفظ میں الف ہی- دوسرے وہ تلفظ میں وہی- چنانچہ شعرا نے وو بھی باندھا ہی- خود نظیر کہتا ہی-

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہی جو ہم سے وو — تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہی سو مت پوچھو
جو دیکھی ہیں نے وہ اُس کی خوبی مری زباں سے ہو کب ادا وہ — وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو

نہ پہنچے سنبل نہ پہنچے ریحاں نہ پہنچے ناگن نہ پہنچے کالا

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلا تھا جب اسوار ہو — ہر دم پکارے تھا نقیب "آگے بڑھو پیچھے رہو"

یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا ابھرتا ہی وو

غالب فرماتے ہیں-

ہمیں پھر اُن سے اُمید اور اُنھیں ہماری قدر — ہماری بات ہی پوچھیں نہ وو تو کیوں کر ہو
(سودا) اسباب سے جہاں کے کچھ اب پاس گو نہیں — یہ فکر تو نہیں کہ یہ ہی اور وہ نہیں

پس وہ کی ہے کو تلفظاً واو سمجھنا چاہیے-

سودا کے کلام میں ہم کو اسقاطِ عین کی مثالیں مل گئی ہیں- وہ درج ذیل ہیں:-

اس عقدے کو کیجے گا ہم پر بھی صاف — کہ وضعِ جہاں سے ہی یہ بر خلاف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گہر عید کا مسجد میں پڑھے جاکے دوگانہ	نیت قطعۂ تہنیتِ خان زماں ہی
نجیب زادیوں کا اِن دنوں ہی یہ معمول	وہ برقع سر پہ ہی جس کا قدم تلک ہی طول
گریباں چاک گرد اُس کے اک عالم	کرے تھا نوحہ و فریاد و ماتم
سودا تجھے کہتا ہوں نہ خوباں سے مِل اِتنا	تو اپنا غریب عاجز دل بیچنے والا
خریدِ عشق نے جس روز کی متاعِ چمن	جو نقد جاں پڑی قیمت تو دل بیعانہ تھا
سنا ہوے جب عاشق کیا پاس آب روکا	سُنتا ہی اے دِوانے جب دل دیا تو پھر کیا
کون سا مجھ سے حسن تمرّد عمل میں آیا تیرے حضور	دل کو غارت کرکے میری جاں کو کیوں پیغام کیا
شیخ ہی دل پہ ترے بس کہ تعین کی نشست	اِس سبب سے ہی تری ریش دراز عقل ہی پست
کہیں رکھ ناک پہ عینک مطالعہ کرکے وہ اُس کو	بدّقت بیتواں۔ الخ
کچھ سیم ستلو ہی نہ گاویں گی بجا ڈھول	ڈنکا ہی دمامے کا کہ یہ مصرع ہی انمول

روئی تو — الخ

سودا کا ایک شاگرد کہتا ہی۔

گزرا ہی وہ عالم میں اک اُستاد زبردست	کیا کیا کروں اوصافِ سخن اُس کے ہیں تحریر

پھر یہی شاگرد مصحفی کا یہ شعر نقل کرتا ہی اور مزہ یہ ہی کہ عین کے گرنے پر اعتراض بھی کرتا ہی۔

مصرع سے بصد خونِ جگر مصرع کو چپاں	کرتے ہیں تو پھر وہ بھی دو پلکے کی ہی تعمیر

اُردو میں اسقاطِ عین کی کچھ اور مثالیں:۔

ل۵ ستلو: بیہودہ عورت - بے سلیقہ عورت - پھوہڑ عورت - احمق عورت -

CC-0. In Public Domain.

...y Collection Chennai and eGangotri

غافل جہاں کی دید کو تو مغتنم سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہی اس عالم کو خواب میں

(درد)

کیا جانیے کہ آج کس عاشق کی ہی اجل
کیفی ہوا ہی اب تو مرا یار بے طرح

(تاباں)

ہوا داغوں سے ہی ضرر مرا کیا چٹ سب عشق نے گھر مرا
کھا کھا کے لختِ جگر مرا یہ کباب کیا مزے دار ہی

(منتظر)

یوں پکار اُٹھا ترے در پہ شب مجھے چور کہ کے وہ بدلقب
ترا آج عس ترا آج عس ترا آج عس

(محکم)

مرا معاف کرنا کہا اور سُنا
(میر حسن)

اِس عزت کا باعث ہو تم چار بھائی
لڑ دیوں نہ آپس میں زنہار بھائی

(ارشد دافع الوساوس)

گئے نہ سوے حرم کسی دن نہ کام دیرِ مغاں سے رکھا
سلامتی بس اس عشق کی ہو نہیں سے دونوں کو بندگی کی

(تسلیم)

خادم اب اُن کو اک نئے کمرے میں لاتے ہیں
تعظیم اور تواضع سے لا کر بٹھاتے ہیں

اب اُس کے دل سے بخل کی جڑ تک اُکھڑ گئی
نیکی کی اور تواضع کی خو اُس میں پڑ گئی

(ارشد - مرقعِ حکمت)

سودا کے دو اور شعروں سے ثابت ہوتا ہی کہ عین کو تلفظ کے اعتبار سے الف مانا گیا ہی۔

...Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لے مرے دل کو دے کے اپنا دل	سنگ کے مول یہ بکے ہی لعل

جس غزل کا یہ شعر ہی اُس کا مطلع ہی:-

کھینچ شمشیر چاو دل کے نکال	آج در پر ترے پڑا ہوں نڈھال

دوسرا شعر یہ ہی:-

جب سُنے بولیوں سے یہ طعنے	تب تو دل بیچ ہو کے کھسیانے

باوجودے کہ اسقاطِ عین کی اس قدر مثالیں سودا کے کلام میں خود موجود ہیں پھر بھی جہاں اُس نے میر کے ایک مرثیے پر مخاصمانہ نظر کی ہی وہ اِس خطا سے چشم پوشی نہ کرنا عینِ صواب جانتا ہی۔ اِس مخدوش مرثیے کے سوا مجھے میر کے کلام میں اسقاطِ عین کی مثالیں نہیں ملیں۔

انتخاب نقص میں مولوی عبد الغفور خانِ نساخ نے بہت سے شعر انیس اور دبیر کے بھی نکال دیے ہیں جن میں عین تقطیع سے گر جاتا ہی۔

غلام علی آزاد نے اس اسقاطِ عین کو اپنی کتاب تذکرہ خزانۂ عامرہ میں عاقل خاں شاہجہاں آبادی کے حالات میں بہت شد و مد کے ساتھ لکھا ہی جس کا خلاصہ یہ ہی کہ نہ فقط شعراء ہند دریں عین غوطہ کردہ اند بلکہ مردمِ ولایت ہم در گلا بۂ ایں عین لغزیدہ است۔ اِس کے ثبوت میں خواجہ باقر شیرازی کا یہ شعر نقل کیا ہی ؎ مرا پند خرد منداں بحال خود نمی آرد ✤ بہ ایں افسانہا مجنونِ عشق عاقل نمی گردد۔

مثنوی ناخدا ایک شیرازی کی میری نظر سے گزری اُس میں اکثر اشعار میں عین گر جاتا ہی۔

✤ شاید انیس العارفین اُس مثنوی کا نام ہی۔ میں نے یہ مثنوی مخدومی مولوی سید محمود آزاد کے کتب خانے میں دیکھی تھی۔ ابتدائے کتاب میں ایک تقریبی قطعہ بھی خود مصنف کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ دیکھا تو اِس مختصر قطعے میں بھی بعض جگہ عین گرتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

Chennai and eGangotri

مشعراءِ فارسی کے کلام سے اسقاطِ عین کی کچھ اور مثالیں:-

(۱) عاقل خان شاہجہاں آبادی:-

تا توانی تختہ بندِ یک مقام عاقل مباش	خاک بر سر می کند در خانۂ آئینہ آب
ای بہ نقاب عارضت شعلۂ بالِ نگاہ	عکس تو در آینہ یوسفِ مصری بہ چاہ

(۲) ناصر علی سرہندی:-

ای رگِ جان بہار این ہمہ بے رحمی چیست	خاک از مقدمِ تو خوں شدن عادت دارد

(۳) غنیِ کشمیری:-

پیرہن گُل تن گل عارض گل لبِ دلدار گل	باغبانِ صنع بستہ دستۂ زین چار گُل

(۴) ظہوریِ ترشیزی:-

بدستم دہ آن رشکِ یاقوت را	کہ سازم علاجِ عقلِ فرتوت را

(۵) قاآنیِ شیرازی:-

یک روز چو بگذشت برہ دختر کے دید	مانندِ سگ عوعو زدو آہنگِ قمر کرد

(۶) صاحب:-

ترا ہجدہ ہزار عالم بود در کشورِ حیوان-

پس جب کہ اس کثرت سے اسقاطِ عین کی مثالیں شعراءِ فارس و ہند دونوں کے ہاں موجود ہیں تو پھر اس کو عیب قرار دینے کی وجہ- اولویت اور چیز ہے اور عیب شئِ آخر- اولیٰ ہے کہ الفاظ جو جس زبان کے ہیں اُسی طرح اُردو میں ادا کیے جائیں لیکن اگر اور طرح بندش میں آئیں تو خواہ مخواہ معیوب نہیں کہہ سکتے- طُرفہ یہ ہے

Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ خود عربی میں بہت سے اشعار میری نظر سے گزرے جن میں عین کو تقطیع میں جگہ نہیں۔ سوا اس کے کہ اس کو ہمزہ قرار دیں اور ساقط کر دیں۔

(ب) ے کے ساقط ہونے کی مثال بھی سودا کے کلام میں موجود ہی۔

دُنیا نہیں ای یار تلاش اپنی سے منظور	کرتا ہوں اس حُجت کو میں اتام جہاں پر
اور اُن کے حسنِ طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول	کہ خاکِ پاک کی تسبیح ہی لیجیے جو مول

سودا کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:-

بہتر تھا کہ دیتا کرا رادے کی تو اپنے	اِس شعر کے ساتھ حاشیے میں شرح بھی تحریر

(ج) اسقاطہ۔

"ایک ہی" کا جواب یہ ہی کہ یا تو ہے مخلوط ہو کر کاف کے ساتھ پڑھی جاتی ہی جیسے کبھی۔ سبھی۔ ابھی وغیرہ میں یا ہی کی ہے کہیں ہے ہی کہیں ہمزہ۔

سودا کے ہاں ہے کے اسقاط کی مثال بھی موجود ہی۔

تب وہ ناچار ہو کے جب ہارا	کہ یہ بات ہاتھ ہاتھ پہ مارا
غرض عجب کچھ ہیں درہا ے سفتۂ حافظ	بر آسماں چہ عجب گر زگفتۂ حافظ

سماعِ زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیجیے یہ بھی دل اپنے میں نہ رکھیے ارمان	لیکن ہوتا نہیں کچھ تم سے لیا میں نے جان
پس ہمت کے نزدیک ہی کیا بھلا	کہیں اور پہ ٹالوں اپنی بلا
بے کفن بے گور ہی خیمے کے اندر وہ پڑا	جس کی صورت تھی بلا تشبیہ پیمبر سائیاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Chennai and eGangotri

(انشا) رہ فضیحت نہ ہو چلوں تو مجھے چھوڑنے دی
دیکھ یہ جا گہہ ہی بے پردہ مری ہونٹ نہ چوس

سودا اور انشا کی سند سے اگر تسکین نہ ہوئی ہو تو حضرت نظامی کا شعر لیجیے۔

یا نُبُد ہیچ کس از بادہ پرستاں بیدار
یا چو من مست بُدند ہیچ کس ہشیار نہ بود

ہیچ کی تاویل تو ہو سکتی ہی کہ اپچ ہی مگر ہُشیار کا کوئی جواب نہیں۔

عرفی اور قاآنی بھی تایید کو موجود ہیں:۔

پیشِ عُرفی مدہ از دست عناں کایں اُستاد
خویش را ابلہ نمودہ است و لے ابلہ نیست

(عرفی شیرازی)

پندِ مرا بجاں شنو دل بنہ بر نہالِ نو
تن ببلا شو و گرہ فرو درسِ عشقِ یار دوں

(قاآنی)

سلام علیکم سلام علیکم
بحمد اللہ بھائی مسلماں ہیں ہم تم

(مولوی نذیر احمد لکچرِ منظوم)

ذُکاء اللہ صاحب کے دیکھو رسائل
ہی کیا اُن کی تحقیق و تدقیق کامل

(اشہری۔ شہر لندن کا فوٹو)

ہر اک شان میں خوش نُما دل رُبائی
تعالے اللہ خود زور تیری خُدائی

(ارشد۔ دافع الوساوس)

وہ عرض تو پھر ہو گی مگر یہ تو بتاؤ
بسم اللہ جو اس بزم میں آئے ہو تو آؤ

(ارشد چندہ نامہ)

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب تک ہوویں نہ یار ہولی میں	اپنی آنکھوں میں خار ہولی ہی

(منشی سید احمد دہلوی)

وحدت کے سوا ہیچ سمجھتے تھے ہر اک شے	معنیِ الکحول دیے شکل میں لا کی

(ارشد۔ تضمینِ ارشد)

چھپر ہلے میں ایک تو اسقاطِ ہا ہی۔ دوسری ترکیب یہ ہی کہ چھپر کو اَبر کے وزن پر پڑھیں۔

(و) اسقاطِ ر۔

اُور کی رِی کے گرنے کا جواب یہ ہی کہ اُور کئی طرح سے تلفظ میں آتا ہی۔ کہیں تو اُور بروزن قول کہیں اَور بروزن زر باشمامِ ضمہ۔ کہیں باسقاطِ را بروزن ضو۔ کہیں باسقاطِ را بروزن لو۔ کہیں فقط واو مضموم۔ یہ جتنی صورتیں ہیں سب اُور کی ہیں لیکن یہ لکھا صرف دو ہی طور سے جاتا ہی۔ اور یا و۔ اس مقام میں و[1] لکھنا تھا مگر چوں کہ تلفظ کے مطابق لکھنا اس قدر رائج اُس زمانے میں نہ تھا اس لیے تلفظ کچھ مقصود ہو مگر لکھا وہی

[1] واو ملفوظہ ہندی:۔

تجھ سے گالی و جھڑکیاں کھائیں	الغرض لے گیا بسر اوقات

(مسافر)

ہم چوہڑ چیز سنتے تھے سو آپ کو دیکھا	دیں گالیاں اور مجھ سے ہونے آپ ہی برہم

(رنگیں)

لیے جاتے ہیں وہ جس راہ سے ہی خارستاں	نہیں تالاب و کنوئیں کا کسی منزل میں نشاں

(سودا)

کر جرخہ و پونی جو میں پیدا کر دوں جو نی بھڑوا و مسخرہ و مچھندر رہی اُن کا نام	کھا جاے ہی یہ بھوک رکھے بیل سے دونی نتھ ناک میں ڈال اور پہنا ساڑی و لہنگا
بکواؤں گی اس بھڑوے سے کوتے ہی پکڑوا	

چمنِ دل میں عشق بویا تھا	داغ و شعلہ ہوا گل و بوٹا

(سودا)

لگانا بڑی تعلیم بجانا ہی بڑا اگن	بس اُڑتا ہی کا لنگڑہ و سارنگ شب و روز

(ارشد تضمینِ ارشد)

اُور کی مختلف صورتیں تلفظ کے اعتبار سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ایک طور سے جاتا تھا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہی کہ "کر" سہو کاتب ہی

اب یہاں پر کسی قدر غلط العام فصیح کے قاعدۂ کُلیہ کی بحث بھی بہت ضروری ہی - اوائلِ عہدِ شاعری میں تصحیحِ الفاظ کا نصاب جُدا گانہ تھا - اُس وقت زیادہ تر اس بات پر نظر رہتی تھی کہ بول چال میں وہ الفاظ کس طرح رائج ہیں - مثلاً طَرَح کہ گو لُغتہً بسکونِ اوسط ہی لیکن بحرکتین زبان زد - کبھی تخفیفاً تلفظ میں ح بھی ساقط ہو جاتی ہی - گو تسبیح بروزن تصحیح ہی لیکن تلفظ میں تسبی - اسی لیے اس کی جمع عموماً زبانوں پر تسبیاں - ایسے الفاظ کی نسبت شُعرا کی رائے یہ تھی کہ اگر روزمرے کے مُطابق بندھ جاے تو وہی افصح ہی لیکن اگر کوئی تصحیحِ لغت کے ساتھ باندھے تو اس میں بھی مضایقہ نہیں - رفتہ رفتہ کُل جدید لذیذ کے لحاظ اور کسی قدر اظہار علمیت و امتیاز کے خیال نے اُن روزمرہ کے مستعمل فصیح لفظوں کو شعرا کی لفظی انجمن سے خارج کر دیا - اس قسم کے غلط العام نظیر کے ہاں بہت آزادی کے ساتھ مستعمل ہیں - سودا کے کلام کو میں بطور سپر پیش کرتا ہوں تاکہ جتنے ناروا حملے نظیر کے کلام پر اس خصوص میں ہوتے ہیں رد ہو جائیں -

سودا فرماتے ہیں -

(جواہر بفتحِ ہا) - اِن نصائح کی سند پھر زِ کلامِ عرفی		لاکے وہ میرے لیے بہ زرِ جواہر اشعار
لگے فرمانے کہ اُستاد اُنھوں کا سُن کر		ویسے شعروں کو کہے تھا نہ کہا کر اشعار
کئی دین و مذہب کے ہیں یہ جواہر		کہو آپ کی جا اُنھیں تُو تو جا کر

(ارشد دافع الوساوس)

مسلا مسائل کہا حضرت نے سُن کر تم ہو گُم راہ		نہیں مسلہ مسائل سے کچھ آگاہ
انتظاری - لیکن اب دل کی بے قراری ہی		وصل کے دن کی انتظاری ہی

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذوی الاحترام - بہر آصف الدولہ جس کا ہی نام	سلیماں شکوہ و ذوی الاحتشام
رخش تو نبی عم بُراق است، از پیک	میداں ہمی از چرخ کند گاہ تنگ و دو

(قاآنی)

یگانہ - دیکھو یارو عجب زمانہ ہی	بیٹے سے باپ کیا بگانہ ہی
کہیں - کمی - کھانے پینے کی کچھ نہیں ہی کہیں	پاس سے میرے تم نہ جاؤ کہیں
مورد - پوچ زباں اُن کی سے شعر تو سر زد ہوا	کاتبِ بیچارہ مفت لعن کا مورد ہوا
قرض - نبیے کا دیوال بند ایک قرض دار تھا	اس کے ادا کرنے میں سخت وہ ناچار تھا
بیانہ - خرید عشق نے جس روز کی متاعِ چمن	جو نقد جان پڑی قیمت تو دل بیانہ تھا
دوانا - جو ذکر بعد مرے ہوگا جاں نثاروں کا	کروگے یاد مجھی کو وہ اک دوانا تھا
بگانا، دوانا - اپنے کا ہی گناہ بگانے نے کیا کیا	اس دل کو کیا کہوں کہ دوانے نے کیا کیا
اعلان نعن دین دار - نہ کردہ کام دلِ دین دار و کافر سے	کہ پہنچے تا بدرِ کعبہ و کنشت شکست
فی الحقیقت میں - کہتے ہیں نیلم جسے تھا فی الحقیقت میرو لعل	ہوگیا ہی رشک سے تجھ لب کے رنگ اُس کا کبود
ہم جم = ہی مسلم حسنِ مہ ہر چند پیش کائنات	گر ترے ہم جم ہو بیٹھے تو ہی پہلو کا عدود
ہم جنب خوامخواہ = خواہ مخواہ - اسی سے واعظِ احمق کو پست فطرت جان	ہوا ہی چڑھ کے یہ منبر پہ خوامخواہ بلند
اصل السوس - چوبِ اصل السوس و پر سیاوشاں مل کر	جوں تیر نہ چلنے میں کرے دیر ہوا پہ
جُدی - دامِ اُلفت کے اسیروں کی جُدی ہی پرواز	کہیں اُڑتے ہیں ترے بال کہیں میرے پہ

نامن

۵۱ سعالِ مزمن فلفل بھلا ہو دفع کس ڈھب سے + سپستاں ہی نہ زوفا ہی نہ اصل السوس شیشے میں -

CC-0. In Public Domain.

غلط العام	لب ولہجہ ترا ساہی یہ کن خوبانِ عالم مین	یہ غلط العام ہو جگ میں کہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں
ہم شہری	شوق زبان تک اپنے ہم شہریون کو بھولا	نامہ جو اُس کو پہنچا اُن بے مروتون سے
	کھولا اُسے تو ہرگز اک لفظ بھی نہ سمجھا	قاصد سے پوچھے معنی رو رو اشارتون سے
آمان	امن و آمان سے گزرے بجہان عالم کو	دلون کو چاہیے آرام ہو جانون کو چین
مطالا = مطالعہ	اگر اک ورق اسکا ہاتھ مین جا مولوی کے دو	کہیں رکھ ناک پر عینک مطالعہ کرکے وہ اُس کو
مَرَض = مَرْض	یہی مَرَض الموت تھا قسمت میں میری یا نصیب	حاصل اِس تدبیر سے کیا کرنے مین طبیب

ترکیبِ فارسی وہندی:-

غرض جب بات چلنے ہی پہ ٹھہری	نماز ظہر پڑھ وقت سپہری
بنا دین سبحہ جو اُتنے ہی لے کے مروارید	کبھو تمام نہووے وہ ڈورۂ تسبیح
عالم تمھارے پیچ میں آوے گا آج جاں	تم نے سجا ہی چیرۂ بل دار بے طرح

(تاباں)

تحریک ساکن کی مثالیں:-

قبر بفتحتین

تِری در پہ ہم آکے پڑی ہیں صنم نہ سفر کے رہے نہ وطن کے ہوے

ترے ہجر ہیں بانی ظلم وستم نہ قبر کے رہے نہ کفن کے ہوے

(محکم)

لہ (معروف) غلط العام فصیح ہی جہان میں معتبر ہو * غلطی کیا ہی اِن اشعار کے ناخونون مین-

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عمرو متحرک الاوسط

ایک کوڑی کو نہ لیجے جو فروشندہ کہے	ہی بکاؤ کوئی زنبیل عمر لیتا ہی
زنبیل ہی عمر کی دل فکر خیز یہ	اس کو کسی طرح سے نہ زنہار توڑیے

(انشا)

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی	غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل

(غالب)

عمرو ساکن الاوسط۔

آدھ سیر آٹے کا خدا ہی کفیل	پیٹ اس کا ہی عمرو کی زنبیل

(سودا)

خضر بفتح ثانی

صد مرتبہ گردد بتر از زہر ہلاہل	گر زانکہ فتد عکس تو در آب خضر بر

(قاآنی)

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار	اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

(حالی)

شمر بفتح ثانی۔

دل ایسے شخص کو مومن نے دیدیا کہ وہ ہی	محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

(مومن)

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

...Chennai and eGangotri

نذر = نذر - میران وہ خاصے گھی کے تر گلگلے تلون میں — بھینسا تو ایک کیا ہی دیوی نی نذر کروں مین

قالبوت = کالبد - میران سے اُس کی جورو تب کہنے لگی رو رو — جو قالبوت تم سے پیرون کا بن رہا ہو

کھووے تمہارے آگے یوں اُس کی آب و کھو — جو تم مین کچھ کرشمہ ہووے تو یہ سزا دو

آنکھوں سے ہووے اندھا کوڑھی ہو اُس کی کایا

ضاحک کے پیچھے پلچا اِس طرح ہو کے مبہوت — سوجھا نہ آنکھوں آگے یہ ... ہی کہ ہی ...

سابوت = ثابت - ایسی بنا کے ماری ذرہ رہی نہ سابوت

طُفانی = طوفانی - کہنے لگی کہ میران بھڑوا ہی یہ طوفانی

حلوا آخاتون - یوں بھی نہ ہو اِس سے تو مین بات اور بتا دون — دو چیتھڑے رنگ کر حلوا خاتون بنا دون

رر - رنگ چھاپ ایسی دو حلوا خاتون مین دون گی — کہتا پھرے بھڑوا جنیا لال ملون گی

حلوا آخاتون - اِن باتوں سے ہوئے گی نہیں پیٹ کو سیری — لے کر حلوا خاتون کرے شہر مین پھیری

طبع - خاموش کر ای سودا تیری طبع ہی عالی — موقوف کر زبان سے یہ گفت گو زوالی

مباف = موباف - اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھول کر مباف — مشکیں اُنھوں کی جڑ کے کہا کیجیے معاف

اصطبل = اصطبل - جو اصطبل مین کئی گھوڑے ہیں سو کیا امکان — کہ ہووی گھاس کے ٹھٹھے کا اُن کے آگے نشان

اصطبل - بد مین یہ کہ اصطبل ادھر کرے ہزار

دسخطی = دستخطی - اب آگے دفتر تن کی مین کیا کہوں خواری — سوال دسخطی کو پھاڑ کرے کے پنساری

کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کٹول

لاحول - یہ آگے اور چلین کہ کے زیر لب لاحول — (بضم حا کیون کہ تول بول رول کا قافیہ ہی)

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جہان آباد-	جہان باد تو کب اس ستم کے قابل تھا	
عُلما-	اور ان کشمیریون مین جو کہ اب عُلمای دین ہین گے	سمجھتے ہین وہ اپنے تئیں جو کچھ مین گے ہمین ہین گے
خدع- مکر-	خدع سے پھر مکر سے کرتے ہین گے گریۂ و زاری	
کسب-	اب یہ کہہ تو کہ ہم کہان جاوین نہین ہرگز سمجھتے حق کو یہ مرغوب ناحق ہین	جو بتا دے کسب سو کر کھاوین ہر اک پیشے کسب مین خوب ماہر اور فائق ہین
مسلے-	گدھی کا.. نا مسلے مین تبلاتے ہین جلت ہی	
بچارا-	بہت سید بچاری یہ اُنھین تلقین کرتے ہین	
قُرم ساق	تب یہ کہتا ہی کیا وہ قُرم ساق	دون ای خندی تجھے اگر مین طلاق
خصم-	یون ہزارون سے جورو کیون نہ...	لیکن اُس سے خصم نہ ہاتھ اُٹھاسے
غیور تشدید یا		
	یعنی نواب سلیمان فر و نام آصف جاہ	عہد مین جس کے یہ غیور بزرگ و کوچک
منہیات بر وزن خطرناک		
	دور میں اُس کے ہی یان تک تو منہیات ذلیل حکم صلاح سے ترے اے صالح جہان ہی کش مکش شراب کو جب کیجیے نظر	کش مکش می یہ نت اُٹھ بنگ سدا زیر کتک عرصہ اب اس قدر وہ منہیات پر ہی تنگ جس وقت دیکھیے تو ہی خشکون کے نیچے بنگ
مباحت بمعنے اباحت-		
	بعیش گاہ جہان خوش ہو خرمی نے آج	کیئے بدل بمباحت منہاہی کے احکام (سودا)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Chennai and eGangotri

اغلاطِ میر۔

قُرآن بروزنِ گمان۔

مت مانیو کہ ہوگا یہ بے دردِ اہلِ دیں	گر آوے شیخ پہن کے جامہ قُران کا

مسالہ بکسر لا۔

ہوا ہوں خاک پہ دل کی وہی ہی ناصافی	ابھی اس آئینے کی کرنی ہی جِلا مجھ کو
مگر کہ مردنِ دشوار میر سہل ہی شوخ	ہلاک کرتا ہی تیرا مسالہ مجھ کو

مسیت بمعنی مسجد۔

عجب نہیں ہی نجانے جو میر چاہ کی ریت	سُنا نہیں ہی مگر یہ کہ جوگی کس کے میت
مت ان نمازیوں کو خانہ سازِ دیں جانو	کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت

عیب اکفا۔

اُسی بن میں رہنا اُسی بن میں راہ	وہیں شام کا حسنِ لطفِ پگاہ	[illegible]
اُسی بن میں وہ جھیل گہری بہت	ہوئے حیدہ بڑی وجہری بہت	

اتنی مضبوط سپر کے بعد اب ہمیں نظیر کے غلط العام سے کچھ ڈر نہیں۔ عام نہیں بطور خاص ملاحظہ ہو

دِوار۔	وہ گرد دیوار کو دیں ہم کو ٹھا پھاند جاویں	
دوال۔	اُچھلیں دوال پا کھے اور پھاندیں چارپائی	
اعصا۔	کل مجھے دریا اُپر خواجہ خضر جو مل گئے	سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا لیے لہ

لہ میر حسن۔ لیے سونے روپے کے عاصے تمام۔

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محلات-	یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
اَشرفی-	پیسے روپے اشرفی یا سیم و زر کا پیسا
مُسَوّدا-	مت چھوڑ قلم جان، لکھے جا تو مُسَوّدا
افیم افیمی-	کھا کر افیم ظالم مت ہوجیو افیمی
داستانہ-	داستانہ ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر
نصیبا-	ایسے طالع ایسی قسمت یہ نصیبا کوئی پائے
خُلدِ عدن-	اُنھی کے واسطے خلدِ عدن ہے

سند:-

از یک سخن رواں دو لبش داده صد شکست	تسنیم و کوثر و عدن و سلسبیل را

(قاآنی- پریشان صفحہ ۳۳)

حضرت زہرا تری آماں نے کیا یہ ماجرا	پیاس سے مرنے کا فرزندوں کے مطلق نہیں سُنا
کیا عدن میں جا کسی حور و ملک نے نہیں کہا	اب تلک آئی نہیں زہرا اطہر سائیاں

(سودا)

سُبکی-	جو لے سُبکی سے نام مرتضےٰ کو
گُمزی-	گرد اُس کے گُمزیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
جنگل-	کیا ابر و ہوا کوہ جنگل ارض و سموات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

...Chennai and eGangotri

سند اسقاط نون -

کہیں بن زنجیر اُسے گھر نہیں	ذری چین شام و سحر نہیں
خنجر سن اس کو گلے شہ کے لگ لہو رو دیا	
کٹے گوشوارے سکینے کے	خنجرِ جفا سے سکینے کے
رنگ کھیلنے کا شادی کے دکھایہ عجب طور	جز خون کی چھینٹوں کے نہ تھا کپڑوں پہ کچھ اور

(سودا)

دِوانہ - پھرے دوانہ سا ہر طرف وہ اسی کی چاہت میں ہوش کھووے -

ہیوے -	آباد ہیں چھپر کھٹ ماچی پلنگ کھٹولے	دلبر کہیں بغل میں امرد کہیں ہیوے
چغد -	گِدھ اور چغد دہاڑے اور پھڑ پھڑائے اُلو	
قرض -	کہی ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک بار	جو خالی آتے ہیں وہ قرض لیتے جاتے ہیں
فند -	موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو یا فند کرو	بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو
بگانہ -	اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں	
مُتصدّی	اِس میں وکیل بخشی و مُتصدّی اور امیر	
نفع -	ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن	
زہر -	ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا	
بوقلموں -	گھڑی بھر بیٹھ کے ہم پاس کرلو عیش بوقلموں	
شہر پناہ -	ٹوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ	

Digitized by ... Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تبسی۔	یاں حُبہ تسبی دور ہووے واں ساغر شیشے چور ہوے	
حسنین۔	تو پھر حسنین کے صدقے سے اُن کو ہم بھی واں دیکھیں	
اشتر۔	جو مانگا اک شُتر اُس کو دلاے سیکڑوں اُشتر	
صَلوات	صَلوات پڑھ کے یہ بھی سُناتا ہی تب نظیر	
قران۔	پڑھتے ہیں آدمی ہی قران اور نمازیاں	

سند:۔

مت مانیو کہ ہوگا یہ بے درد اہلِ دیں	گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا (امیر)

اِسی طور پر حضرت امیر خسرو نے بھی باندھا ہی مگر شعر اسوقت یاد نہیں ہی۔

چرپائی۔	چرپائی بیچ کھائی اور بان کو جلا کر	روٹی پکائی رورو اور کھائی آہ بھر بھر
قسم۔	لیلی کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قسم	
عجوبہ۔	انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا	
صَحن۔	باغ میں گھر میں صحن میں پیڑ سبزی کے لگا	
صِرف۔	صِرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہی بیوپار	اُنھوں نے کھایا ہی اس دن کے واسطے ہر دو دھا
ذبح۔	بے جرم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہی	اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہی
قطرجات۔	اُس کے عرق سے جسم کے یہ قطرہ جات ہی	اور اُس کی اُس کے فضل سے یار و نجات ہی

سند:۔

زصوبجات بگردوں شود زفیہ نفیر	زدیرجات بگردوں رود غریو و غیرن (قاآنی)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

چدر۔	ماں پیچھے ایک میلی چدر را اوڑھے جاتی ہی	
مزدر۔	ڈھاتے تھے واں مزور تو تن کی محل سرا	پر گھر بنا رہے تھے دوالیس اُٹھا اُٹھا
غُربا۔	اور سب غریب غربا دل شاد اپنے گھر میں	

یہی چند اعتراضات سخت تھے جن کا جواب کافی طور پر دیا گیا۔

زبان کے تبدل کے سبب اُس وقت کے اور بہت سے مُحاورے ہیں۔ جو ہم لوگوں کو معیوب معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے علامت اضافت[۵۱] اور علامت فاعل کا حذف کرنا۔ بہت سے الفاظ ہیں جو اب متروک ہو گئے ہیں۔ مثلاً اب تئیں معنے میں اب تک کے۔ کب تئیں معنی میں کب تک کے۔ ماٹی معنی میں مٹّی کے۔ لاگا۔ معنے میں لگا کے۔ ایدھر[۵۲]۔ اُدھر۔ جاگہ معنی جگہ۔ نین = آنکھ۔ سجن = معشوق۔ برہن = جُدائی کی ماری۔ برہ = فراق۔ ہیگا = ہے ندان = آخرکار۔ کرکر = کرکے۔ اُنھوں کے تئیں = اُن کے تئیں۔ نت = ہمیشہ۔ اُپر = اوپر۔ گی (ماضی جانا) قافیہ شکوہ۔ رُیا = رویا۔ سین = نین۔ بٹ مار = راہ زن۔ ہستی = ہاتھی۔ سیتی = سے۔ کوئی ہموزن گی۔ گئی ہموزن گی۔

۵۱۔ اس برابر۔

۵۲ (انشا)۔ دنیا ایدھر کی گو اُدھر ہو جاے + بڑھے خوجے کی کس طرح خو جاے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کھوئے = کہے - رہوے = رہے - ٹک معنی ہیں ذرا کے - تنک = ذرا سے کنے = کے ہاں - پھیر = پھر -

یہ الفاظ سودا اور میر کے ہاں بھی موجود ہیں - نظیر چونکہ میر کے معاصر ہیں اس لیے اُن کے کلام میں اس قسم کے الفاظ کا ہونا کوئی امر اُن کے مرتبۂ شاعری کا گھٹانے والا نہیں ہو سکتا -

۵۱ کھوے - اُس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا + کھوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا - الخ

رہوے - تا ابد رہوے یہاں بھی اور وہاں + حرفِ رسمِ خط کتابت درمیاں +

یہ محاورہ ذوق اور ناسخ کے ہاں بھی موجود ہے -

آج اُن سے مُدعی کچھ مُدعا کہنے کو ہیں + پر نہیں معلوم کیا کہویں گے کیا کہنے کو ہیں -

(ذوق)

بوسے کا سائل ہوں کیوں مجھ کو نہ کہوے دُور دور + قدر کیا محتاج کی حاجت روا کے سامنے -

(ناسخ)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کا باغ

باغ سے میری مُراد یہ نہیں کہ نظیر کوئی بڑے آدمی تھے۔ واقعی اُنھوں نے نوابوں اور امیروں کی طرح کوئی بڑا سا باغ لگایا تھا۔ اور اُس میں اہتمام کر کے ہر جگہہ سے درخت منگائے تھے۔

بہار کے دنوں میں ہر روش مہک جاتی ہی۔ اور پھل کے زمانے میں ہر شاخ پھلوں سے لدجاتی ہی۔ شعرا گو بڑے آدمی نہ ہوں لیکن خدا کی طرف سے اُن کو لطف انگیزی کی وہ آنکھیں ملی ہوئی ہوتی ہیں کہ باغ لگائے کوئی مگر واقع میں اُس کے مالک یہی ہیں۔ لگانے والوں کو ایک مالی یا باغبان سے زیادہ رتبہ نہیں۔ شعرا کا باغ اُن کے صحن خیال میں ہوتا ہی۔ جس کی وسعت ہر باغ سے زیادہ ہی۔ وہ اپنے مذاق اور پسند کے مطابق روز ہر تھالے میں ایک تازہ پودا لگاتے ہیں اور ہر روش پر ایک نیا گُل کھلاتے ہیں۔ آرایش روز بہ روز ترقی کرتی جاتی ہی اور رونق دن بہ دن بڑھتی نظر آتی ہی۔

اس مضمون کو ہمارے مکرّم مولوی سید محمود جہانگیر نگری نے اپنے قصیدۂ معراج الخیال کے آغاز کے چند شعروں میں کس خوبی سے ادا کیا ہی۔

دلم گلچینِ اسرار و خیال من گلستانش	فضائے ہر دو عالم گوشۂ از یک خیابانش
خوشا باغی کہ طبعش باغباں فکرش صبا آمد	قلم گلدستہ بند و صفحۂ قرطاس گلدانش
خوشا باغی کہ رشکِ خلد شد دامانِ آگاہی	ز رنگیں جلوہ ہای دلکش گلہای الوانش
تعالی اللہ چہ باغ ست این کہ ریزد گوہر مضموں	بہ جیب گوش عقل آوازہ مرغانِ خوش الحانش

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تعالی اللہ چہ باغ است ایں کہ میخواران معنی را	ضمان مستی جاوید آمد بوئے ریحانش
زہی باغی کہ ماند تا قیامت تازہ گلہائش	نہ آں باغی کہ در یک ہفتہ ریزد برگ ریحانش
زہی باغی کہ رہ بنود درو باد خزانی را	چہ در اردی چہ در بہمن ببینی تازہ یکسانش
زہی باغی کہ نازک نکتہ ہوش و خرد افزا	فزوں از خضر منقوش ہست بر اوراق و اغصانش
زہی باغی کہ معنیہای رنگیں ست گلہائش	زہی باغی کہ چوں من بلبلے باشد غزل خوانش

نظیر کا مذاق اِس خیالی باغبانی میں امتیاز کی خصوصیت رکھتا ہی- اُس نے طبیعت کے ہرے بھرے باغ میں کوئی اچھا اور عمدہ پودا نہیں چھوڑا- جو پیڑ اُسکو پسند آیا ہی تیزی نظر کے قلم تراش سے اُس نے اُس کی قلم کاٹ کر ضرور اپنے جاوید بہار باغ میں لگائی ہی- اسی سے اس کا باغ خیالی نہایت گھنا نظر آتا ہی- اِس نے اپنے اس باغ کی ایک سچی اور اچھی تصویر بھی ہم لوگوں کی تفریح کے منظر پر کھینچ کر لگائی ہی- جس میں رنگ اِس عمدگی سے بھرا ہی اور روشنی اور سایہ اس خوبی سے دکھایا ہی کہ کہیں تو ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر نظارے کو راحت کی نیند آتی ہی کہیں دھوپ کی جھلک دیکھ کر آنکھوں کو نور سرور حاصل ہوتا ہی-

آؤ کچھ دیر کے لیے ان کے اُس پُر بہار باغ میں گل چینی کریں اور تازہ پھولوں کا گلدستہ بنا کر انتخاب کے گل دان کو زینت دیں-

دیکھو یہ پھولوں کا تختہ کس قدر مہک رہا ہی-

شب کو چمن میں واہ واہ کیا ہی بہار تھی مچی	پھول کھلے تھے پھول پھول غنچے کھلے کلی کلی
بیلا چمیلی رائے بیل موتیا جوہی سیوتی	باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آکے انجمن	تارے کھلے تھے سہ رتن پھول کھلے چمن چمن

...Foundation Chennai and eGangotri

نرگس و بار و یاسمن سوسن و طرّہ نسترن	کبک تدرو خندہ زن بلبل و قمری نعرہ زن

اس تختے سے تو یہ پھول ہاتھ آئے۔ بیلا۔ چنبیلی۔ رای بیل۔ موتیا۔ جوہی سیوتی۔ نرگس۔ ہار سنگار۔ یاسمن سوسن۔ طرّہ نسترن۔ اب آگے چلیے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دل کشا	آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا	ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا

کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے سبز تن	کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن	گلنار لالہ و گل و نسرین و نسترن

فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

یہ کئی نئے پھول اس تختے میں بھی ہیں۔

گلنار۔ لالہ۔ نسرین۔

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل	نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل

دید بازی صفحہ ۲۵۸

یہاں پھر پھولوں کا تختہ ملا۔

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن	داؤدی جوہی لالہ و رابیل و یاسمن
جتنے جہاں میں پھولے ہیں پھولوں کی انجمن	یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے	ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ

Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ای گُل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(نول کشوری صفحہ ۹۳)

داؤدی اور گلاب دو نئے پھول ہیں۔
نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہی۔
کوئی نیا پھول نہیں۔ آگے چلیے۔

(نول کشوری صفحہ ۹۲)

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں	کیا باغ چمن تختہ کا کیا زیر خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاری ہیں کہ اک آں	گُل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں

اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

(خمسہ بر غزل اصغر صفحہ ۱۱۲۔ نول کشوری)

اِس میں سنبل اور ریحاں دو نئی چیزیں ہیں۔
وہ دیکھیے میاں نظیر آپ بیٹھے باغ میں میوے کھلا رہے ہیں۔

میوے ہیں جتنے خشک تر اس باغ میں لگے	بادام پستے داکھ چھوہارے و کھوپرے
خربوزے آم جامن و لیمو چکوترے	نارنگی و انار بہی کولے سنگترے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

بلدیو جی کے میلے میں میاں نظیر ایک ڈالی میووں کی لیے کولے نارنگی سنگترے کھٹے کر رہے ہیں۔

(صفحہ ۱۷۹۔ نول کشوری)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

...Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھر ایک کاچھن کے پاس بیٹھے یوں بیر چُن رہے ہیں۔

کوئی کاچھن کے چُن رہا ہی بیر

میلوں میں اکثر اپنے باغ کا میوہ بیچتے نظر آتے ہیں۔

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے

یہ میوہ دار درخت تو ہندی شان سے لگے ہیں۔ اب باغ کی آرایش ولایتی مذاق سے مُلاحظہ ہو۔

اور دیکھیے کہ اس میں کس خُوبی سے پھل لگے ہیں۔

پہلے امرود اور انگور لیجیے۔ محبوبے امرود طلب کرد۔ انگور آوردم۔ گفت دلت مے خواست۔ گفتم چہ کنم

نگاہم تشبیہ پر است ٥ ازیں معنی بخندید او بہ طرزے ٭ کزو گردد خجل عقدِ ثریا ٭

(طرزِ تقریر ۱۹)

سیب۔ بہی۔ شفتالو۔ فالسہ۔ سنگترہ۔ ملاحظہ کیجیے

نزد نازنینے کہ ذقنش چناں دل آسیب کہ روے بہی نہ بیند و لبش آں قدر خاطر فریب کہ ہوس بوسہ

آں بہزار شفتالو نہ نشیند نشستہ بودم۔ پسند میوہ درمیاں آمد۔ گفت دلم را فالسہ و سنگترہ خوش مے آید۔

گفتم دلم نیز مے رباید۔ گفت چرا۔ گفتم بہ تشبیہ لب نزاکت گرا۔ چوں آں دل ربا تبسم بر لب آورد۔ دلِ من

نیز فرحت یاب گردید۔

(طرزِ تقریر ۲۰)

شریفے کو ذائقہ فرمایئے۔

شوخے لطیفہ پرداز شریفہ طلبید۔ چوں پیش رسید۔ گفتم شریف تر گردید۔ گفت دلت بکفایت دزدید۔

...Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گفتم جامی کہ بہتر وزود تر رسد مشرف باید گردید۔ وحصول دو فرحت باید گردانید۔ یکے شیرینیہ و دیگر لطیفہ۔ عنایت کرد و گفت دلت خوش گردید۔ گفتم وقتی کہ از دستِ ناز خواہد رسید ؎ چوں ز دستِ نازنیم آمد بدست
گفتم اکنوں خاطرِ من شاد شد ✤

(طرز تقریر ۲۳)

جامن نوش کیجیے۔

نزد نازنینے رفتم۔ وگفتم جامن خوب ترآمدہ است ؎ چہ گویم بے تکلف طرفہ جامن ✤ تواں کردن بیانش تا کجا من ✤ گفت بروم من خوش دارم۔ رفتم وزود آوردم۔ قدری بمن داد وگفت دیگر۔ گفتم ہمیں ایں جامن۔ چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش برمن انداخت۔ خوش وقت شدم وگفتم ؎ ازیں جامن ہمینم آرزو بود ✤ زلطفِ نازنین خوباں برآمد ✤

(طرز تقریر ۲۴)

ہر چند آگرے کے آم بہت اچھے ہیں مگر میاں نظیر کے باغ کے ہیں۔

مضایقہ نباشد۔

در فصل انبہ کہ پسند خاطر خاص وعام ہست وشہد وشکر بے قدری الیتام پیش نازنینے رفتم۔ گفتم انبہ ذائقہ قریب دیدہ آمدہ ام۔ گفت چرا نیاوردی۔ گفتم اکنوں چہ درنگ۔ مگر رنج انامل نزاکت شامل نشود۔ تبسم کرد وگفت خوب۔ رفتم وزود آوردم۔ گفت چہ قسم است۔ گفتم ہمہ تبرشی درشت۔ گفت اگر ہر آید۔ گفتم یک مشت۔ سرخ۔ سرخ روئی پسند وسر سبزی نگاہ نیاز مند۔ ودر دہم ایں کہ بخورند وروی گرفتنم زرد نکنند۔ ہنگام تناول ہماں قسم۔ گفت ہر چہ ازیں خوش آید باید گرفت۔ شیرہ گرفتہ گرفتم۔ گفت چرا۔ گفتم باطاعت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حکم ہمیں خوش آمد - بخندید - زیادہ مسرور شدم و گفتم ؎ لذتِ انبہ خوردن ایں طور * پیش من بہ ازیں نمی باشد *

(طرزِ تقریر ۲۸)

اُس میوے کو ملاحظہ کیجیے جس کی شان میں ہے نہ انجیر نام ست ہر میوۂ - جنت کے فواکہ سے ہے -

پیش محبوبے رفتم - دیدم کہ انجیر نہادہ است و زلف گرہ گیر کشادہ - بقدرِ تفاوت نشستم گفت اگر دل پذیر چندے ازیں بگیر - دانستم بعزم تسخیر - گفتم کجا ایں توقیر - اگر لطف ہست ہمیں جا عنایت تاثیر - گفت ایں چہ تقریر گفتم از دور انجیر و نزدیک زنجیر - ترک انجیر از بیم زنجیر - خوش تدبیر - گفت چناں - گفتم ؎ صیدم دار دو صیاد فسوں مے خواند * ہر کسے مصلحتے خویش نکو مے داند -

(طرزِ تقریر ۲۹)

بلدیو جی کے میلے میں کاچھن کے ٹوکرے کے بیر تو کھا چکے ہیں - ایک بیر اور کھائیے گو ترش ہے مگر ترشی مزے کی ہے -

از شوخی شکر لب اُلفت دست داد - چوں مجال بوسہ نداشتم - آرزوے دشنام مے کردم - از شوخی نے داد - حصول آں بے حیلہ ندانستم - روزے کنار ترشے ہمکنار پیش او بردم و گفتم بسیار شیریں است - چوں آشنای دنداں کرد دشنام داد - مسرور شدم - گفت چرا - گفتم مراد من ہمیں بود - گفت ؎ قدر دشنام از لب خوباں * دل مشتاق باز مے داند * گفتم ہمیں طور - تبسم کرد - (؎ ایں تبسم برائے آں کہ فریب * یاد دارد ز دل فریب بتاں * نسخۂ اولے)

(طرزِ تقریر ۳۰)

بلدیو جی کے میلے کے سنگترے بھی دیکھ چکے - اب نازنینوں کے بزم کے سنگترے سے لُطف اُٹھاؤ -

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش نازنینی گلعذار سنگترہ نہادہ بود۔ گفتم در باغ چنیں خوبی و دل فریبی کجا۔ گفت آخر آلِ ایں۔ گفتم ہمیں کہ یک دو از یں دست نگارین جانب من بغلطانند۔ گفت نامش بسنگ شرکت داد۔ گفتم سنگے کہ بر لعل خجالت آرد۔ گفت چساں۔ گفتم بہ لطفِ دو چنداں۔ گفت آخر سنگ۔ گفتم آرزوی دیوانہ رنگ۔ تبسم نمود و ہمچناں کرد

نمودم قدِ خود چو گاں بہ تسلیم * چناں کز مثل خود ہا گوی بُردم *

(طرزِ تقریر ۳۲)

لیجیے سیب کھائیے۔

نزد نازنینی سیمیں ذقن رفتم و گفتم سیب خوش رسیدہ است۔ گفت بیار۔ گفتم اگر دستم بہ سیب رسد۔ گفت بے آسیب نخواہد رسید۔ گفتم اگر باغباں نداند۔ گفت پاسبانِ زلف اسیر گرداند برائے آں کہ دیدن و چیدن تفاوت دارد۔ گفتم چساں۔ گفت در دیدن بہی و در چیدن الہی۔ آوردم۔ ہنگام تناول پسند ساخت و دہانم را نیز معزز فرمود۔ مسرور شدم و گفتم

خوردن سیب از چنیں خوبی * غیر لطفِ تباں نہ می باشد *

(طرزِ تقریر ۳۳)

جی چاہے تو گنا بھی حاضر ہے۔

ای کرم فرمای من پیوستہ شیریں کاریت * باد فرحت بخش یاراں چوں شکر گفتاریت * بستۂ نیشکر عذوبت سرشت نقدِ حلاوت در گرہ کمر بہ دل کشائے بستہ رسم شکر ریزی نہاد۔ ہزار فرحت و مسرت دست داد۔ لب و دنداں بجواز گردانی استلذاذ اشتغال ورزید۔ و دہان از عرق دل جوے آں سبوے خود پُر گردانید۔ زبان بحصول تمنا عذب البیان۔ و کام بکام خود رطب اللساں۔ و قدر ش از قند بایہ برسید۔ و مقدارش از نبات باید دریافت۔ پارۂ صفا پذیرفتہ سیمن کار۔ دریزۂ عرق گرفتہ نسترنِ زار۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

y Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

؎ بتوصیف این تحفۂ شکریں * نے کلک من پر از انگبیں۔

(قدر متین ۶)

پیوندی بیر ایسے نہ کھائے ہوں گے۔

؎ کنار دولت عشرت آباد باد * دلم خوش نمودی دلت شاد باد * پیوندی کنار خوش گوار رسید۔ ذائقہ بحلاوت سیب و انار ہمکنار گردانید۔ نزاکت بیر یا درپوست چناں کہ باتصال سبقت دست تصور درہراس خراشیدن۔ وبسیارے مغز چنداںکہ تخم در اندیشۂ بشمار رسیدن۔ سرخی و زردی بحدی کہ بعناب و امرود رشک فزاید۔ و شیرینی قسمے کہ لب و دنداں تجویز دوری خستہ نماید۔ ؎ بے تکلف خاطرم را زیں کنار * خرمی ہا رو نمود از ہر کنار۔

(قدر متین ۱۰)

ایک آم یہ بھی قابل ذائقہ ہی ہے۔

؎ ز الطاف انبہ ز اشفاق عام * دلم شاد شد خاطرم شاد کام * از رسیدن انبہ طبع نیاز رس مسرور گردید۔ و رنگینی آن قطعۂ چمنے نظر رسانید۔ دہن غنچہ آئینش ہنگام کشایش پیشہ پیشینۂ خود شگفتین آموخت۔ و کام و زبان از شیریں بیانش شکر فشانی بمضامین شیر و شکر اندوخت۔ کثرت شیرۂ بے ریشہ آں قدر کہ بفشار نرمے از سر انگشتاں تا حد آستین رواں۔ و در عین ارتباط لب از گریبان تا کنار داماں رشک کاغذ زرفشاں۔ مدام شیریں کام باشید۔

(قدر متین ۲۱)

سنگترہ بھی پھر لیجیے۔

؎ دلم ز سنگترہ باایں دو لطف خرسند ست * کہ از بروں و دروں ہم گل ست و ہم قند ست *

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تکمۂ سرخ آویختہ بازوے شاخ - وبہ مشت لعلگوں برپنجۂ مرجان گستاخ - بالیدگی کولہ بفرحت ہم صورتی - وبزرگی نارنگی بہ نسبت خردی - میوۂ ابتہاج درکفِ مزاج باد -

(قدرمتین ۲۸)

سبحان اللہ سنگترے کے ساتھ تو نارنگیاں اور کولے بھی لپٹے ہوئے ہیں -

یہ خربزہ بھی خاصا ہی - اور کیوں نہ ہو آگرے کا ہی -

ے لطفت بہ جلوۂ ہوس انگیز خربزہ ٭ کاشانہ ام نمود جو فالیز خربزہ ٭ رنگش نظر فریبی نیرنگ دارد وبویش از عطر چنپہ فرق فرسنگ - کوزۂ نبات گرد تقلید تشکلے تراشید - بایں نرسید - وقند ہوس مناسبت مکرر گردانید - انفعال کشید - قلم اگرچہ زبان آرد - تحریر خوبی ہر قاش رقم عجز نگارد - سرسبزی عاشق کشت تمنا باد -

(قدرمتین ۴۲)

سب کھا چکے - تربزہ رہا جاتا ہی - ایک قاش اس کی بھی سہی -

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دیکر پیسا	اس کے ٹانکے جو لگائے تو وہ کچا نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا ہوکے غضب طیش میں آ	کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
کیوں بے لایا ہی اٹھا کر یہ سراسر تربوز	جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہی کچا
اور کچا ہی تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا	اس کے سنتے ہی غضب ہوکے وہ لال انگارا
لاٹھی پاٹھی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا	کھینچ مارا مرے سینے پہ اٹھا کر تربوز

ے بخندۂ شکرین تو بود گرم ہوس ٭ دلم ز تربزۂ شیریں بقدر تسکیں یافت ٭ حلاوت تربزہ زبان را

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بشکر رنجی شکر رسانید- و عذوبت آں ذائقہ را مانند ہر قاش برانگبیں خندانید- درج زمرد پر از یاقوت رمانی- و آبگینہ سبزی لبریز شربت سرور رسانی- مرغزار شادابی بفسحت طبیعت بساط طراوت گستر- و بهار خضرت مآبی مانند سیر سبزہ و آب مفرح خاطر و مقوی نظر ے بوسے برف شیرین پیش این ہر لحظہ و ہر دم ❊ بآئین دل فرہاد گویا گرد تو گردم ❊ سر سبزی بر آمد مشمول مقاصد باد-

(قدر متین ۶۹)

انجیر کو پھر ذائقہ کیجیے-

ے این عطوفت کہ نمودی بر من ❊ از تو امید چنیں مے دارم ❊ انجیر عذوبت پذیر- انشراح مبتجاوز التحریر رسانید- پوست و مغزش بہ نرمی و نزاکت اتحاد دارد- و خوبانی بادام الفتش اگر ہوس اسیری کند عجب نیارد- قند مصری انبار حلاوت نہ بملایمت- و انگور بصحبت گرد نازنے ہے ندامت- کام ذائقہ چناں از لب حاصل کہ منت دنداں نبرد- و ازاں قسم شیرینی کہ مذاق را بخاموشی ملذذ گرداند-

(قدر متین ۱۲۳)

انجیر کے لپیٹ میں خوبانی بادام انگور بھی آ گئے-

انار سلطان الثمار بھی ملاحظہ ہو-

ے از شیوۂ شیرینیت اے مجمع صد خوبی ❊ شاد است دل یاران چوں حسن بہ محبوبی ❊ انار چند از لطف آں طرز رعایت پسند بخوبی رسید- خاطر مسرور چوں خلاصۂ بعضے ازاں در پیرہن نگنجید- بدعوی سرخی گلبرگ خود سند عیانے- و شاہد آں یاقوت رمانی- عذوبت بانبساط جا یابی درون منخندد- امرود و شفتالو بحلاوت خود خیال مے بندد- حرف مذاق بسیار شیریں- و سخن طبیعت نہایت شکریں- شجر مراد مثمر بر آمد باد-

(قدر متین ۱۱۶)

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اب گِن تو جائیے کتنے پھل ہوے۔

آم ایک۔ جامُن دو۔ لیموں تین۔ چکوترے چار۔ نارنگی پانچ۔ انار چھ۔ سنگترے سات۔ کوے آٹھ۔ خربوزے نو۔ بیر دس۔ بادام گیارہ۔ پستہ بارہ۔ داکھ تیرہ۔ چھوہارے چودہ۔ کھوپرے پندرہ۔ امرود سولہ۔ انگور سترہ۔ شفتالو اٹھارہ۔ فالسہ اُنیس۔ بہی بیس۔ شریفہ اکیس۔ سیب بائیس۔ انجیر تئیس۔ آم چوبیس۔ گنا پچیس۔ خوبانی چھبیس۔ تربز ستائیس۔

اللہ غنی ستائیس بہت ہیں۔ اتنے پھل ایک باغ میں بہت غنیمت ہیں۔ لیچو نظر نہیں آتے شاید اُن دنوں اس قدر عام نہ ہوں۔

CC-0. In Public Domain.

نظیر کا مٹھائی کا پل

گو نظیر برابر مٹھائی کے پل پر نہ رہا مگر جہاں رہا مٹھائی کا پُل قائم تھا۔ اگر اس پل کے کچھ طاق دکھائے جائیں تو غالباً خیال کے تریاک سے لو لگانے والے بے مزہ نہ ہوں گے۔

پہلا طاق - برفی موتی چور کا

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں نور نور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور
ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

دوسرا طاق - برفی گلابی جلیبی تل شکری امرتی اور دندان مصری کا۔

میٹھی ہے جس کو برفی کہیے گلابی کہیے
یا حلقہ دیکھ اس کے تازی جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں اب یا امرتی کہیے
سچ پوچھیے تو اس کو دندانِ مصری کہیے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

تیسرا طاق تل کے لڈو کا۔

عمدوں نے سو طرح کی یا قوتیاں بنائیں
لونگیں ہیں دار چینی شکر میں لے ملائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم نے بھی گُڑ منگا کر بندھوائے تِل کے لڈو

چوتھا طاق پیڑا جلیبی لڈو کا

کہتا ہی کوئی پیاری جو کچھ کہو سو لادیں
پیڑا جلیبی لڈو جو کہو سو منگا دیں

زردوزی ٹاٹ بانی جوتا کہو پنہادیں
چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگا دیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پانچواں طاق مختلف مٹھائیوں کا۔

انبار لگائے پیڑوں کے اور ڈھیر گلابی اَوْرتی
بُرّاق کمد اور خرمی بھی خوش رنگ امرتی پَرپلی

پھر لڈو بھی طیار کیے دی قند بہت بادام گری
وہ خوب جلیبی اور کھجلے وہ گھیور بالوسا ہی بھی

کچھ طاق ٹوٹے ہوے بھی ہیں جن میں گڑ ہی۔ قند ہی۔ اولے ہیں۔ گڑ کی بھیلیاں[1] ہیں گنے ہیں۔ پیڑے ہیں۔ لڈو ہیں۔ جلیبیاں ہیں۔

یوں خلق دوڑی مکھیاں جوں گڑ پہ دوڑیاں
خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

جو کوئی چیز دیو ہی نت ہاتھ اوٹتے ہیں
گڑ بیر مولی گاجر لے منہ میں گھوٹتے ہیں

سر سے تا پا سٹرے کچیلے ہیں
لد گئی تار تار سب رگ و پے
دال روٹی پہ قہر آتا ہی

آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہی
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہی

[1] بھیلی گڑ کی چکتی جو عموماً پانچ سیر ہوتی ہی۔ ع خوشبو۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اُس نے اللہ جانے کھائیں کیا | اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

اُن کی بلا سے گھر میں ہو قند یا شکرنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے | موتی مونگا وآرسی ٹبے

پیڑے لڈو جلیبی۔اور سگے

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے۔ الخ
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی عورتیں

نظیر کے کلام میں عورتوں سے کافی طور پہ بحث کی گئی ہی اور اُس پہ اجمالی نظر ڈالنے سے ایک خاص مفہوم عورتوں کا جو نظیر کے ذہن میں تھا حاصل ہوتا ہی۔

(۱) سب سے پہلے نظیر کی معشوقیں ہیں۔ اُن کو اُس نے مختلف عنوان سے پیش کیا ہی۔ کہیں تو اُس نے سر سے پا تک زیورات سے جڑ دیا ہی۔ کہیں زیور کے علاوہ ناز و انداز و نزاکت اور تناسبِ اعضا اور رفتار و گفتار کا عالم بھی دکھایا ہی۔ جس سے قطع نظر اُس کے معشوق میں ہمیشہ ایک اعلیٰ درجے کی ذہانت پائی جاتی ہی اور بلا کی بے چینی۔ اُس کا معشوق بَرق کی طرح ابھی یہاں، ہی ابھی وہاں ابھی غائب۔ کسی قدر معشوق میں ایک خاص قسم کے ظالمانہ تیور بھی رکھتا ہی۔ اور معشوق اُس کا غالباً پردہ نشین عورت نہیں معلوم ہوتی ہی بلکہ امیروں اور بڑے لوگوں کے پہلو میں بیٹھنے والی طوائف۔ بول چال میں اُن کی ایک مردانہ لہجہ رہتا ہی۔

کہا جو ایک لے بوسہ میں دو لگا لینے
تو ہنس کے کہنے لگے چل بے اب نہ ایک نہ دو

معشوق اس کا زیادہ تر سفاک وضع ہی۔ فوجی لوگوں کے مذاق کے لائق۔ اسی سے ہمیشہ نظیر ڈر کے پہلو کو چمکاتا ہی۔

نظیر یار سے کیوں دردِ دل نہیں کہتا — سُنا نہیں ہی وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ
پہ دل وہ پتھر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

...dation Chennai and eGangotri

(۲) معشوقوں کے بعد اُن عورتوں کا درجہ ہی جو گھر گرست کہلاتی ہیں - اور حسنِ خانہ داری سے عُمدہ بیویاں اور مائیں ہیں - اسی قسم کی عورتوں میں مجنون کی ماں ہی جو اپنے بچے کی پرورش میں پوری طرح شفقتِ مادری صرف کرتی ہی - اسی قسم کی عورتوں میں پاربتی کی ماں ہی جو اپنی لڑکی کے لیے ایک عمدہ بَر چاہتی ہی - مہادیو کے خاص اطوار سے بھیانک ہوتی ہی -

(۳) تیسری وہ عورتیں ہیں جو جنگلوں میں رہتی ہیں - اُن کے مدارج ہیں بعض جوانیں ہیں بعض بوڑھیاں ہیں - بوڑھیوں کے ساتھ اس کو جوانوں سے زیادہ ہمدردی ہی -

(۴) [۱] چوتھی وہ عورتیں ہیں جو افلاس کے عالم میں باوجود شوق کے اپنا ارمان نہیں نکال سکتیں اور نہایت بے رونقی سے اُن کے گھر میں تقریبات ہوتی ہیں -

(۵) ہندوستان کی شریف عورتوں کو نظیر بہت کم پردے سے باہر نکالتا ہی -

(۶) ہندوؤں کی شریف عورتیں بھی ہولی کی تقریب سے آتی ہیں مگر زیادہ تر کنجنیاں ہیں - ہندوؤں کی شریف عورتیں نظیر کے کلام میں اُسی قدر زیادہ ہیں جس قدر کہ باعتبار حالتِ سوسائٹی اور قلتِ پردہ کے وہ مسلمان عورتوں سے زیادہ باہر نکلتی ہیں -

---

[۱] پنہاری - بھٹیاری - پسنہاری -

Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی کتاب الامثال

مثل تین حرفوں سے زیادہ نہیں مگر اسی میں دُنیا بھر کا فلسفہ بند ہے - لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں مگر میرے خیال میں اس سے بہتر کوئی تعریف نہیں -

فصاحت کا وہ خوش نما شرارہ جو مختلف تجربوں کی رگڑ سے پیدا ہوا اور جس سے مختلف واقعاتِ دنیا پر روشنی پڑے -

مثل حقیقت میں تجربوں کی نوٹ بک ہے - عقل نے فصاحت کی شرکت سے ایک خاص شارٹ ہینڈ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعے سے ایک شخص کی عمر بھر کے تجربے چند لفظوں میں بند ہو جاتے ہیں - اس شارٹ ہینڈ میں نظیر کو بھی ید طولیٰ تھا - اور کیوں نہ ہو کہ تجربے ہر وقت ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے تھے اور اس فن کے دونوں موجد اس کے دن رات کے مُصاحب و جلیس تھے - ہزاروں مثلیں اس کو یاد تھیں اور دن میں سیکڑوں بار اُس کو اکثر موقع پر یاد آتی تھیں اور کبھی کبھی بے ساختہ اُس کی زبان سے نکل بھی جاتی تھیں - مثلیں یاد تھیں تو نظیر جیسے آدمی کا دماغ اُنھی پر قانع تو رہ سکتا نہ تھا - اُن کی خصوصیات پر غور کی اُن کی گہرائی کو ناپا - اُن کی فصاحت کے معیار قائم کیے اُن کے بننے بنانے کے اصول ٹھہرائے - پھر آخر میں اپنی قوتِ اختراع سے اپنے خاص نقش و نگار کے ساتھ چند سانچے طیار کیے جن میں تجربے آسانی سے کھٹا کھٹ ڈھل سکیں - حافظے سے کُلیات میں کتنی مثلیں آئی ہیں - پہلے ہم اُن کو گنوائیں گے پھر اُس کے خاص کارخانے کی بنی ہوئی مثلوں کی بانگی دکھائیں گے -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection

...Foundation Chennai and eGangotri

قدیم مثلوں کے نمونے۔

(۱) نیکی اور پوچھ پوچھ۔

کہا جب نظیر ہم نے یہی دل میں ہم تو رکھتے	تو کہا جو نیکی ہووے تو پھر اُس کا پوچھنا کیا

(۲) بھنگیاں در باغ بیر گٹھلی سب روا۔

اور نشی کی جھانجھ میں جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا	بھنگیاں در باغ رفتہ بیر گٹھلی سب روا

(۳) چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا پاکھ۔

اب تو مُنہ گل ہی پیارے پھر دھتورا آکھ ہے	آج یہ گُلشن کھِلا ہے گل کو سو کھا ساکھ ہے
جو اُٹھا شعلہ بھبوکا آخرش کو راکھ ہے	چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے

مان لے کہنا مرا ای جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۴) بھوکے بھجن نہ ہو۔

بھُوکے غریب دل کی خُدا سے لگن نہ ہو	سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

(۵) حلوائی کی دکان دادا کی فاتحہ۔

اور مُفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ	دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ	حلوائی کی دُکان پہ دادا کی فاتحہ

یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

(۶) اجگر کے داتا رام۔

...Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آگے تو گھر بگھر تھے اکثر تمام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا
سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
سچ ہی نظیر آخر اجگر کے رام داتا

سب بیچتے ہیں یارو چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو لواژدے کا بچا

(۷) مکھی آن مدھ گری پنکھ رہے لپٹائے
یہ شہد برا ہی لالچ کا اس میٹھے کو مت کھا پیارے
جو مکھی اس میں آن پھنسی پھر پنکھ رہے لپٹا پیارے
ہاتھ ملے اور سر دھنے کہ لالچ بری بلائے
یہ شہد نہیں ہی زہر نرا اس زہر پہ مت جا پیارے
سر ٹپکے روئے ہاتھ ملے ہی لالچ بری بلا پیارے

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کہ ہری
سب چین ہوئے آنند ہوئے بم شنکر بولو ہری ہری

(۸) ای میری الٹی کے سننے والے مانگا نیچے دیا اوپر۔

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اشتر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
گھیرا خرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرا جو زر ملا تو ایسا

آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

(۹) مفلس کی جورو سب کی بھابھی۔

چولھے

یہ چولھا توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہی
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہی
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نی رکابی ہی
مفلس کی جورو سچ ہی کہ ہاں سب کی بھابی ہی

عزت سب اُس کے دل کی گنواتی ہی مفلسی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

...Foundation Chennai and eGangotri

(۱۰) آدھی اساڑھ دشمن کے گھر برسے

خورشید گرم ہو کر نکلا ہی اپنے گھر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
لیتا ہی مول بادل کر کر تلاش زر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر بھی برسے
آیار چلکے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۱) موتوا قبل ان تموتوا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقانِ زار
کیا کاتبانِ اہل قلم خوش نویس کار
وہ زندۂ ابد ہوتے تا حشر برقرار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۱۲) چہ بر تخت مُردن چہ بر روی خاک۔

کوئی ٹھوٹی چاہتا تھا کوئی موڑھا اور مٹر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر
جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
یہ خاک پہ موا وہ موا تخت کے اُپر
تھی جس کی جیسی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۱۳) ای زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
ستّارِ عیوب و قاضی الحاجاتی
اور کتنے زر کو کشف کرامات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضی الحاجات کہتے ہیں

...Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو ہی سو ہو رہا ہی سدا مبتلا ئی زر
ہر اک یہی پکارِ ی ہی دن رات ہائی زر

(۱۴) زر بر سر فولاد نہی نرم شود۔

زر کے دیے سے پیر اور اُستاد نرم ہو
جو شوخ سنگ دل ہی پری زاد نرم ہو

زر کے سبب سے دُشمنِ ناشاد نرم ہو
زر وہ ہی جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو

جو ہی سو ہو رہا ہی سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکاری ہی دن رات ہائی زر

(۱۵) اللہ غنی وانتم الفقرا۔

عمدہ ہیں جتنے خلق ہیں کیا شاہ کیا وزیر
کیا گنج و ملک و مال مکاں تاج کیا سریر

اللہ ہی بس غنی ہی میاں اور ہیں سب فقیر
جو مانگنا ہی اُس سے ہی مانگو میاں نظیر

غیر از خدا کے کس میں ہی قدرت جو ہاتھ اُٹھائی
مقدور کیا کسی کا وہی دِی وہی دلائی

(۱۶) جس کے ہاتھ ڈوئی اُس کا سب کوئی

دُنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہی
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہی

نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہی
سب کوئی ہی اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہی

نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

(۱۷) جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Foundation Chennai and eGangotri

جو پار اُتار ہو اوروں کو اُس کی بھی پار اُترنی ہے
شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
جو غرق کرے پھر اُس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

(۱۸) پانڈے جی پچتائیں گے وہی چنے کی کھائیں گے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب دکھ پائیں گے
بات کو ہنسنے کو وہ دی جھڑکیاں ترسائیں گے
لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائیں گے
پانڈے جی پچتائیں گے وہی چنے کی کھائیں گے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۱۹) رہے نام اللہ کا۔

اب نظر آگے تری رہتا ہے جو صبح و شام
پھر کہاں یہ دلبری یہ عیش کی باتیں مدام
پیار سے ہنس بول پیارے پی لے الفت کا جام
کچھ نہ رہوے گا رہیگا آخرش اللہ کا نام

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۲۰) خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۲۱) سچی کی ناؤ پہاڑ چڑھے۔

داتا کی مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں کے اُپر ناؤ سچی کی

(۲۲) سانچ کو آنچ نہیں۔

Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا	سُنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

(۲۳) دل کو دل سے راہ ہے

باتیں ہماری دل کی کہدیں نظیر اُس نے	ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(۲۴) باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز

آدم اک دُمڑی کی حیثیت کو رہے عاجز سدا	ہم کو کیا کیا ہیچ واں اور گرگٹ گڑی پہ ناز ہے
غور سے دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے اے نظیر	باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(۲۵) جوینده یابنده

مُربّای انبہ مسرور دو استلذاذ گردانید و کثرتِ رائحہ لطف سہ چنداں بخشید حلاوت وحموضت جویای قُربت بود بمعنے جوینده یابنده لذّت دیگر فراہم نمود۔

(۲۶) خانہ احساں آباد

نظیر اکنوں نہ دارد غیر ازیں یاد	کہ باشد خانۂ الطاف آباد

(۲۷) وقت خزاں چو گل نبود خس غنیمت است

قائم ہے جسم گو کہ نہیں کس غنیمت است	جیتے تو ہیں اگرچہ نہیں بس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے دنس غنیمت است	وقتِ خزاں چو گل نبود خس غنیمت است
	پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
	وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

(۲۸) بیٹھے سے بیگار بھلی۔

CC-0. In Public Domain.

...ya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آؤ پڑوسن ... کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی۔

(۲۹) گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو
جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاویگا — گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاویگا

(۳۰) ڈھاک کے تین پات
اگر بیر بخیلی زہر ہوے یا بخشش میں تیر یا اک ہوے — یا نخل ہوے پر میوہ کے یا خالی پاتوں ڈھاک ہوے الخ

(۳۱) پانی پیجے چھان کر گرو کیجے جان کر
کھاتا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیے تو چھان کر — یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر

اب یہاں سے خاص نظیر کی مثلیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات تو بطور کلیے کے سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی ہر مقبول ناصحانہ نظم کی ٹیپ یقینی ضرب المثل ہے

(۱) سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(۲) کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگیں ہیں — کوڑی نہیں تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں
(۳) سب چیز کو ہوتا ہے برا ہاے بڑھاپا — عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

(۴) پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

(۵) کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

(۶) کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

...Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۷) اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا	بابا یہ تن ہی دم کے گزاری کا جھونپڑا

(۸) عاشق ہی تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۹) ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

(۱۰) کام آتی ہی عاشق کے بہت رات اندھیری

(۱۱) اب بھی ہماری آگے یارو جوان کیا ہی

(۱۲) اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے	ٹک ہنس کے اوپری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے
(۱۳) جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست	اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
(۱۴) تن درستی کو بہت فضلِ الٰہی بوجھیے	آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی سمجھیے

(۱۵) ہیں راگ اُنھی کے رنگ بھرے اور بھاو اُنھی کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

(۱۶) کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قُدرت کے کھیل

چھوڑ سب کاموں کو غافل بنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۱۷) پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے	جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر بالے

(۱۸) آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

(۱۹) عاشق کو دکھاتی ہی عجب ڈھنگ جوانی

(۲۰) گاہک ہی کچھ نہ لیوے تو دلال کیا کرے

(۲۱) جھمکا نظر آتا ہی ہر اک عیش کی شے کا	دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہی روپے کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

(۲۲) سب چھوڑ دو بات طوطی و پدڑی دلال کی | یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی
(۲۳) نقشِ یاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا | اُس نے طیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا

(۲۴) دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں

(۲۵) پڑے ہی بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۲۶) دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا

(۲۷) پیسا ہی رنگ روپ ہی پیسا ہی مال ہی | پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہی
(۲۸) راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہی | یاں یوں بھی واہ واہی اور وُوں بھی واہ واہی

(۲۹) جو خاک سے بنا ہی وہ آخر کو خاک ہی

(۳۰) جب آئی اُس گڑھی میں نظیر اور ہزار من | اوپر سے آکے خاک پڑی تب خیر ہوئی
(۳۱) لے آئنے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ | صورت میں اپنی قُدرتِ پروردگار دیکھ
(۳۲) گر ہی فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل | یاں تو نٹری نہ بیل پڑا اپنی سرپہ کھیل لنے

(۳۳) خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جدائی کا

(۳۴) چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں | خاک ایسی زندگی پہ تم کہیں اور ہم کہیں
(۳۵) دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال ہال دھن کو | گر مرد ہی تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۳۶) کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۳۷) جدھر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہی | غرض میں کیا کہوں دُنیا بھی کیا تماشا ہی

Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۳۸)	حسن یہ دو دن کا ہی مہمان ہنس لے بول لے	مان لے کہنا مرا ای جان ہنس لے بول لے
(۳۹)	نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چہچے ہم ہوں گے	میاں اک دن وہ آدی گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے
(۴۰)	تازگی جی کی اور تری تن کی	واہ کیا بات کورے برتن کی
(۴۱)	جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا	قصّوں میں رہی حرف و حکایات تو پھر کیا
(۴۲)	دنیا میں بادشا ہی سو ہی وہ بھی آدمی	
(۴۳)	جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں	
(۴۴)	ایسے لڑے کہ خوب لڑے خوب ہی لڑے	
(۴۵)	رگ رگ میں جس سے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی	
(۴۶)	غیر از خدا کے کس میں ہی قدرت جو ہاتھ اٹھای	مقدور یہ کیا کسی کا ہی دم دہی دلای
(۴۷)	ہشیار یار جانی یہ دشت ہی ٹھگوں کا	یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا
(۴۸)	اس کی بغل میں گپتی تیغ اس کے ہات میں ہی	وہ اس کی فکر میں ہی یہ اس کی گھات میں ہی
(۴۹)	غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہی	ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہی
(۵۰)	جو خوشامد کری خلق اس سے سدا راضی ہی	حق تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی
(۵۱)	سب جتنے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے	جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے
(۵۲)	دنیا کے بیچ یارو سب زیست کا مزا ہی	
(۵۳)	ڈرتی ہی روح یارو اور جی بھی کانپتا ہی	مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہی
(۵۴)	سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے	اور دم بنا ہی آہ فقط غم کے واسطے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

(۵۵) دنیا میں کون ہی جو نہیں مبتلاے زر

(۵۶)	جو ہی سو ہو رہا ہی سدا ابتلاے زر	ہر اک یہی پکار رہی ہی دن رات ہاے زر
(۵۷)	اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے	پر جھڑ گئے دُم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے
(۵۸)	یہ رنڈی پُرانی ہی نہ آس کے تو چھل میں	آج اِس کے بغل میں ہی تو کل اُس کے بغل میں

(۵۹) گیارہ سے تیرہ ہین طلای علیہ السلام کے

Foundation Chennai and eGangotri
Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظیر کی نسبت لوگوں کی رائے

نظیر کی نسبت علی العموم لوگوں کی رائے خراب ہی۔ یہانتک کہ جس کسی سے میں نے ذکر کیا کہ میں نظیر کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں اُس نے تبسّم زیر لبی ضرور کیا۔ لیکن اس عام مخالفت رائے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ واقع میں نظیر اور اُس کا کلام اسی کا مستحق بھی ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ بعض زمانے میں کسی خاص طرز کو خاص مقبولیت حاصل ہوجاتی ہی۔ کبھی یہ مقبولیت معقول اسباب پر مبنی ہوتی ہی اور کبھی فقط ملک اور قوم کا ایک خاص خیال اس مقبولیت کا باعث ہوتا ہی جس کی کوئی بنیاد معقول نہیں ہوتی۔ ہرچند اس قسم کی بے بنیاد مقبولیت چندے جدّت کی وجہ سے لوگوں کو فریفتہ رکھتی ہی لیکن بہت ہی جلد اُس کا رنگ دلوں سے محو ہونے لگتا ہی اور آخر مٹ مٹا کر فقط اللہ کا نام رہ جاتا ہی۔ نظیر کے دورِ اخیر میں بدقسمتی سے ملک کے مذاق نے ناسخ کی غیر طبیعی اور پُر تصنّع طرزِ شاعری کو پسند کرنا شروع کیا تھا۔ پبلک اُن دنوں کوئی چیز نہ تھی۔ جو کچھ تھے اُمرا تھے اُنھی کے ہاتھ میں مذاق کی باگ ہوتی تھی۔ وہ جس طرح چاہتے تھے اُس کا رُخ پھیر دیتے تھے۔ لکھنؤ میں شاعری کی بُنیاد گویا سودا سے پڑی۔ وہ کوئی خود مختار شاعر نہ تھا کہ بالکل تقاضاے فطرت پر نظر کرتا۔ تعلقِ دربار سے اُس کو اُمرا اور دولت مندوں کی مدحت کرنی پڑتی تھی۔ پھر اُمرا اور دولت مند کون جن کا نام یون معمولی طور پر بھی بے دس گز کے القاب کے لیا نہیں جاتا تھا۔ ایسی حالت میں سوا اِس کے کیا چارہ تھا کہ بے انتہا لفاظی سے کام لیا جاتا۔ سودا کے قصائد قصائد نہیں ہوتے بلکہ عمدہ لفظی رجمنٹیں ہیں جن میں چُنے اور چھنٹے ہوے سڈول گراں ڈیل جوان شوکت اور دبدبے کی وردیاں پہنے ہوے موزونی کی پریڈ میں قواعد کر رہے ہیں۔

CC-0. In Public Domain.

آگے تشبیب کا انگریزی باجا ہی اور پیچھے دُعا کا نیشنل انیتھم - ناسخ سودا کے بعد آیا - ہرچند اُس نے قصیدہ تو نہیں کہا مگر قصیدے کی لفاظی رائج ہو چکی تھی - اب وہ عاشقانہ ڈھنگ کے سیدھے صادے پھیکے پھیکے اشعار دلوں کو کب مزہ دے سکتے تھے - ناچار اس کو غزل میں بھی قصیدے ہی کی طرز اختیار کرنی پڑی - وہ بزم جس میں سچے عاشق دلی سوز و گداز کے ساتھ اصلی معشوقوں سے مصروف حرف و حکایت تھے - وہاں رجمنٹ کے سپاہی گھس آئے - رنگ محل بارک ہو گیا - تھوڑے ہی دنوں میں ناسخ کی طرز نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ شرق سے غرب تک اُس کا رواج ہو گیا - ہرچند دہلی کے شُعرا زیادہ تر میر کی طرز کے پسند کرنے والے تھے مگر رفتہ رفتہ اُن کے مذاق میں بھی انقلاب آیا - شاہ نصیر کے زمانے سے لفاظی کا وہاں بھی رواج ہوا - شیخ ابراہیم ذوق نے ناسخ کی طرز پر بیسیوں غزلیں لکھی ہیں - اگر ایک خاص وجہ سے دہلی والوں کو اہلِ لکھنؤ سے قطعی نفرت نہ ہوتی تو میں جانتا ہوں لکھنؤ اور دہلی کی شاعری میں کوئی تفرقہ باقی نہ رہتا - ذوق نے ابتدا میں گو ناسخ کا تتبع کیا مگر آخر اُس کے مذاق سلیم نے دکھایا کہ فقط لفاظیوں سے کام نہیں چل سکتا - اصلی دلی خیالات کسی قدر تصنع سے دُور ہونے چاہئیں اور اُن الفاظ اور ترکیبوں میں ظاہر ہونے چاہییں جو بے تکلف ہوں - میرزا غالب اور مومن خاں نے گو اپنے مذاق پر ناسخ کا خطِ نسخ تو نہ پھرنے دیا مگر پھر بھی ان دونوں حضرات پر متاخرین شُعرائے فارسی کا مذاق اس قدر غالب تھا کہ اُن کو ہم بمشکل اردو کا شاعر کہہ سکتے ہیں - ایک کے اگر فقط خیالات فارسی ہیں تو دوسرے کے الفاظ اور خیالات دونوں

موجودہ مذاق کسی نہ کسی نہج سے انھی شُعرا کا پیدا کیا ہوا ہی - جنھوں نے باضابطہ قدیم روش پر تعلیمِ شاعری پائی ہی وہ ضرور ان ہی ائمۂ فن میں سے کسی نہ کسی کے پیرو ہوں گے اُن کا دماغ اُس تعلیم کی وجہ سے

In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی طرح بے لاگ رائے قائم نہیں کر سکتا - ایسی صورت میں نظیر کے اس گروہ میں مقبول ہونے کی کیا شکل - ایک صورت اُس کی مقبولیت کی تھی مگر اُس میں ایک خاص آفت پیش آگئی - یہ تو سب کو معلوم ہی کہ انقلابِ سلطنت سے ہر قسم کے مذاق میں بھی بہت بڑا انقلاب آیا ہی - غدر سے اِس انقلاب کی ابتدا ہی اور اب شاید انتہا کو پہنچ گیا ہی - مدرسے قدیم مُعلّموں سے خالی ہو گئے - کالجوں میں پروفیسر آباد ہیں - مشاعروں کی شمع گل ہی - گل دستے مُرجھا مُرجھا کر رہ گئے - دیوان اوّلاً تو چھپتے نہیں - اور جو چھپتے ہیں داخل دفتر - قلم رو نظم نثر کے قبضے میں ہی - قافیوں کا قافیہ تنگ ہی - فوجِ ردیف بھاگی جاتی ہی - ناولوں کا دھاوا ہی - افسانے کُتب خانوں میں چھپتے پھرتے ہیں - شاعری اپنی حفاظت کے لیے فطری مورچے قائم کر رہی ہی - معانی کے رسالے الفاظ کے پیادوں کو کھُندل رہے ہیں - انقلاب کا خاصہ ہی کہ عزیزوں کو قعرِ مذلّت میں گرا دیتا ہی اور ذلیلوں کو بامِ عزت پر چڑھا لیتا ہی - اِس قاعدے کے مطابق یہاں بھی بیسیوں عزیز ذلیل اور بیسیوں ذلیل عزیز ہوے ہمیں اُمید تھی کہ جہاں اور ذلیل عزیز ہوے ہیں وہاں ہمارا نظیر بھی ہو گا - حق یہ ہی کہ موجودہ مذاق کے مطابق اِس سے بڑھ کر کسی شاعر کو مقبولِ عام ہونے کا اِستحقاق نہ تھا مگر بلا یہ آن کر پڑا کہ جن ناقدین کے ذریعے سے اُس کے اصلی جوہر روشن ہو سکتے تھے اُن کی آنکھوں پر اغراضِ ذاتی نے بلا کے پردے ڈال دیے - ہر چند پوری پوری کتابیں شاعری پر لکھیں مگر اِس پر بھی اِس کا کہیں ذکر نہ کیا اور جو کیا تو سرسری طور پر نہایت بے دلی کے ساتھ اصل میں ڈر اُن کو اِس بات کا ہوا کہ اگر میں اِس کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھوں گا تو جس مرتبے کا میں مُدعی ہوں اُس کا وہ مستحق ثابت ہو جائے گا - میرا خیال یہ ہی کہ ہندوستان میں نیچرل شاعری جس کا اب بہت غُل ہی اصل میں اُس کی بنیاد نظیر نے قائم کی ہی - باوجودے کہ اب لوگ خیالاتِ فرنگ سے مدد لے لے کر طبع آزمائی کر رہے ہیں پھر بھی بعض فطری نظمیں اُس کی ابھی تک لاجواب ہیں اور شاید اُس وقت

CC-0. In Public Domain. Gurukul K...

and eGangotri

تک لاجواب رہیں کہ کوئی اُسی رُتبے کا حقیقی شاعر ملک میں پیدا ہو۔

جس عدم مقبولیت کا میں نے ابھی تک ذکر کیا ہی وہ خاص شُعرا اور اہل فن سے متعلق ہی ورنہ علی العموم با ایں ہمہ مخالفت بھی نظیر کی مقبولیت بدرجہ غایت ہی۔ اِس کثرت سے شعراءِ ہند میں شاید کسی کا کلام نہیں پڑھا جاتا اور اِس کثرت سے کسی کا کلام مجالس و محافل میں بطورِ ضرب المثل مستعمل نہیں۔ یہی مقبولیت تھی جس نے اِس کا کُلیات چھپوایا اور یہی مقبولیت تھی جس نے اُس کو ہاتھوں ہاتھ بکوایا۔ کلیات کے چھپوانے کو کوئی اُس کا شاگرد نہیں اُٹھا تھا نہ خاندان کے کسی صاحب نے اِس طرف توجہ کی تھی۔ باضابطہ دیوان اُس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کی خلوتِ خوش خیالی میں بند ہی۔ دیوان جو شاگردوں یا خاندان کے لوگوں کے اہتمام سے چھپتا ہی اُس میں دیباچہ ہوتا ہی۔ قطعاتِ تاریخی ہوتے ہیں۔ تقریظیں ہوتی ہیں۔ یہاں ان چیزوں کا تو ذکر کیا ترتیب بھی ٹھیک نہیں۔ عام مقبولیت سے عام طلب پیدا ہوئی اور تاجرانہ خیال نے طلب کا اندازہ کر کے جس طرح بنا چھاپ دیا۔

سلیقۂ جمع و تالیف چاہتا ہی کہ اِس پر بھی اُس کے لیے تقریظوں کا ایک مُعتد بہ مجموعہ فراہم کیا جاے جس سے ظاہر ہو کہ اصلی کمال اپنا صلہ بے لیے نہیں رہتا۔ اچھا لیجیے :۔

۱۔ محمد وزیر خاں مہتمم مطبع احمدی واقع چارسو دروازہ آگرہ کی راے :۔

"کتاب لُطف آب پسند ہر صغیر و کبیر کُلیاتِ نظیر"

۲۔ شیخ نورالدین بن جیوا خاں مہتمم مطبع صفدری واقع بمبئی کی راے :۔

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب پسند خاطر ہر صغیر و کبیر یعنی منتخب نظیر (مصنف کی نسبت) نتیجہ طبع سر دفتر شعراے زمانِ خویش و مُقتداے رہروانِ سلوک خیر اندیش جناب شیخ ولی محمد صاحب متخلص بہ نظیر

Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۳- سید تصدق حسین مصحح مطبع اودھ اخبار کی رائے:-

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہی خواب غفلت سے دُنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسنِ ادب سے جگایا ہی- حق تو یہ ہی کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پُر تاثیر ہی کہ ہر زمانے اور ہر وقت میں اُس کا مداح ہر صغیر و کبیر ہی- یہی کلیات ہی کہ اگر چشم ظاہر سے اس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہی اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو تو سراسر دنیائے ناپائدار کی مذمتوں اور چرخِ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ سبو ہی۔"

۴- حکمت یار خاں ابن حافظ احمد خاں شاگرد جناب منشی نثار احمد بریلوی کی رائے:-

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب سر دفتر شعرائے زماں سرمشق قلوب عاشقان (مصنف کی نسبت) کہ جس کو سیاح دریائے فصاحت بیانی و غواصِ بحرِ فہم و معانی جناب شیخ ولی محمد اکبرآبادی متخلص بہ نظیر نے اپنی صاف طبع سے نکال کر رشتۂ تحریر رنگا رنگ میں منسلک کر کے جوہریان و نقادان بازار معانی کو مستفیض کیا۔"

۵- حکیم میر قطب الدین باطن مولف گلستانِ بے خزاں کی رائے:-

"(مصنف کی نسبت) پیرِ مغاں میکدۂ سخن- جرعہ کش راوقِ مضامین نو و کہن جناب سید ولی محمد نظیر- درۃ التاج شہنشاہ سخن دانی- گوہر یکتائے قلزمِ فیض رسانی- سریر آرائے اقالیمِ سخن وری- اورنگ پیرائے محافلِ شاعری- شمعِ شبستانِ مکرمت- چراغِ دودمانِ عزت- گلدستہ گلستانِ عظمت- غنچۂ بہارِ ندرت- لعلِ معدنِ حلم و حیا- گوہرِ گنجِ اتقا- خورشید آسمانِ وفا- ماہِ چرخِ صفا- بادہ نوشِ میخانۂ مضمونِ یک رنگی- رحیقِ پیمائے مصطبۂ معنیِ دل نشینی- مخزنِ جود و احساں- معدنِ الطافِ بے پایاں- حلیم الطبع- خلیق الوضع- مطلع انوار سواد

CC-0. In Public Domain.

نظم - مقطع بیاضِ تجلیاتِ بزم - حریفِ محفلِ آشنائی - ظریفِ انجمن دانائی - خلاصۂ خاندانِ نبالت - سُلالۂ دودمانِ اصالت - چرخِ ہمت - زمینِ حلم - دُور از جہل نزدیک بعلم - وحیدِ عصر یکتائے زماں - یکہ تازِ عرصۂ مضمونِ سخن سنجاں - آشنائے غوامضِ نکتہ چینی - دانائے دقائقِ رنگینی - عالی فکر بلند ہمت رفیع مرتبت - بزرگ شوکت والا فطرت اوجِ فتوت - ہادی شعر القب - صاحب قاعدۂ ادب - (شاعری کی نسبت) خیاطِ ازل نے قبائے مضامین نادران کی عقل کے جسم پر قطع کی - دبیر فلک نے بیاضِ سخن پردازی و مضمون طرازی ان کے نام بخشی - بلاغت میں سلمانِ ساوجی بسم اللہ خوانِ دبستاں - فصاحت میں سحبانِ وائل طفلِ مکتب ایشاں - اِن کے چمن فکر میں اس طرح کے گلہائے مضامیں کھلے ہیں کہ اگر عین خزاں میں بُلبُل تصویر کو اُس باغ میں لے جائیے تو اُن پھولوں کی بو کا نفسِ عیسوی کرے - نغمہ سرائی عندلیبِ طبع کی اگر طوطیِ بے جاں سُنے تو ہزار جان سے نوا سنجِ توصیف و مدح ہو کر ان کا دم بھرے - جس شاخ پہ ایک پھُول گلستانِ سخن اِن کے سے کِھلا دیکھیں سیّارانِ شائقِ عنادل دار جان نثار کریں - گلشنِ جنت ایک برگِ خزاں رسیدہ چمنستانِ طبع - بہارِ خلد غنچۂ گُلبنِ باغِ جنانِ طبع - شاعر اس کو کہتے ہیں کہ واقف ہو زمانے کے اُمُوراتِ نیک و بد سے - ہمہ داں شیریں بیاں ہو بڑھ کے حد سے - شعر گوئی کے دقائق سے خوب ماہر ہو - شاعری کے سب نکتوں کا فائدہ اُسے ظاہر ہو - شاعری کے علموں کا عالم ہو - ہر طرز میں مہارت کامل ہو - جیسے ہادیِ شُعرا - شاعرِ نامدار عالی مقدار جن کے کلماتِ شائستہ نے گوشِ فہم عالم کو عقل سماعت بخشی اور شہر شہر دیہ دیہ قصبہ قصبہ ہر کوچہ و برزن میں ہزاروں فرسخ بجز ذکر داد صافِ نظم و نثر اُس جنت آرام گاہ کے کُچھ بات نہ سُنی - ساقیِ خم خانۂ فیضِ طبع نے تشنۂ بادۂ شوقِ سخن کا لب تر کیا - پیر مغانِ طبع نے ہر ایک خشک کام گلو تر کردۂ راوقِ تمنائے سخن کا اپنے دَور میں لبالب ساغر کیا - کلام نیر شعرائے عصر کے لیے نظیر ہے - تقریر یہ عاصی بے نظیر ہے"

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۶- ابوالقاسم میر قدرۃ اللہ قادری صاحبِ تذکرہ کی رائے:-

(مصنّف کی نسبت) شیخ ولی محمد اکبرآبادی- شاعریست دیرینہ مشق کہ بالفعل (سنہ ۱۲۲۱ھ) دراں فواحِ علمِ اوستادی مے افزاید- ونزدِ محبّت واخلاص باہرکس مے بازد- بسیار سلیم الطّبع وخوش اختلاط ونہایت نیک طینت و مُستحکم ارتباط شنیدہ مے شود- بہ معلّمی اوقات گزاری مے کند و بہ کشادہ پیشانی ایّام زندگی بسر مے برد۔"

۷- نواب مصطفٰے خان شیفتہ صاحبِ گُلشن بے خار کی رائے:-

"(شاعر کی نسبت) نظیر- خانہ درجوارِ روضۂ تاج گنج کہ بیرونِ شہرِ مذکور (اکبرآباد) ست دارد- گویند کہ نظیر در حلم وخُلق وانکسار بے نظیر روزگارست- کم مدّت سُت کہ ازیں خاکداں بہ روضۂ رضواں رفت (شاعری کی نسبت) اشعار بسیار دارد کہ برزبانِ سُوقییں جاری ست- ونظر بہ آں ابیات در اعدادِ شُعرا نہ شایدش شمرد- امّا بہ رعایتِ ابیاتِ مُنتخب قطعِ نظر کردہ شد۔"

۸- سعادت خان ناصر صاحبِ تذکرۂ جوشِ معرکہ کی رائے:-

(مُصنّف کی نسبت) نظیر- وضع قلندرانہ- مردِ آزاد- معاش اُس کی تعلیمِ صبیاں اور اُجرتِ صدائے فقیراں-

۹- مولوی محمد حسین آزاد صاحبِ تذکرۂ آبِ حیات کی رائے:-

"(اشعار کی نسبت) ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور ہی کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اُس کے اشعار انتخاب کرکے لکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہی کہ فیضانِ سخن رایگاں نہیں جاتا- نظیر کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اُس کے چند شعر منتخب لکھ دیں تو ناواقف سوا اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر

عہ یہ تحریر سنہ ۱۲۴۸ھ اور سنہ ۱۲۵۰ھ کے درمیان کی ہی-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔"

۱۰۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی کی رائے:-

"آج کل یوروپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ اُس نے اور شعراء سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اسی کو معیارِ کمال قرار دیں تو بھی میر انیس کو اُردو شعراء میں سب سے برتر ماننا پڑے گا۔ اگرچہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مگر اُس کی زبان کو اہلِ زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف میر انیس کے کہ اُس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔"

۱۱۔ حکیم اصغر حسین فرخ آبادی کی رائے:-

"جس زمانے میں وہ (نظیر) فرخ آباد آئے تھے میرے والد سے اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں صغیر السن تھا۔ میں اُن کی زیارت سے بھی مشرف نہیں ہوا۔ مگر قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت موزوں اور چلبلی رکھتے تھے۔ مضامین اپنی فکر و استعداد کے موافق موزوں کیا کرتے تھے۔ جوانی کی ستائش۔ بڑھاپے کی مذمت خوب لکھی ہے۔ بلی نامہ۔ چوہے نامہ۔ گلہری نامہ۔ کوڑی نامہ وغیرہ وغیرہ انھی کے نتائج افکار سے ہے۔ بڑھاپے کے ترجیع بند میں مشہور شعر ہے ؎ سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا۔ عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا۔ ہر چند حضرت سلیم چشتی کے عُرس کی تعریف میں ترجیع بند لکھا ہے جس کا بند کا شعر ہے ؎ رشک ہے گلشنِ بہشتی کا۔ عُرس حضرت سلیم چشتی کا۔ مگر حضرت عباسؓ کے معجزے اور کربلا کے معرکے ایسے موزوں کیے ہیں

* آبِ حیات۔ ضمن حالات ولی۔ صفحہ ۹۵۔

** مقدمہ دیوانِ حالی۔ صفحہ ۱۸۲۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن سے مستفاد ہوتا ہی کہ استعدادِ علمی کامل نہ تھی اور اگر امیہ طریقہ ہو تو عجب نہیں۔ مگر انھوں نے ایک مسدس طویل جنم میں کنھیا کے لکھا ہی جس کا شعر یہ ہی ؎ یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم + پر ان کے اُور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم + ان کی تعریف میں ایک خمسہ لکھا ہی ؎ میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتاری کے + سری کشن کنھیا مُرلی دھر من موہن کنج بہاری کے + اور سری کشن کی تعریف اور دُرگا جی کے درشن اور مہادیو جی کا بیاہ وغیرہ بہت کچھ نظم کیا ہی جو آزادیِ قیدِ مذہب کی خبر دیتا ہی۔"*

۱۲- منشی سید احمد دہلوی صاحبِ فرہنگِ آصفیہ کی رائے:-

"بعض دہلی کے تذکرہ شعرا جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا ہی کہ وہ ایک مُلّا مکتبی۔ صحتِ الفاظ سے مُعرّا۔ پُر گو۔ اور عوام الناس کی بلکہ جُہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری رائے میں وہ ہندوستان کا شیکسپیر اور فطرتی اور قدرتی مضامین کے بیان میں ید طولیٰ رکھنے والا تھا۔ اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا ہی کہ دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

۱۳- مولوی نذیر احمد کی رائے:-

میں نے اپنے دوست مولوی بشیر الدین احمد سے پوچھا کہ آپ کے والد نظیر کے کلام کی نسبت کس قسم کی رائے رکھتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کبھی ذکر آیا ہی تو والد نے نظیر کی نسبت عمدہ خیالات ظاہر کیے ہیں۔ سب سے پہلی رائے اُن کی توبۃ النصوح میں درج ہی۔ اُس کتاب میں کلیم کے کتب خانے کے ذیل میں انھوں نے نظیر کے کلیات کا ذکر کیا ہی اور مناسبِ مقام اپنی غرض کے لیے (چھوہوں کے اچار) کا بڑے موقع سے استعمال فرمایا ہی۔ یہ ٹھیک ہی کہ اس بحث میں نظیر کو کوئی عمدہ جگہ نہیں ملی۔

---

* منتخب از مراسلہ مورخہ ۱۹ - جولائی ۱۹۱۸ء۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لیکن اس میں کچھ نظیر ہی منفرد نہیں - وہاں تو اِس سرے سے اُس سرے تک تمام شعرا کا صفایا بول دیا گیا ہی اور تو اور اس قتلِ عام میں حضرت سعدی تک نہیں بچے - حال آں کہ انھی سعدی کے باب میں کچھ برسوں بعد حضرت نے اپنی موعظۂ حسنہ میں کس قدر بلند رائے ظاہر کی ہی - حقیقت یہ ہی کہ جو رائے توبۃ النصوح میں ظاہر کی گئی ہی وہ اُن کی واقعی رائے نہیں ہی بلکہ ایک رائے ہی جو اُنھوں نے گویا کسی تعلیم کی کتابیں منتخب کرنے والی کمیٹی کی خاطر سے لکھ دی ہی - اصلی رائے اُنکی یہی ہی کہ باعتبارِ شاعری نظیر کو وہ ایک عمدہ شاعر اور مُستند اُستاد تسلیم کرتے ہیں - کلیم کے کتب خانے کا حال لکھا ہی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہی کہ وہ اُس کے شوق کے پردے میں خود اپنا مذاقِ شاعرانہ ظاہر کر رہے ہیں - کتاب فروش نظیر کا دیوان جس پر ہُدہُد کے اشعار بھی چڑھے ہوے ہیں کلیم کے پاس نہیں لاتا بلکہ لاکر خود مولنا نذیر احمد صاحب کے شوق کی لائبریری میں داخل کرتا ہی - جہاں تک میں جانتا ہوں نظیر کا کُلیات ہُدہُد کے اشعار کے ساتھ نہیں چھپا - دہلی کے مشاعروں کی یادداشت نے ہُدہُد کے اشعار یاد دلاے اور راز بس کہ نظیر بھی مذاقِ خوش طبعانہ و شوخ رکھتا ہی تلاحقِ افکار کے طلسم سے دونوں شاعروں کا کلام ایک مجموعے میں چھپ کر جلوہ گر اور پیشِ نظر ہوا - شواہد اس بات کے بکثرت ہیں کہ نظیر کا کلام مدتوں مولنا کے پیشِ نظر رہا ہی اور بہت دور تک اُس نے پسندیدگی کا شرف بھی حاصل کیا ہی کیوں کہ اکثر اشعار اُس کے اُن کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ حال میں قرآن شریف کا جو ترجمہ مولنا نے شائع کیا ہی اُس میں بھی اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم کے فائدے کے ضمن میں نظیر کے یہ ضرب المثل اشعار موجود ہیں :-

نیکی کا بدلہ نیک ہی بد کر بدی کو سات لے
کانٹے لگا کانٹے پھلیں پھل پات بو پھل پات لے

کل جگ نہیں کر جگ ہی یہاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہاتھ دے اُس ہات لے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اِس سے بڑھ کر ایک شاعر کے لیے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہی کہ اُس کا شعر ترجمۂ قرآن جیسی مقدس چیز میں ایک اہم قاعدہ بلاغت کے اثبات میں نقل ہو۔*

ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو تقریر یہ مولانا نے کی اُس میں نظیر کے ایک شعر کو نہایت لُطف سے پڑھا اور اُس کی طرف لوگوں کی توجہ کو کسی قدر غیر معمولی طور پر منعطف کیا۔ جس عبارت میں نظیر کا ذکر کیا ہی یہ ہی:۔

"وہ تمھارے آگرے میں ایک صاحب من وجہ بندے کے ہم نام ہو گزرے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی۔ من وجہ میں نے اس لیے کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا۔ اور میرا نام ہی۔ اُن کا تخلّص ظ سے تھا۔ میرا نام ذ سے ہی۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی ہی یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مُفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہی۔

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل
کونڈی سُتکے کو بجا اور دیکھ ٹک قُدرت کے کھیل"

چوں کہ مولانا کا مزاج بالطبع شوخ اور ظریفانہ واقع ہوا ہی یہ امر طبیعی ہی کہ اُن کو نظیر کے کلام سے خاص اُلفت اور اُس کے اشعار کی طرف خاص رغبت ہو۔ مولانا ناولسٹ ہیں۔ ناولسٹ ہر شخص کے اندرونی خیالات کا تماشائی اور خصوصیاتِ اخلاق کا نبّاض ہوتا ہی۔ نظیر گو ناولسٹ نہیں مگر اُس کی زبان اور اُس کی قوتِ مشاہدہ اور تجربے بہت سے معمولی درجے کے ناولسٹوں کے لیے موجبِ رشک ہو سکتے ہیں۔ پس اس اعتبار سے بھی مولانا نذیر احمد اور نظیر باہم مُشارکت رکھتے ہیں۔ عجب نہیں کہ مُشارکتِ اسمی کے بیان کرتے وقت کسی قدر مولانا کا خیال اُس مُشارکتِ خیالی کی طرف بھی گیا ہو۔ لیکن کانفرنس میں اُس کے اظہار کا کیا موقع تھا۔

میری رائے نظیر کی نسبت یہ ہی کہ اُردو کا سعدی ہی لیکن وہ نظم میں اور مولانا نذیر احمد نثر میں۔ سعدی نظیر

* ترجمۂ قرآن صفحہ ۵۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Chennai and eGangotri

نذیر احمد حسنِ اتفاق یہ کہ تینوں جس طرح نصائح میں مشارک ہیں اُسی طرح ظرافت میں بھی۔ میرے ایک عزیز نے کہا کہ شاید سعدی کا کوئی بنایا ہوا قلم کہیں پڑا تھا وہ مولوی نذیر احمد کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ پہلے نظیر اکبر آبادی کو ملا اور بعد ازاں مولنا کو۔ نظیر نے بوستاں کی خوش بو سے اُردو کے دماغ کو معطر کیا۔ مولنا نے گلستاں کے عمدہ پھولوں کا عطر کھینچ کر ناولوں کے ولایتی شیشوں میں بھرا۔ جب یہاں تک ہم رنگی ہو تو پھر نظیر کی تعریف مولنا کی زبان سے ایک نتیجۂ طبیعی ہے۔

کوئی صاحب سر ولیم میور بہادر کے زمانے میں اُردو کے شعرا کے کلام سے نصیحت خیز اشعار چھانٹنے لگے سودا۔ میر۔ آتش۔ ناسخ۔ ظفر۔ ذوق۔ درد۔ وغیرہ اساتذہ کے ہاں بھی اس قسم کے اشعار اُن کو بہت کم ہاتھ آئے۔ اخیر ہار کر نظیر ہی کے ذخیرے پہ جھکے۔ غور کر کے دیکھیے تو وہ انتخاب گویا نصف سے زیادہ کلامِ نظیر سے عبارت ہے۔ نام اِس مجموعے کا اچھا رکھا ہے (بلبلوں کے نغمے)۔

مولوی علی حیدر نظم فرماتے تھے کہ مولوی سید حسین بلگرامی نے بھی اپنی کتاب مختار اشعار میں نظیر کی بہت سی نظمیں درج کی ہیں۔ مختار اشعار پہ کیا موقوف ہے کوئی تعلیمی مجموعہ میری نظر سے ایسا نہ گزرا جس میں نظیر کے اشعار بکثرت نہ ہوں۔

مولوی بشیر الدین احمد نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا کہ جتنی کتابیں سر ولیم میور بہادر کے زمانے میں تصنیف ہوئیں کل والد کے ہاں رائے کو آتی تھیں اور ہر ایک کتاب پہ والد نے ایک مختصر رائے لیکن برجستہ اور مناسبِ حال رائے ظاہر کی تھی۔ یقین ہے اُن کتابوں کے جنگل میں یہ (بلبلوں کے نغمے) بھی ہوں گے اور ہوں گے تو مولنا نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ اُردو کے نصائح آمیز کلام میں نظیر کے بے نظیر کلام کا کیا پایا ہے۔

Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۴- مولوی سید محمود آزاد کی رائے:-

"ایک بزرگ حکیم نبی بخش میر غلام پیر مرحوم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے- نظیر کا کلام اُن کی زبان پر چڑھا ہوا تھا- وہ بات بات پر اُس کی تعریف کرتے اور کہتے مجھے تو اُس کے سوا کسی کے کلام میں مزہ ہی نہیں آتا میں تو جب دیکھتا ہوں اُسی کا کلام دیکھتا ہوں- میں اِن کی باتیں سُنتا اور ہنستا کہ مردِ خدا کس قدر بد مذاق ہے- اُن دنوں ناسخ کے کلام کا مزہ دل میں سمایا ہوا تھا- نظیر نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا- دل میں کہتا حکیم صاحب کو چونکہ استعداد نہیں ہے اس لیے ایک بد استعداد شاعر کی اس قدر تعریفیں کرتے ہیں- لیکن اب حکیم نبی بخش کی باتیں یاد آتی ہیں- واقع میں اُن کی رائے مذاقِ سلیم کا نتیجہ تھی نہ نتیجۂ بد استعدادی- اب جو دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں نظیر کسی طرح میر وغیرہ اساتذۂ قدیم سے کم نہیں- کلیاتِ نظیر میں نے حکیم صاحب ہی کے تقاضوں سے منگوایا تھا"

۱۵- مولوی شبلی نُعمانی کی رائے:-

جن دنوں شبلی نعمانی حیدرآباد میں وارد تھے عزیز میرزا اُن کی ملاقات کو گئے- عزیز میرزا ہی کی فرمایش سے میں نے نظیر کی سوانح عُمری کے مسوّدات وطن سے منگوائے تھے اور اُنھی کے تقاضوں سے درپئے تکمیل تھا- تازہ مضمون تھا- اُنھوں نے اثنائے گفتگو میں اسی کا ذکر چھیڑا- اس طرح کہ ہنس کر اُن سے فرمایش کی کہ مضایقہ نہ ہو تو نظیر کی سوانح عُمری بھی لکھیے- شاعر تو اچھا تھا- شبلی اس فرمایش سے سخت متحیّر ہوئے اور استعجاب کے ساتھ کہا نظیر کی اور سوانح عُمری- اس کے بعد جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے عزیز میرزا کی فرمایش اور اُن کے استعجاب کی طرف ایک خفیف شکایت آمیز اشارہ کیا- تو شبلی نے کہا نہیں میرا استعجاب اور خیال سے تھا- جب معلوم ہوا کہ آپ اُس کے حالات لکھ رہے ہیں سمجھ گیا کہ آپ کی نظر کن باتوں پہ ہی پھر سکتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

...y Foundation Chennai and eGangotri

کہ سید احمد خاں کے ہم عمروں اور معاصرین میں ڈپٹی تراب علی ایک بزرگ آگرے کے ہیں۔ نظیر کے حالات اُن سے سُننے تو بہت ہیں مگر چوں کہ ادھر خیال نہ تھا اس سے تفصیل کے ساتھ یاد نہیں۔ اگر آپ کچھ سوالات لکھ کر دیں تو ممکن ہی کہ اُن سے پوچھ کر جتنے حالات اُن کو معلوم ہیں لکھ بھیجوں۔ ہر چند شبلی نے خود تو حالات لکھ کر نہیں بھیجے مگر دیوانہ راہ رو رےبس ست ۔یں ڈپٹی تراب علی کے سر ہو گیا۔ اور جس طرح بن پڑا اُن سے حالات منگوا کر رہا۔ اس معاملہ میں میر اکبر حسین سب جج آگرہ اور میرزا محمد علی بیگ وکیل خاص شکریے کے مستحق ہیں۔

۱۶۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کی رائے:۔

ان سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوے بلکہ بہ کشادہ پیشانی تمام اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبی کلام کا اقرار کیا بلکہ اُس کو رلیسٹک پوئٹ کا خطاب دیا اور اِس امر کے ثبوت میں کہ وہ اُس کے کلام کو کسی زمانے میں دل سے پسند کرتے تھے فی الوقت نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

تنِ مُردہ کو کیا تکلف سے رکھنا	گیا وہ تو جس سے مُزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جنکا	مشیّن بدن تھا مُعطّر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا	نہ عضوِ بدن تھا نہ تارِ کفن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی	جو دیکھا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

پھر بعض فرنچ تصنیفات کا حوالہ دیا اور کہا میں آپ کے لیے نظیر کے حالات ڈھونڈھ کر اُن میں سے نکالونگا ڈھونڈا تو اُنھوں نے سہی مگر بدقسمتی سے وہ جلدیں کتب خانے سے غائب تھیں جن میں نظیر کے حالات مندرج تھے مولوی سید علی بلگرامی نے نظیر کے حالات سُننے کو ایک روز خاص کر مجھ کو بلوایا پھر جو کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تو آدھی رات تک برابر سُنتے ہی رہے۔ اِس صحبت میں میرزا حیرت بھی شریک تھے۔ جنھوں نے نظیر کے

...Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیے ایک نیا خطاب مرہٹی گو کا تجویز کیا۔ افسوس اس خطاب پر وجد کرنے والا اُس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ مولوی سید علی نے اُسی صحبت میں وعدہ فرمایا تھا کہ سوانح عمری کو سلسلۂ آصفیہ میں لے لونگا مگر سلسلۂ خدمت کے متزلزل ہو جانے سے چوں کہ پوری سلسلہ جنبانی نہ ہو سکی لہٰذا وہ وعدہ وعدہ ہی رہا۔ وفا نہ ہوا۔

۱۷۔ ڈاکٹر فیلن کی رائے:۔

"تحریری علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہی صرف یہی ایک شاعر ہی جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچّی شاعری ہی مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اُس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہی جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دلوں میں راہ کی ہی۔ اُس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں خصوصاً اُس کے خاص شہر آگرہ میں اور واعظین (یا پادری) جو کہ اُس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اُس کے اور کبیر کے اقوال کا شارعِ عام پر وعظ کہتے وقت نہایت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیر میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اُس کی نظمیں آپ اُس کی سوانح عمری ہیں کیوں کہ قالبِ نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہی۔ اور سامان نہ سہی۔ فقط انھی نظموں سے اُس کی تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بینوا تھا اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا۔ وہ اصل میں دُنیا سے بے تعلق صوفی تھا جس کا اوروں کو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہی۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پروا کرتا تھا نہ مخالفت کی۔ وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پروا کرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حُسنِ صورت پر غش ہو لے۔ نہ اقبال سے وہ پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا ہی وہ "اپنی کھال میں مست" تھا۔ اُس نے کبھی اپنی کسی تحریر کے حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اُس کی نسبت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک دی۔ شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ نظم لکھی اُٹھا کر لے گئے۔ نہایت وسیع معنوں میں وہ اعلیٰ درجے کا آزاد، اعلیٰ درجے کا موجد، اعلیٰ درجے کا حکیم، اور اعلیٰ درجے کا جگت دوست تھا۔ اُس کی ذکاوت کی رنگا رنگی اُن مضامین رنگا رنگ سے ظاہر ہوتی ہی جن پر اُس نے طبع آزمائی کی ہی۔ جس قسم کے شاعرانہ خیالات اُس نے اُن معمولی چیزوں سے پیدا کیے ہیں جن پر اَور ہندوستانی شاعروں نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا اُن کو لکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اُنھی کو ہندوستانی محققین ناواقفیت سے اس بات کا نہایت یقینی ثبوت خیال کرتے ہیں کہ وہ کوئی شاعر نہ تھا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "اُس نے اس قسم کی مبتذل چیزوں پر لکھا ہی۔ آٹا۔ دال۔ کھی۔ مچھر" اُس کی طبیعت کی رنگا رنگی اور اُس کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اِس سے بھی ظاہر ہوتی ہی کہ اُس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں دکھائی ہیں۔ اُس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہی جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل تماشے۔ عیش تفریح۔ رنج۔ غم۔ دل و دماغ سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں۔

"نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا وہ ہر چیز میں خوبی پاتا تھا۔ وہ خوش ہی جب گروہ کا گروہ خوش ہی وہ اُن کے کھیل تماشوں سے مزہ لیتا ہی۔ وہ اُن کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہی۔ صرف یہی ایک شاعر ہی جس نے لڑکوں کے پیار اور محبت کو لکھا ہی اور صرف یہی ایک شاعر ہی جس کو غریبوں مفلسوں بے کسوں مصیبت زدوں اور سب سے کس مپرس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہی جیسا کہ اُس نے اِس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہی جو اُس نے آدمی نامے کے نام سے انسان پر لکھی ہی:-

اچھے بھی آدمی ہی کہاتے ہیں، ای نظیر	اور سب میں جو بُرا ہی سو ہی وہ بھی آدمی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پاک عشق کی تصویر جو اُس نے کھینچی ہی - وہ اُسی کا حصہ ہی اور اسی لیے اُس نے کھینچی بھی خاصی ہی -
اُس کے کلام کا سب سے عمدہ حصہ کسی مطبوع مجموعے میں نہیں ہی جو اُس کے نام سے چھپا ہی - اُس کا اس قسم کا
کلام صرف رمتے ہوئے فقیروں (آزادوں) اور ناخواندہ اشخاص کی زبانی سُنا جاتا ہی جو کہ اپنے سینوں میں
اُس انسانی فطرت کا کچھ بہتر احساس رکھتے ہیں جس کے نقش و نگار نظیر نے اس خوبی سے دکھائے ہیں - یہ ناخواندہ
اشخاص اپنی پسند کی نظمیں زبانی رکھتے ہیں بخلاف اس کے پڑھے لکھے حضرات اپنی پسند کے شعرا کا کلام زبانی
نہیں رکھتے - اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت ان مقبول نظموں کو رغبت سے سُنتی اور متلذذ ہوتی ہی اور اس لذت
اُٹھانے میں اپنا وقت کہیں زیادہ صرف کرتی ہی بہ نسبت اس کے کہ پڑھے لکھے اشخاص کہیں کہیں اپنے اُن
غیر اصلی اور لفاظ شعرا پر صرف کرتے ہوں جن کے مداح ہونے کا وہ دم بھرتے ہیں - اور پھر ناخواندہ اشخاص کی
خوشی زیادہ گہری بھی ہی اس لیے کہ اُن کا سلیقۂ فطری زیادہ سچا ہی اور اُن کی رغبت کی شے زیادہ قابل مدحت

" اُس کے دل و دماغ کی صفائی اور اُس کی تحریر کی لطافت اس درجے کی ہی کہ جب وہ کوئی فحش خیال
بھی پیدا کرتا ہی (جب کہ یہ بات اُس تصویر کی صحتِ خط و خال اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتی ہی) تو فحش پر اس
لطافت کے ساتھ پردہ ڈال دیتا ہی کہ وہ ہمیشہ خود ہندوستانیوں کو بھی صاف نظر نہیں آتا جو اس کثرت کے
ساتھ ذو معنی الفاظ اور ضلع جگت کا استعمال کرتے ہیں - جب کہ وہ کسی پاک جذبۂ دل کی اعلیٰ خوبیاں تعرف الاشیاء
بالاضداد کے اُصول پہ بیان کرنے کو ہوتا ہی تو شہوانی خیال کو دماغ میں دیر تک رہنے اور اُس پاکیزہ
خیال کے محو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جس کو نظیر بابرام پڑھنے والے کے پیش نظر رکھتا ہی -

" بعض مضامین شدت سے فحش ہیں مگر شوخی جو سچی اور جان دار نقاشی کے لیے ایک جزوِ ضروری ہی اس
طرح اُس کے کلام میں ملی ہوئی ہوتی ہی کہ فحش بالکل نظر نہیں آتا - سر سے پا تک ظرافت اور لطافت چھائی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اور پڑی دل موہ رہی ہی۔

"نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سِکّہ بٹھادیا ہی۔ اُس نے اِس خصوص میں وہ کام کیا ہی جو صرف سلاطین (اقلیم سخن) مثلاً چوسر و شکسپیر کر سکے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوش نما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہی جن میں وہ ظاہر ہو سکتے تھے اور اپنی ذات پر جوان مردانہ اعتماد کر کے جو ذکاوت کا خاصّہ ہی اُس نے لفظوں کے نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرأت کی ہی اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں۔

"جو کچھ نظیر نے لکھا ہی اُس میں مشکل سے کوئی معمولی مصرع ہوگا! اور جو کچھ اُس نے لکھا ہی اُس کا ایک بہت بڑا حصّہ بجائے خود ایک مشاہدہ ہی۔ اُس کے خیال کی گہرائی اور اُس کی اُن نادر ترکیبوں کی قوّت جن میں کہ ہر لفظ اظہارِ معنی میں دوسرے کا معاون ہی جس قدر غور کیجیے اُسی قدر ظاہر ہوتی ہی۔ علم والے ہندوستانی اُدبا جن کی کوشش صرف الفاظ کے پیچھے صرف ہی وہ رسائیِ خیالات میں اس قدر کوتاہ ہیں کہ اکثر نظیر کی وسعت و خوبیِ معنی کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں اور وہ اُس کی ترکیبوں کی خصوصیتِ مناسبت کو بھی نہیں سمجھتے جو وہ ترکیبیں اُن تمام معانی کے ساتھ رکھتی ہیں جو اُن سے نکلتے ہیں۔ اور یہی وہ شاعر ہی جس سے قریب قریب تمام یورپین ناظرین بالکل ناواقف ہیں اس لیے کہ ہندوستانی اُدبا و شعرا اُس کا نام لینا بھی کبھی پسند نہیں کرتے۔

"علم والا گروہ جو کہ نظیر کی قدردانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اُس کی پرستش کی چیز ناسخ ہی۔ ناسخ جس کی تشبیہیں نہایت صناعی کے ساتھ مختلف اور صداقت سے بہت زیادہ دور ہیں اور جس کی زبان عربی اور فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کا ایک خاصا میلا ہی جس میں کسی معمولی ہندی لفظ یا حرف کو صرف اُسی صورت میں شریک کیا ہی جب کہ اُس کی شرکت سے گزیر نہیں رہا۔"*

*ماخوذ از دیباچہ لُغات ہندوستانی و انگریزی مصنفہ ڈاکٹر فیلن صفحہ ۸ تا ۱۰۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी

CC-0. In Public Domain.

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Collection Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Entered in Database

Signature with Date

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar